محمود المواعظ

(جلد ہشتم)

مجموعۂ مواعظ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی وحال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

مرتب

مولانا عظیم الدین ارنالوی

مدرس مدرسہ مفتاح العلوم، تراج، سورت، گجرات

ناشر

مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل

تفصیلات

کتاب کا نام:............................ محمود المواعظ (جلد ہشتم)

افادات:.............. حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

مرتب:.............. مولانا عظیم الدین ارنالوی (استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج)

صفحات: ۴۰۰

ناشر:.............................. مکتبۂ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

حضرت دامت برکاتہم کے مواعظ، کتابیں حاصل کرنے اور ہر سنیچر کو براہِ راست
حضرتِ اقدس کی مجلس سننے کے لیے حسبِ ذیل ویب سائٹ کا استعمال کریں:
www.muftiahmedkhanpuri.com

ملنے کے پتے

۞ ادارۃ الصدیق، نزد جامعہ تعلیم الدین، ڈابھیل Mo:99133,19190

۞ مکتبۂ انور، ڈابھیل (مفتی عبد القیوم صاحب راجکوٹی) Mo:99246,93470

۞ مکتبۃ الاتحاد، دیوبند Mo:98972,96985

۞ مکتبۂ ابوہریرہ، کھروڈ (مولانا جاوید صاحب مہاراشٹری) Mo:99256,52499

۞ مفتی صدیق اسلامپوری (جامعہ خیر العلوم ادگاؤں، کولہاپور) Mo:99220,98249

اجمالی فہرست مضامین...... جلد ہشتم

تفصیلی فہرست مضامین...... جلد ہشتم

نکاح: سنتوں سے خالی اور رسم و رواج کا مرقع بن جانے والی ایک عبادت

نکاح میں برکت کیسے آتی ہے؟

اسلام میں نکاح کی اہمیت اور اس کا طریقہ

نکاح کے مقاصد اور فوائد

اولاد کی تعلیم وتربیت اور اس میں دینی اداروں کا عظیم کردار

اولاد کی تعلیم و تربیت عصرِ حاضر کا ایک اہم مسئلہ

اسلام میں عورتوں کا مقام اور بیویوں کے حقوق (۱)

اسلام میں عورتوں کے حقوق اور اس میں ہونے والی کوتاہیاں

نکاح کے لیے نیک عورت کا انتخاب
شریعت کی روشنی میں

اقتباس

بہرحال! یہ ایک خاص وصف عورت ذات کے اندر ہو تو اس سے نکاح کرنا بہتر ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی عورتوں کے ان اوصاف اور خوبیوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس کو پسند کیا جاتا ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کرکے فرمایا تھا: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا کہ: چار چیزوں کی وجہ سے عورت کو پسند کیا جاتا ہے: (۱) خوبصورتی کی وجہ سے (۲) مال داری کی وجہ سے (۳) خاندانی شرافت کی وجہ سے (۴) دین داری کی وجہ سے پھر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ: دین داری کو ترجیح دے کر کامیابی حاصل کرو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللّٰه مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾﴾ [النساء]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ [آل عمران]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَـٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾ [الأحزاب]

وقال النبي ﷺ: مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ

لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ ①.

وقال النبي ﷺ: الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ ②.

وقال النبي ﷺ: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً ③.

وقال النبي ﷺ: وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي ④.

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

یہ خطبۂ نکاح جو آپ کے سامنے پڑھا گیا، اس میں قرآنِ پاک کی تین آیتیں اور نبیٔ کریم ﷺ کے چار ارشادات آپ کے سامنے پیش کیے گئے، ان میں سے نبیٔ کریم ﷺ کے صرف ایک ارشاد کا ترجمہ اور مختصر تشریح پیش کرتا ہوں۔

لفظِ متاع کا معنی

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ کہ: دنیا پوری کی پوری برتنے، فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کی چیز ہے۔ ''متاع'' دراصل عربی زبان میں اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان کے لیے ضروری تو بہت ہوتی ہے لیکن اس کی قیمت زیادہ نہیں ہوتی؛ کم ہوتی ہے، اس کے بغیر کام تو نہیں چلتا؛ لیکن

---

① صحيح البخارى، عَن عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنهُ، باب الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة، ر: ١٩٠٥.

② صحيح مسلم، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنهُ، باب خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، ر: ١٤٦٧.

③ مسند الطيالسي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، (القاسم عن عائشة رَضِيَ اللهُ عَنهَا) ر: ١٥٣٠.

④ صحيح البخارى، عَنْ أَنَس بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنهُ، باب التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ، ر: ٥٠٦٣.

وہ زیادہ قیمتی بھی نہیں۔

لفظِ متاع کی تفہیم ایک واقعہ سے

ہمارے حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ اِصمعی جو عربی لغت کے امام ہیں اور عربی زبان کے مشکل الفاظ اور کلمات کے معانی کی تلاش وجستجو میں عرب کے دیہاتوں اور قبائلی علاقوں میں گھومتے رہتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے تین کلمات کے معانی کی تلاش تھی: (۱) ایک تو یہی لفظِ متاع (۲) دوسرا: رقیم (۳) تیسرا: تبارک۔

فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں ایک قبائلی علاقے میں پہنچا، وہاں ایک خیمے میں ایک چار، پانچ سالہ بچہ کھڑا تھا، قریب ہی ایک میلا کچیلا کپڑا پڑا ہوا تھا جو چولہے کے اوپر رکھی ہوئی چیز کو اٹھانے، رکھنے کے کام میں استعمال کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ: میرے سامنے ایسا ہوا کہ ایک کتا آیا اور وہ کپڑا اپنے منہ میں لیا اور سامنے ایک چھوٹی پہاڑی تھی، اس پر چڑھ گیا اور اس پر پیر پھیلا کر اس طرح بیٹھ گیا، جیسے کوئی آدمی سواری پر پیر پھیلا کر بیٹھتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد اس بچے کے ماں باپ آئے تو وہ بچہ کہنے لگا: جاء الرقيم وأخذ المتاع وتبارك الجبل کہ: کتا آیا اور اس نے وہ کپڑا اٹھالیا اور پہاڑ پر جا کر بیٹھ گیا۔ گویا انھیں جن تین الفاظ اور کلمات کے معانی کی تلاش اور جستجو تھی، وہ سب حاصل ہو گئے۔

دنیا کی حقیقت

یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ کتے نے جو کپڑا اٹھایا تھا، وہ زیادہ قیمتی نہیں تھا لیکن ایسا ضروری تھا کہ اس کے بغیر آدمی کا گذارا نہیں ہوتا گویا عربی زبان میں ہر وہ چیز جو انسانی زندگی کے لیے ضروری ہو لیکن زیادہ قیمتی نہ ہو، اس کو متاع کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے دنیا کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی چیز بتلا رہے ہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہیں، کھانا، پینا، پہننا وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے بغیر چارۂ کار نہیں لیکن وہ قیمتی نہیں ہیں، ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے اندر دل کو مشغول کیا جائے اور اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد سے غفلت میں پڑ جائے، یہ تو ضرورت کی چیز ہے۔

بیت الخلاء کو جاجرو کہنے کی وجہ

''جاجرو'' (بیت الخلاء) کو بھی جاجرو اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ جائے ضرور کا مخفف ہے یعنی ضرورت پوری کرنے کی جگہ، اس کے بغیر کام نہیں چلتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک آدمی وہاں جا کر آرام سے بیٹھا رہے، نہیں، بلکہ ضرورت پوری کر کے نکل آئے گا۔

صالح عورت، بہترین رحمت

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ دنیا برتنے کی چیز ہے اور دنیا کی چیزوں میں سے برتنے اور استعمال کرنے کی سب سے بہترین چیز صالح اور نیک عورت ہے۔ صالح

عورت آدمی کی زندگی میں سکون اور آرام کا ذریعہ بنتی ہے، اس سے جو اولادِ صالح حاصل ہوتی ہے، وہ آدمی کے لیے صدقۂ جاریہ بنتی ہے۔

بہترین ذخیرہ

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال کیا کہ بہترین ذخیرہ کیا ہے جو آدمی اپنے لیے حاصل کرے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: نیک اولاد جو نیک بیوی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

بہرحال! یہ ایک خاص وصف عورت ذات کے اندر ہو تو اس سے نکاح کرنا بہتر ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ سوچنا چاہیے کہ کیا ہمارے زمانے میں بھی عورتوں کے ان اوصاف اور خوبیوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس کو پسند کیا جاتا ہے؟۔

نکاح کے لیے نیک عورت کا انتخاب کامیابی کی ضمانت

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا تھا: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا کہ: چار چیزوں کی وجہ سے عورت کو پسند کیا جاتا ہے: (۱) خوب صورتی کی وجہ سے (۲) مال داری کی وجہ سے (۳) خاندانی شرافت کی وجہ سے (۴) دین داری کی وجہ سے پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ[۱]: دین داری کو ترجیح دے کر کامیابی حاصل کرو۔

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب الأكفاء في الدين، ر: ٥٠٩٠.

بہرحال! ضرورت ہے کہ ہمارے یہاں بھی نکاح میں اس چیز کا خاص خیال کیا جائے۔ یہی وہ چیز ہے جو آدمی کی زندگی کو پرسکون بنانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان ارشادات پر عمل کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

نکاح میں سادگی اختیار کرنے کی ضرورت

اقتباس

شریعت نے نکاح نہایت ہی آسان رکھا ہے لیکن ہم نے اپنی سوچ اور نظریات سے نئے نئے طریقوں کو اس میں داخل کر کے اس کو بوجھ بنا دیا ہے۔ بہت سے حضرات تو ایسے ہوتے ہیں کہ نکاح میں خرچ کرنے کی ان میں استطاعت نہیں ہوتی تو وہ گھر بیچتے ہیں، کھیت بیچتے ہیں، سودی قرضہ لیتے ہیں اور مصیبت کے اندر مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو وسعت دی ہے اور آپ کے پاس زائد مال موجود ہے اور کچھ کر لیں، رشتہ داروں اور دوست واحباب کو کھلا دیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے لیکن اس طرح کے تکلفات کہ آدمی اس کی وجہ سے زندگی بھر کے لیے مقروض ہو جائے، یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔

بہر حال! نکاح کے سلسلے میں نبیٔ کریم ﷺ نے جو طریقہ ہم کو بتلایا اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد ہمارے اکابر واسلاف کے یہاں اس کے لیے جو انداز تھا، اس کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى اللّٰه بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أما بعد: فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝١﴾ [النساء]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝١٠٢﴾ [آل عمران]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيدًا ۝٧٠ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَـٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝٧١﴾ [الأحزاب]

وقال النبي ﷺ: مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ

لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ[۱].

وقال النبي ﷺ: الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ[۲].

وقال النبي ﷺ: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مؤُونَةً[۳].

وقال النبي ﷺ: وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي[۴].

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

محترم حضرات! یہ خطبۂ نکاح جو آپ کے سامنے پڑھا گیا، اس میں قرآنِ پاک کی تین آیتیں اور نبیٔ کریم ﷺ کے چار پاکیزہ ارشادات آپ کے سامنے پیش کیے گئے۔

نکاح ایک فطری ضرورت

''نکاح'' انسان کی ایک فطری ضرورت ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ زندگی گذارنے کا جو طریقہ لے کر آئے ہیں، اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق تفصیلی ہدایت اور رہنمائی موجود ہے۔ نکاح جو ایک فطری ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں بھی تمام تفصیلات قرآن وحدیث کی روشنی میں بہت واضح انداز میں بتلادی گئی ہیں۔

---

① صحيح البخاری، عَن عَبْدِ اللهِ رضي الله عنه، باب الصوم لمن خاف على نفسه العزوبة، ر: ١٩٠٥.

② صحيح مسلم، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضي الله عنه، باب خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، ر:١٤٦٧.

③ مسند الطيالسي، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، (القاسم عن عائشة رضي الله عنها) ر:١٥٣٠.

④ صحيح البخاری، عَنْ أَنَس بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، باب التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ، ر: ٥٠٦٣.

ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر جاندار میں یہ جذبہ رکھا ہے کہ اس کے مذکر اور نر کے اندر مؤنث اور مادہ کی کشش ہوا کرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو دنیا میں توالد اور تناسل کے سلسلے کو باقی رکھے ہوئے ہے۔

چوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیشِ نظر اس کائنات کو ایک مقررہ وقت تک باقی رکھنا مقصود ہے تو اس کے لیے ضروری تھا کہ توالد اور تناسل کا یہ سلسلہ باقی رہتا اور اسی کے پیشِ نظر یہ کشش فطری طور پر ہر جاندار کے اندر رکھ دی گئی ہے۔

فطری ضرورت کی تکمیل میں شرعی قوانین

انسان اور جن کے علاوہ دوسرے جتنے بھی جاندار ہیں، ان کے اندر اس کشش اور فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لیے کوئی شرعی ہدایت نہیں ہے لیکن پھر بھی یہ جاندار فطری قوانین اور اصول کے پابند ہیں، باقی ان کے لیے کوئی شرعی اصول اور قوانین مقرر نہیں کیے گئے۔ انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ شرف اور فضیلت عطا فرمائی کہ اس کو اس سلسلے میں کچھ خاص اصول، قوانین، احکامات اور ہدایات دی گئیں جن کے مطابق وہ زندگی گذار کر اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا مستحق اور حق دار بنائے۔

نکاح کے احکامِ شرعی فطرت کے عین مطابق

نکاح کے سلسلے میں بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح اور بالکل صاف ہدایت اور رہنمائی عطا فرمائی ہے۔ نکاح چوں کہ ایک فطری ضرورت تھی؛ اس لیے اس کے متعلق

جو ہدایات دی گئی ہیں، وہ بھی عین فطرت کے تقاضے کے مطابق ہیں۔ فطری ضرورت ہونے کی وجہ سے اس کو پورا کرنے کے لیے کوئی زیادہ پابندیاں، قیودات اور بندشیں نہیں رکھیں بلکہ ایک آسان اور معمولی سا طریقہ بتلا دیا گیا کہ جس میں ایک آدمی اپنے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام پر عمل کرتا ہوا محسوس کر کے اپنی اس فطری ضرورت کو پورا کر سکے۔

عقدِ نکاح کے لیے کچھ ضروری امور

نکاح میں بنیادی حیثیت تو ایجاب وقبول کو حاصل ہے، مثلاً لڑکی کے وکیل کی طرف سے جو الفاظ کہے جاتے ہیں کہ اس کو فلاں کے نکاح میں دیا گیا۔ اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''ایجاب'' کہا جاتا ہے اور اس کے جواب میں لڑکے کی طرف سے اس کو جو منظوری دی جاتی ہے، اس کو ''قبول'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی دو کلمات ہیں جو فقہاء کے یہاں نکاح میں رکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کچھ شرائط ہیں، مثلاً گواہوں کا ہونا اور ان گواہوں کے لیے بھی کچھ شرائط ہیں، اور کچھ سنتیں ہیں، مثلاً خطبۂ نکاح جو سنت کی حیثیت رکھتا ہے۔

نکاح میں مہر کی حیثیت

''مہر'' کو بھی اس کے اندر ضروری قرار دیا گیا ہے کہ بغیر مہر کے نکاح نہیں ہوگا اور اگر بوقتِ نکاح مہر کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی تو جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ خود بہ خود اس پر مہر لازم ہو جاتا ہے اور اس کی تفصیلات کتبِ فقہ میں بیان کر دی گئی ہیں۔

شرعی آسان نکاح مشکل کیوں ہوا؟

میں تو یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ نبئ کریم ﷺ نے نکاح کے لیے جو طریقہ ہمیں بتلایا ہے، وہ بہت سادہ ہے، اس میں کوئی پابندی نہیں۔ ہم نے اپنے معاشرے اور سماج میں اپنے طور پر، اپنے ذہن سے، اپنی سوچ سے جن چیزوں کو لازم قرار دیا ہے، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو شریعت کی نگاہ میں لازمی اور ضروری حیثیت رکھتی ہو۔

امت ہے رسم و روایت کے پھندوں میں گرفتار

ہمارے یہاں ایک مزاج یہ بنا ہوا ہے کہ جب کسی کا نکاح ہونے والا ہوتا ہے تو باقاعدہ دعوت نامے تیار کیے جاتے ہیں، کن کن لوگوں کو بلایا جائے گا، ان کی لسٹ تیار کی جاتی ہے پھر کیا پکایا جائے گا اور کون سے پکانے والوں کو بلایا جائے گا، کونسا ہال بُک کرایا جائے گا، کونسا کھانا کھلایا جائے گا، لڑکے اور لڑکی کے واسطے کپڑے کس نوع کے ہوں گے۔

ویسے دلہن کو رخصت کرنے کے بعد جب اس کو دولہے کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اس کی زیب و زینت اور اس کی آرائش شریعت کی نگاہ میں مطلوب ہے لیکن وہ ضروری اور فرض کا درجہ نہیں رکھتی اور دولہے کے لیے نئے کپڑے کا ضروری ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔

سیرت پہ نظر چاہیے صورت سے زیادہ

ہاں! پسندیدگی کے واسطے شریعت نے ایک معیار بتادیا ہے کہ کیسا لڑکا اور کیسی

لڑکی پسند کی جائے، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا کہ: عورت کے ساتھ نکاح کیا جاتا ہے چار چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی وجہ سے: کبھی تو اس کے مال کی وجہ سے اور کبھی اس کے جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے، کبھی اس کے خاندان اور شرافتِ نسبی کی وجہ سے اور کبھی دین داری اور اس کے اخلاق کی وجہ سے۔ نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ کہ: دین دار لڑکی کو پسند کرکے آپ کامیابی حاصل کیجیے، کامیابی اسی میں ہے۔

حسنِ صورت چندروزہ حسنِ سیرت مستقل

اگرچہ علماء نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ دین داری کے ساتھ اگر باقی اوصاف بھی مل جائیں تو نور علی نور، لیکن جب تقابل اور مقابلے کی نوبت آجائے کہ ایک طرف ایک لڑکی حسین وجمیل ہے لیکن اس میں دین داری کا وصف موجود نہیں ہے اور دوسری طرف ایک ایسی لڑکی ہے جو اتنی حسین وجمیل نہیں ہے لیکن وہ دین دار ہے تو ایسی صورت میں ترجیح کے لیے دین داری والے وصف کی طرف ہماری رہنمائی کی گئی۔ باقی اگر کوئی آدمی ان تمام صفات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح کرتا ہے تو شریعت کی طرف سے اس کی اجازت ہے اور بہت اچھا ہے۔ بہرحال! میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ پسندیدگی کا معیار بھی بتلادیا گیا اور لڑکے کے سلسلے میں بھی اسی چیز کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

صاحب زادی کے لیے متقی و دین دار لڑکے کا انتخاب کیجیے

چناں چہ حضرت حسنِ بصری رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ میں اپنی لڑکی کا نکاح

کیسے لڑکے ساتھ کرواؤں؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اپنی لڑکی کا نکاح ایسے آدمی سے کرائیے جو اللہ سے ڈرتا ہو؛ اس لیے کہ اگر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہو اور آپ کی لڑکی اس کو پسند ہے، تب تو وہ خود ہی اس کے حقوق کو ادا کرنے کا اہتمام کرے گا لیکن اگر پسند نہیں ہے تو بھی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے کبھی اس کی حق تلفی نہیں کرے گا، یہ تقوی ہے، خطبے میں بھی تقوے پر مشتمل آیات اسی لیے پڑھی جاتی ہیں۔

مذکورہ خطبہ نکاح کے ساتھ مخصوص نہیں ہے

یہ خطبہ نکاح ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ ہر مہتم بالشان معاملے کے لیے یہی خطبہ پڑھا جاتا ہے اور پھر جس نوعیت کا معاملہ ہو، اس کی مناسبت سے اہلِ علم احادیث بھی پڑھتے رہتے ہیں۔

خطبۂ نکاح میں آیاتِ تقوی پڑھنے کی حکمت

خطبۂ نکاح میں جن تین آیات کا انتخاب کیا، حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نکاح سے تعلق رکھنے والی اور نکاح کے مضمون سے متعلق بہت ساری آیتیں قرآنِ پاک میں موجود تھیں، اس کے باوجود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبۂ نکاح میں جتنی آیات کا بھی انتخاب فرمایا ہے، ان میں سے کسی میں بھی نکاح کا تذکرہ نہیں ہے۔

ہاں! ان تین آیتوں میں خاص طور پر جس چیز کے اوپر زور دیا گیا ہے اور جس کی تاکید کی گئی ہے، وہ تقوی ہے یعنی اللہ کا ڈر، یہ اللہ کا ڈر ایک ایسی چیز ہے جو آدمی کو سامنے والے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے آمادہ اور مجبور کرتا ہے؛ اس لیے کہ زوجین

کے آپس کے جو تعلقات ہیں، ان تعلقات میں کچھ حقوق تو ایسے ہیں جن کو آدمی کورٹ، کچہری اور قاضی کے ذریعہ سے حاصل کرسکتا ہے: شوہر اگر نفقے کی ادائیگی کے معاملے میں کوتاہی کرتا ہے تو اس صورت میں قاضی کی طرف رجوع کر کے ان حقوق کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بہت سی چیزیں ایسی ہیں، جیسے: حسنِ سلوک، خندہ پیشانی سے پیش آنا، یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کے حصول کے لیے قاضی کی طرف رجوع نہیں کیا جاسکتا۔ ایک شوہر ہے، وہ بہت اچھے طریقے سے بیوی کو رکھ رہا ہے، اس کی رہائش کا انتظام بھی کر رکھا ہے، کھانا پینا بھی بہترین دے رہا ہے، زیورات بھی دے رکھے ہیں، کپڑے بھی عمدہ قسم کے پہناتا ہے لیکن جب اس کے سامنے آتا ہے تو جس طرح خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے، اس طرح پیش نہیں آتا بلکہ منہ پھیر لیتا ہے۔

اب یہ حسنِ سلوک ایک ایسی چیز ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے قاضی کی طرف رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

زوجین کے درمیان بعض ناقابلِ بیان امور

اس کے علاوہ میاں بیوی کے اور بھی ایسے بہت سے اندرونی معاملات ہوتے ہیں اور بعض معاملات تو ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو قاضی تو کیا، اپنے خاندان والوں کے سامنے ظاہر کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حدیث میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اگر کسی معاملے میں شوہر نے بیوی کی پٹائی کی ہے تو اس سے یہ نہ پوچھا جائے کہ کس سلسلے میں مارا ہے؛ اس لیے

کہ پتہ نہیں کہ اندرونی طور پر اس کی کیا وجہ ہو؟ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسی وجہ ہو کہ جس کا اظہار لوگوں کے سامنے ممکن نہ ہو۔

تقویٰ: احکامِ دین پر ابھارنے والا بہترین نسخہ

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ یہ تقویٰ اور اللہ کا ڈر ایک ایسی چیز ہے جو آدمی کو تنہائی میں بھی اور لوگوں کے سامنے بھی، سفر میں بھی، حضر میں بھی، مال داری میں بھی، غریبی میں بھی، بیماری میں بھی، تن درستی میں بھی، ہر حالت میں آدمی کو سامنے والے کے حقوق کی ادائیگی کے لیے آمادہ کرسکتی ہے، اللہ کے اسی ڈر اور تقوے کی وجہ سے آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کے تمام احکام کو بڑے اہتمام کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔

بہرحال! میں یہ عرض کررہا تھا کہ نکاح کے سلسلے میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں، وہ بڑی واضح اور صاف ہیں۔

نکاح میں برکت کا ذریعہ

خطبۂ نکاح میں جو روایتیں پڑھی گئیں، ان میں ایک روایت یہ بھی ہے: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُهُ مَئُونَةً: نکاحوں میں سب سے بڑا برکت والا نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچہ ہو۔

ہم لوگوں نے نکاح میں برکت کے پیمانے اپنے ذہن اور اپنی سوچ سے مقرر کر رکھے ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ جتنا زیادہ خرچ کیا جائے گا، اتنا زیادہ نکاح بڑھیا اور عمدہ رہے گا، بعض یوں سمجھتے ہیں کہ جتنا زیادہ علماء اور بزرگوں کو دعوت دیں گے، اتنی

زیادہ برکت رہے گی لیکن بھائی! برکت کس سے آتی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو چیز بتلائی، اسی سے برکت حاصل ہوگی اور نکاح کے سلسلے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جس میں سب سے کم خرچہ ہو، وہی برکت والا نکاح ہے۔

نکاح یہ تو ایک فطری اور طبعی ضرورت ہے، جیسے انسان اپنی دوسری فطری اور طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کرتا، اپنی حیثیت کے مطابق پوری کرلیا کرتا ہے، ایسے ہی نکاح کے سلسلے میں بھی کرنا چاہیے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا درجہ

چناں چہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے یہاں اس چیز کا بڑا اہتمام تھا۔ روایتوں میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی ہیں اور حدیث کی بہت ساری روایتیں ان سے نقل کی جاتی ہیں، محدثین کے یہاں کچھ صحابہ ایسے ہیں جن کو مُکثِرین کا لقب دیا گیا ہے یعنی بہت ساری روایتیں نقل کرنے والے، ان ہی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا بھی شمار ہوتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ پر والد کی طرف سے چھوڑی ہوئی ذمہ داریاں

ان کے والد غزوۂ احد کے اندر شہید ہوئے تھے اور جس وقت وہ شہید ہوئے تو انھوں نے اپنے پیچھے بیٹا تو یہی ایک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صورت میں چھوڑا تھا اور ۹ر بیٹیاں چھوڑیں اور ان میں سے بھی تقریباً چھ وہ تھیں کہ جن کا نکاح نہیں ہوا تھا اور ان کے والد کا بہت سارا قرضہ بھی تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: والد صاحب کی

شہادت کے بعد جب کھجوروں کی سیزن آئی، اس کا موسم آیا تو اس میں باغات کے اندر جیسے پھل پکنے چاہیے، ویسے نہیں پکے۔

عام طور پر پھلوں کے جو باغات ہوتے ہیں، ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک سال بہت زیادہ پھل آتے ہیں اور ایک سال کم آتے ہیں تو اس سال کم پھل آئے، ان پھلوں کو دیکھ کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہوا کہ پھلوں کی اس پیداوار سے میں اپنے والد کا قرض ادا نہیں کر پاؤں گا۔

یہود بے بہبود

ان کو فکر لاحق ہوا، یہ قرض خواہ جتنے بھی ہیں، وہ سب یہودی ساہوکار ہیں اور وہ مجھے آئندہ سال تک مہلت دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، ہر ایک کا تقاضا ہوگا کہ میرا قرضہ پورا ادا کرو۔ اب حضرت جابر رضی اللہ عنہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا آدمی ہو جو ان سے یہ سفارش کرے کہ جتنی پیداوار ہے، اس سے جتنا قرضہ ادا ہو سکتا ہے، وہ تو ادا کر دیتے ہیں اور جو باقی بچ جائے، اس کی ادائیگی کے لیے آئندہ سال تک مہلت دی جائے۔ ظاہر ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نگاہوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا، چناں چہ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی یہ ساری پریشانیاں اور الجھنیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان یہودیوں کے سامنے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی سفارش پیش کی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ انھوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا، چوں کہ وہ یہودی تھے،

آپ ﷺ کی بات کو تھوڑا ماننے والے تھے!۔

نبئ کریم ﷺ کا ایک معجزہ

پھر حضور ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: تم جاؤ اور کھجور کے درختوں سے ہر قسم کی کھجوریں اتار کر کھلیان میں الگ الگ ڈھیر لگاؤ اور جب یہ کام ہو جائے تو مجھے اطلاع کرو۔

چناں چہ ایسا کرنے کے بعد انھوں نے نبئ کریم ﷺ کو اطلاع دی، حضور ﷺ تشریف لے گئے اور جو سب سے بڑا ڈھیر تھا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبئ کریم ﷺ اس کے ارد گرد تین چکر لگا کر اس پر بیٹھ گئے اور اس زمانے میں کھجوروں کو بجائے تولنے کے پیمانے سے ناپا جاتا تھا تو پیمانے سے ناپ کر خود نبئ کریم ﷺ نے ان کا قرضہ ادا کرنا شروع کیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سب کا قرضہ ادا ہو گیا اور میں دیکھ رہا تھا کہ کھجوروں کے جو دوسرے ڈھیر تھے، وہ تو اپنی حالت پر تھے لیکن جس ڈھیر پر بیٹھ کر نبئ کریم ﷺ نے قرضہ ادا کیا، میں محسوس کر رہا تھا کہ اس میں بھی کوئی کمی نہیں ہوئی، حالاں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں تو اپنے دل میں یہ طے کیے ہوئے تھا کہ اگر میرے باپ کا قرضہ ادا ہو جائے تو میرے لیے بڑی سعادت کی بات ہوگی، چاہے کھجور کا ایک دانہ میں اپنی بہنوں کے لیے اپنے گھر نہ لے جا سکوں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبئ کریم ﷺ کی برکت سے یہ سب کچھ کرا دیا، یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ایک اَور واقعہ

ایک اور واقعہ بھی ہے، ایک غزوے سے واپس لوٹ رہے تھے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری سواری کا اونٹ سست رفتاری کے ساتھ اور بہت دھیمے دھیمے چل رہا تھا، اس کو تیز چلانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ تیز نہیں چل رہا تھا، اتنے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ کے پاس آئے اور اس اونٹ کو کچوکا لگایا، اس کی وجہ سے وہ اونٹ تیز چلنے لگا۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سب سے آگے چل رہا تھا۔ اس کے بعد دوبارہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے قریب آئے اور فرمایا: جابر! کیا بات ہے کہ بہت آگے آگے تیزی سے جارہے ہو؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! میرا نکاح ہوگیا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا! کس کے ساتھ نکاح کیا؟۔

احساسِ ذمہ داری

کیوں کہ عورتیں دو قسم کی ہیں: ایک تو کنواری جس کو عربی میں ''باکرہ'' کہتے ہیں اور دوسری ''ثَیِّبہ'' جو پہلے کسی کے نکاح میں رہ چکی ہو۔ تو دریافت فرمایا کہ ثَیِّبہ کے ساتھ یا باکرہ کے ساتھ؟ تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ثَیِّبہ کے ساتھ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ باکرہ کے ساتھ کیوں نکاح نہیں کیا؟ تم تو ابھی بالکل جوان ہو، اگر کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرتے تو مناسب تھا اور نکاح کا لطف اور بھی زیادہ حاصل ہوتا۔ اس پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد کا انتقال ہوگیا، وہ اپنے پیچھے ۹ ر بیٹیاں چھوڑ کر کے گئے ہیں، جو میری بہنیں ہیں؛ اس لیے ایک

ایسی عورت کی ضرورت تھی جو تجربہ کار ہو اور ان بچیوں کو سنبھال سکے، اگر میں کسی کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرتا تو وہ ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے ان بچیوں کو سنبھال نہ پاتی[١]۔

بہنوں کے لیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بے مثال قربانی

دیکھئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہنوں کے واسطے قربانی دی۔ ورنہ کون نوجوان یہ چاہتا ہے کہ ایسی عورت سے نکاح کرے جو پہلے کسی کے نکاح میں رہ چکی ہے۔ ان کی قربانی بھی دیکھئے اور جب انھوں نے یہ جواب دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: أَحْسَنْتَ: تم نے بہت ٹھیک کیا۔ دیکھئے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس جذبے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تردید نہیں فرمائی؛ بلکہ تحسین فرمائی۔

عالمہ یا ظالمہ

آج کل ایک شکایت ہماری بہنوں کے بارے میں عام طور پر سُننے میں آرہی ہے، حالاں کہ لڑکیوں کے مدرسے ہو گئے، اس میں پڑھا بھی رہے ہیں، اس کے باوجود لوگ شکایت کرتے ہیں کہ یہ عالمہ جو آئی ہیں وہ شوہروں کی خدمت نہیں کرتیں اور ان کے والدین کی خدمت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب ان بہنوں سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے شوہروں اور ان کے والدین کی خدمت کیوں نہیں کرتیں؟ کیوں لوگوں کو شکایت کا موقع دیتی ہو؟ تو ان کی طرف سے ہمیشہ ایک ہی جواب ملتا ہے کہ دیکھو! ان کے والدین کی خدمت ہمارے لیے ضروری نہیں،

---

(١) صحيح البخاری، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رضی اللہ عنہما، باب شِرَاءِ الدَّوَابِّ وَالْحَمِيرِ، ر:٢٠٩٧.

ہم نے ان کے ساتھ نکاح کیا ہے، ان کے والدین کے ساتھ نہیں۔

شوہر کے رشتہ داروں کی خدمت وجوبِ احسانی

ان بہنوں کو ذرا اس واقعے پر بھی نظر ڈال لینے کی ضرورت ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہنوں کے خاطر اُس عورت سے نکاح کیا تھا اور اپنے خیال کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تردید نہیں فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی چیز کی تقریر فرمائیں، برقرار رکھیں وہ سنت ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ: جابر! بیوی تم اپنی خدمت کے لیے لائے ہو یا بہنوں کی خدمت کے لیے؟ یہ نہیں فرمایا؛ بلکہ ان کے اس جذبے کی تحسین فرمائی، سراہا اور فرمایا کہ بہت ٹھیک کیا۔ یعنی دیانۃً یہ چیز ہے۔ قضاءً چاہے یہ چیز نہ ہو۔

لڑکی کی پسندیدگی میں ملحوظ رکھے جانے کے قابل ایک وصف

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کے وقت جن چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے، ان میں یہ چیز بہت اہم ہے کہ اس میں گھر کو سنبھالنے اور چھوٹے بڑے سب کا خیال رکھنے کی صلاحیت ہو۔ آج لوگ سب سے زیادہ خوبصورتی کو دیکھتے ہیں اور چیزیں بھی دیکھتے ہیں لیکن جس مقصد کے لیے نکاح کیا جا رہا ہے، اس کی طرف دھیان نہیں دیا جاتا۔ ان حضرات کے یہاں یہ چیز بھی ملحوظ رہتی تھی۔

بہرحال! نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی یہ بات سن کر ان کو دعا دی اور فرمایا کہ تو نے بہت اچھا کیا، ویسے نوجوانی کا تقاضا یہ تھا کہ اپنے جوانی کے جذبات کی تسکین اور فطری

خواہشات کی تکمیل کے لیے کنواری لڑکی کو پسند کرکے تو اس کے ساتھ نکاح کرتا لیکن تو نے اپنی بہنوں کے لیے بہت بڑی قربانی دے دی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعا دی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنے نکاح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت نہ دینا

میں یہاں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دیکھیے! ان کے سواری کو تیز بھگانے کی وجہ ان سے پوچھی، تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ ان کا نکاح ہو گیا اور اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جابر! یہ کیا بات ہے، اتنی بھی کیا بے رُخی! ابّا کا قرضہ ادا کرنے کا وقت آیا تھا اور دشواری تھی، تب تو دوڑے دوڑے میرے پاس آئے تھے اور نکاح کا وقت آیا تو مجھے یاد تک نہیں کیا! ۔ ایسا کوئی طعنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا بلکہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں فرمایا، حالاں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی مدینۂ منورہ کے اندر رہتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی وہاں پر ہی رہائش پذیر تھے اور پھر یہ کہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو والہانہ محبت، جو عشق تھا، اس کا کوئی نمونہ آج تک نہ کوئی پیش کرسکا ہے اور نہ قیامت تک پیش کرسکے گا؛ اس لیے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ تعلق کی کمی تھی لیکن اس کے باوجود حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے نکاح کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کو ضروری نہیں سمجھا اور اتنا ہی نہیں بلکہ نکاح کے بعد بھی اطلاع دینا ضروری نہیں سمجھا۔

ہمارا طرزِ عمل

ہمارے یہاں اگر کوئی اپنے طور پر نکاح کرلے تو بعد میں رشتے داروں کے

پاس، دوستوں اور اساتذہ کے پاس تو جا کر کہتا ہی ہے کہ میرا نکاح ہو گیا ہے، دعا کرنا۔ یہاں یہ درخواست بھی نہیں بلکہ ضمناً ایک بات آئی تو یہ نبیٔ کریم ﷺ کو بتاتے ہیں۔ یہ سارے واقعات بخاری شریف کے اندر موجود ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور ان حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں کہ جن کو نبیٔ کریم ﷺ نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت سنائی تھی؛ اس لیے ان کا مقام دوسرے بہت سے صحابہ سے اونچا ہے اور بڑے مال دار صحابہ میں سے تھے، اغنیائے صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ وفات کے بعد انھوں نے اپنے پیچھے اتنا سونا چھوڑا تھا کہ اس کو کلہاڑیوں سے توڑا گیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح سے نبیٔ کریم ﷺ کی لاعلمی

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے کپڑوں پر پیلے رنگ کا دھبہ تھا۔ اس زمانے میں عورتیں ایک مخصوص قسم کی خوشبو استعمال کیا کرتی تھیں جس میں زعفران کی ملاوٹ ہوتی تھی اور اس خوشبو کو استعمال کرنے کی عورتوں ہی کو اجازت تھی، مرد استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

اس خوشبو کا دھبہ جب نبیٔ کریم ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے کپڑے پر دیکھا تو پوچھا: عبدالرحمٰن! یہ کیا؟۔

ظاہر ہے، جیسے اگر آپ اپنے دوست کی شیروانی پر عورت کا بال دیکھیں گے تو پوچھیں گے کہ یہ کہاں سے آیا؟ اسی طرح یہاں بھی نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا: عبدالرحمٰن! یہ کیا؟ اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے نکاح کرلیا ہے!۔ نبیٔ کریم ﷺ نے پوچھا کہ کس سے نکاح کیا؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک انصاری عورت کے ساتھ۔ نبیٔ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ مہر کتنا دیا؟ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ایک گھٹلی بھر سونا دیا، اس پر نبیٔ کریم ﷺ نے دعا دی اور فرمایا: أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ کہ: ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی کا ہو[1]۔

دیکھیے! یہاں بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نکاح ہو رہا ہے اور مدینہ ہی میں ہو رہا ہے اور نبیٔ کریم ﷺ وہاں تشریف فرما ہیں پھر بھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ نبیٔ کریم ﷺ کو اطلاع کی جائے اور نکاح کے بعد بھی اطلاع نہیں دی۔

یہ تو اتفاق کی بات کہ ان کے کپڑے پر خوشبو کا دھبہ تھا، اس کو دیکھ کر از خود نبیٔ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا، اس کے جواب میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح کا یہ بھید کھلا اور اس وقت بھی نبیٔ کریم ﷺ نے ان کو کوئی طعنہ نہیں دیا کہ عبدالرحمٰن! یہ کیسا اجنبی پن ہے کہ آپ نے نکاح کیا اور ہم کو اطلاع بھی نہیں کی، بلایا بھی نہیں، دعوت بھی نہیں دی بلکہ آپ ﷺ نے یہ پوچھا کہ مہر میں کیا دیا؟ اور فرمایا کہ:

---

(۱) صحیح البخاری، عَن أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، باب إِخَاءُ النَّبِيِّ ﷺ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالأَنْصَارِ.

ولیمہ کرو۔ اس میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مجھے بھی بلانا، بس ولیمہ کرنے کی تاکید فرمائی۔ یہ ایک انداز تھا۔

نکاح ایک ضرورت ہے، اس کو ضرورت تک محدود رکھئے

میں کہا کرتا ہوں کہ آپ کا کوئی دوست تجارتی غرض سے ممبئی گیا ہوا اور ایک دو روز کی غیر حاضری کے بعد آپ اس سے پوچھیں کہ کہاں گئے تھے؟ وہ جواب دے کہ ممبئی گیا تھا، دوکان کا کام تھا تو کیا آپ اس سے یہ شکایت کریں گے کہ اچھا! ممبئی گئے اور ہم کو اطلاع بھی نہیں دی؟ کیوں؟ کیوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے ممبئی گیا اور آیا، اس میں میرے لیے شکایت کا کیا موقع؟۔

تو جیسے اپنی ان ضرورتوں پر آنے جانے اور غیر حاضری پر کبھی کسی کی کوئی گرفت نہیں کی جاتی، طعن و تشنیع نہیں کی جاتی، اسی طرح نکاح بھی شریعت میں ایک ایسا موقع ہے کہ جس کے لیے شریعت میں خصوصی احکام تو ضرور ہیں لیکن یہ چیز (خصوصی دعوت دے کر دوست واحباب اور بزرگانِ دین وغیرہ کو بلانا) ضروری نہیں ہے۔ ہاں! اتنا ضرور ہے کہ لوگوں کا مجمع ہو لیکن وہ دوستوں ہی کا ہو، یہ کوئی ضروری نہیں ہے، جو قریب میں ہوگا، وہ آجائے گا۔

سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح

خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا نکاح غزوۂ خیبر سے واپسی کے موقع پر اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہوا تو اس طرح ہوا کہ غزوے سے اسلامی لشکر واپس ہو رہا تھا، ایک

جگہ پر پڑاؤ ہوا، وہیں نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے ساتھ نکاح فرمایا اور وہیں رخصتی بھی عمل میں آئی اور پھر دوسرے دن ولیمہ اس طرح کیا کہ چمڑے کے دستر خوان کے اوپر کھجوریں، پنیر اور گھی ڈال کر کے اس کا مالیدہ سا تیار کیا گیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: بلالو۔ یہ بھی نہیں فرمایا کہ فلاں، فلاں کو بلاؤ بلکہ جن کو وہ مناسب سمجھیں، بلالیں۔

اور پھر- بخاری شریف میں موجود ہے کہ- جب روانگی کا وقت آیا تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین آپس میں چرچا کر رہے تھے؛ کیوں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی جب ان کے ساتھ رخصتی ہوئی تو باقاعدہ خیمہ لگایا تھا، تب سب کو معلوم ہوا؛ لیکن اس کا سب کو علم نہیں تھا کہ نکاح ہوا۔ تو حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ چیز موضوعِ بحث بنی ہوئی تھی کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ان کے ساتھ جو شب باشی کی ہے، وہ نکاح کی وجہ سے یا پھر باندی ہونے کے طور پر کی ہے یعنی بہت سے صحابہ کو نکاح کا پتہ نہیں تھا[①]۔

آپ اندازہ لگائیں! کہ راستے میں ایک جگہ لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، نبیٔ کریم ﷺ چاہتے تو اعلان کرواسکتے تھے کہ بھائی! آجاؤ، نکاح ہو رہا ہے لیکن آپ ﷺ نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ یہ تو ایسا ہی ہے، جیسے مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہو اور دو چار آدمی کونے میں بیٹھے ہوئے ہوں اور نکاح ہو جائے اور اِدھر اُدھر والوں کو بھی پتہ نہ چلے۔

میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ اُس زمانے میں اتنی اہم چیز نہیں تھی، جتنی اہمیت آج ہم نے دے رکھی ہے۔

---

① صحيح البخاری، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب من غزا بصبي للخدمة، ر:۲۸۹۳.

شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادیوں کا نکاح

ہمارے حضراتِ اکابر کے یہاں بھی اسی کا اہتمام رہا، حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ بیتی میں اپنی صاحب زادیوں کے نکاح اور اپنے خاندان والوں کے نکاح کی تفصیلات لکھی ہیں۔ آپ کی دو بڑی صاحب زادیوں میں سے سب سے بڑی صاحب زادی حضرت جی ثانی حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح میں تھیں اور دوسری صاحب زادی حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح میں دی گئیں۔ اس زمانے میں یہ دونوں حضرات مظاہر علوم میں پڑھتے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سہارنپور کی جامع مسجد کے اندر مظاہر علوم کا جلسہ تھا، رات کو مجلس تھی اور مجلس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات بھی تشریف لائے تھے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس سے اچھا موقع اور کیا ہوگا! لڑکیوں کا نکاح پڑھوا دیا جائے۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ ننگی پھر رہی ہیں

چناں چہ لڑکوں کے لیے بھی کوئی نئے لباس کا انتظام نہیں کیا گیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کہیں سے میرے پاس ہدیے میں آئے ہوئے دو عربی رومال پڑے ہوئے تھے، وہ میں نے ان دونوں کو دے دیے، وہ انھوں نے سر پر ڈال دیے اور جب نماز کے لیے اور جلسے میں حاضری کے لیے مسجد کی طرف جانے لگا تو میں نے گھر میں بتا

دیا کہ ابھی لڑکیوں کا نکاح پڑھایا جائے گا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: گھر والوں نے کہا کہ پہلے سے اطلاع دے دیتے تو لڑکیوں کے لیے نئے جوڑے بنوا لیتے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے جواب میں کہا کہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ ننگی پھر رہی ہیں۔ یہ تھا نکاح کا طریقہ ہمارے اکابر کے یہاں!۔

شادی یا پاگل پن

شریعت نے نکاح اس قدر آسان رکھا ہے لیکن ہم نے اپنی سوچ اور نظریات سے نئے نئے طریقوں کو اس میں داخل کر کے اس کو بوجھ بنا دیا ہے۔

بہت سے حضرات تو ایسے ہوتے ہیں کہ نکاح میں خرچ کرنے کی ان میں استطاعت نہیں ہوتی تو وہ گھر بیچتے ہیں، کھیت بیچتے ہیں، سودی قرضہ لیتے ہیں اور مصیبت کے اندر مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو وسعت دی ہے اور آپ کے پاس زائد مال موجود ہے اور کچھ کر لیں، رشتہ داروں اور دوست واحباب کو کھلا دیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے لیکن اس طرح کے تکلفات کہ آدمی اس کی وجہ سے زندگی بھر کے لیے مقروض ہو جائے، یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے۔

بہر حال! نکاح کے سلسلے میں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو طریقہ ہم کو بتلایا اور حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد ہمارے اکابر و اسلاف کے یہاں اس کے لیے جو انداز تھا، اس کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

شہزادے کے ساتھ نکاح کروانے سے انکار

حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ جو اکابرِ تابعین میں سے تھے۔ تابعین میں سب سے افضل کون ہے؟ حضراتِ علماء نے بہت سے نام لیے ہیں، ان میں ایک نام حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔

ان کی ایک صاحب زادی تھی جو ہر قسم کے کمال سے آراستہ تھی: علمی، عملی، حسن وجمال، امورِ خانہ داری میں مہارت، الغرض ہر چیز میں طاق تھیں اور اس زمانے کے بادشاہ عبدالملک بن مروان نے اپنے بیٹے کے لیے جو شہزادہ تھا اور آئندہ چل کر بادشاہ بننے والا تھا، اس کے لیے پیغامِ نکاح بھی دیا تھا لیکن حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رد کر دیا تھا۔

سادگی سے رخصتی کی ایک مثال

حضرت کے ایک شاگرد تھے، وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مجلس میں حاضر ہوا اور دیر سے پہنچا تو پوچھا کہ کیا بات ہے؟ جواب دیا کہ بیوی کا انتقال ہو گیا ہے؛ انتظامات میں مشغول تھا؛ اس لیے آج ذرا دیر ہو گئی۔ فرمایا کہ دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ ہے؟ جواب دیا کہ ہے تو حضرت نے اپنی صاحبزادی کا نکاح ان سے کرا دیا۔ یہ تو ہو گیا۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ رات کا وقت آیا، فرماتے ہیں کہ عشاء کی نماز کے بعد میں اپنے کمرے کے اندر تھا تو کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے پوچھا کہ کون ہے؟ جواب آیا کہ سعید! فرماتے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جتنے بھی سعید

میرے دھیان میں تھے، سب ذہن میں گھوم گئے؛ لیکن ان کے متعلق میرے تصور میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ اس وقت میرے یہاں تشریف لا سکتے ہیں چناں چہ میں نے پھر پوچھا کہ کون سعید؟ تو فرمایا کہ سعید بن المسیب !۔

جلدی سے دورازہ کھولا اور دیکھا کہ وہ اپنی صاحب زادی کو ساتھ لے کر کے آئے تھے، اس کو اندر دھکا دے دیا اور فرمایا کہ: میں نے سوچا کہ تمھاری بیوی نہیں ہے اور بغیر بیوی کے رات گذارنا اچھا نہیں ہے؛ اس لیے میں تمھاری بیوی لے کر آیا ہوں۔ میری والدہ کو اس نکاح کا علم ہوا تو انھوں نے شور مچادیا کہ ابھی تم آ نہیں سکتے، جب تک میں اس لڑکی کے لیے کچھ اچھے کپڑے وغیرہ کا انتظام نہ کرلوں [۱]۔

تو دیکھئے! یہ حضرات نکاح کو کیا سمجھتے تھے اور اس کو کس طریقے سے انجام دیا کرتے تھے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم ان ساری تعلیمات کو اور ان ساری ہدایات کو اپنے سامنے رکھیں اور اپنے معاشرے سے ان رسوم وخرافات کو رخصت کریں۔

سنت پر عمل کرنے میں مانع نہ بنئے

ہمارے یہاں اگر کوئی آدمی سادگی کے ساتھ نکاح کرنا بھی چاہتا ہے تو دوسرے لوگ اس کو ایسا کرنے سے مانع بنتے ہیں۔ جیسے ہمارے یہاں بچوں کو پڑھانے کا عام رواج ہو گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا، پرانے لوگ جو یہاں ہیں، وہ بتائیں گے کہ ہمارے علاقے میں اس وقت گنے چنے دو چار عالم تھے، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کے

---

(۱) إحياء علوم الدين، ٣/ ١٠٤، كتاب كسر الشهوتين.

دلوں میں اپنے بچوں کو پڑھانے کا جذبہ ڈالا۔ اب بزرگوں کی صحبت اور دعاؤں کے نتیجے میں اتنے زیادہ علماء ہو گئے۔ اب یہ پڑھ کر کے آیا ہے، وہ چاہتا ہے کہ سادگی کے ساتھ نکاح کرے تو باپ کہتا ہے کہ نہیں! سادگی کے ساتھ نہیں بلکہ میں کہوں اسی طرح نکاح کرنا پڑے گا۔ بھائی! تم تو پڑھے لکھے ہو نہیں، تم نے پڑھایا کیوں؟ ہونا تو یہ چاہیے کہ تم خود ہی اس سے پوچھتے کہ یہ نکاح کس طرح ہونا چاہیے؟۔

وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

یہ تو کچھ سال پہلے کی بات کر رہا ہوں۔ اب تو جو پڑھنے والے ہیں، وہ بھی ماشاء اللہ دھوم دھام سے نکاح کے قائل ہو گئے! میں تو اُس وقت کی بات کر رہا ہوں۔ اُس وقت پڑھے ہوئے حضرات کے جذبات بھی یہ ہوتے تھے کہ ہم سادگی کے ساتھ نکاح کے عمل کو انجام دیں لیکن والدین تیار نہیں ہوتے تھے اور اب تو پڑھنے والے بھی ایسے نہیں رہے تو کیا کہیں گے! اس کے علم کے نتیجے میں جو تبدیلی آنی چاہیے تھی، وہ تو درکنار، مزید براں ان برائیوں کو شریعت کا لبادہ پہنایا جا رہا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔ ضرورت ہے اس بات کی کہ ان اسلامی طریقوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے اور ان کا اہتمام کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو ان طریقوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے تا کہ ہمارے معاشرے سے یہ تمام رسوم ورواج ختم ہو کر ہمارے لیے سکون اور طمانینت کا ذریعہ ہو۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

نکاح: سنتوں سے خالی اور رسم ورواج کا مرقع بن جانے والی ایک عبادت

اقتباس

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ تھے، فرماتے تھے کہ جب کسی کا نکاح ہوتا ہے نا تو ہر ایک کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ گھر میں جھاڑو دینے والے اور کام کرنے والے جو مزدور ہوتے ہیں، بھنگی ہوتا ہے: بیت الخلاء صاف کرنے والا، وہ بھی راضی ہو جائیں، اس کی کوشش ہوتی ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، یہ نہیں سوچا جاتا کہ میں یہ کام کرنے جا رہا ہوں، اس سے اللہ ناراض ہوں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوں گے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لاشريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾﴾ [النساء]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ [آل عمران]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾ [الأحزاب]

وقال النبي ﷺ: مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ

لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.

وقال النبي ﷺ: الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ.

وقال النبي ﷺ: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً.

وقال النبي ﷺ: وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

ایک تیر دو شکار

آج کی ہماری یہ مجلس اصالتاً تو یہاں اس مدرسے کے بچوں نے حفظِ قرآن کی تکمیل کی ہے، ان کے اعزاز کے لیے قائم کی گئی ہے کہ وہ اپنے اساتذہ، اولیا اور دیگر شرکاء کے سامنے اپنا آخری سبق پڑھیں اور اس طرح ان کا اعزاز ہو۔

اس مجلس کی نسبت سے ہمارے حضرت قاری (نظام الدین) صاحب نے اپنے صاحب زادے کا نکاح بھی رکھ لیا اور عام طور پر لوگ ایسے مواقع برکت حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتے ہیں اور یہ بہت اچھی بات ہے۔ اس مجلس میں دو کام ہیں، ان میں سے ایک تو ہو گیا اور دوسرا چل رہا ہے کہ خطبہ تو پڑھ لیا، بس ایجاب وقبول باقی ہے، وہ بھی إن شاء اللہ ہوگا۔

چوں کہ آپ لوگ یہاں ہمیشہ آتے جاتے رہتے ہیں اور میری حاضری بھی ہوتی ہے، تکمیلِ حفظ کی نسبت سے باتیں ہر سال یہاں سنتے ہیں، آج یہ پہلا موقع ہے کہ اس کے ضمن میں نکاح بھی رکھا گیا تو مناسب ہے کہ نکاح کی نسبت سے دو چار باتیں عرض

کردی جائیں۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ زندگی گذارنے کا جو طریقہ پوری انسانیت کو عطا فرمایا جس کو ہم اسلام یا شریعتِ مطہرہ کے نام سے جانتے، پہچانتے ہیں، اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق اور انسان کو پیدا ہونے سے لے کر موت تک پیش آنے والے تمام حالات کے متعلق تفصیلی رہنمائی اور ہدایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے پوری انسانیت کو عطا فرمائی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لیے بھیجا کہ زندگی گذارنے کا وہ کون سا طریقہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند ہے، جس کو اختیار کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ راضی ہوں گے اور بندے کو انعامات اور اکرامات سے نوازیں گے اور کون سا طریقہ ہے جو اللہ کو ناپسند ہے، جس کو اختیار کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ ناراض ہوں گے اور اس کو مختلف سزائیں دیں گے۔ یہ سب بتلانے کے لیے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا کے اندر بھیجا۔

ہمارا فریضہ

اور خاص طور پر ہم لوگ جنھوں نے کلمہ پڑھ کر اپنے آپ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری اور اتباع اور پیروی کے لیے پیش کیا ہے، ہمارا تو یہ فریضہ ہے کہ ہمارا ایک ایک قدم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہونا

چاہیے۔اور یہی چیز نبیٔ کریم ﷺ نے ہمیں بتلائی اور سکھلائی ہے۔

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اتباعِ سنت

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مزاج کیا تھا؟ وہ ایک ایک چیز میں، یہاں تک کہ ہر حرکت وسکون اور ایسی باتوں میں جو آدمی اپنی ضرورت کے طور پر سے کرتا ہے، اس میں بھی نبیٔ کریم ﷺ کی پیروی کا اہتمام کرتے تھے۔

سنتوں کی دو قسمیں

نبیٔ کریم ﷺ کی جو سنتیں ہیں، علماء نے اس کی دو قسمیں کی ہیں: (۱) سننِ ہُدیٰ (۲) سننِ زوائد۔

سننِ ہُدیٰ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جو طریقے بتلائے، جو آدمی اس کے مطابق چلے گا، وہ سیدھے راستے پر اللہ تعالیٰ تک پہنچے گا اور خدانخواستہ اس کی خلاف ورزی کرے گا تو گمراہ ہوگا۔ اور سننِ زوائد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس میں گنجائش ہے، خاص وہی چیز آپ اختیار نہ کریں، کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں تو شریعت آپ کو روکتی نہیں ہے۔

سنتوں کے متوالے

لیکن حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور نبیٔ کریم ﷺ کے عاشقینِ زار، حضور ﷺ کی ایک ایک ادا اپنانے کو اپنی سعادت اور خوش بختی سمجھتے ہیں۔ مثلاً حضور ﷺ کیسے چلتے تھے، ہمیں اس کا پابند نہیں کیا گیا کہ ہم اسی طرح چلیں، آپ جس طرح چلنا چاہیں،

چل سکتے ہیں لیکن جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشقینِ زار ہیں، وہ پورا اہتمام کرتے ہیں کہ چلنے میں اسی انداز کو اختیار کریں۔

سننِ زوائد کی کچھ مثالیں

لباس ہے، اس میں شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے بڑی گنجائش ہے، خاص طور پر وہی لباس جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنتے تھے، استعمال کرتے تھے پھر اس کے پہننے کا وہ انداز جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اختیار کرتے تھے تو ہمیں اس کا پابند نہیں کیا گیا کہ جتنی سائز کی لنگی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استعمال فرماتے تھے، ہم بھی اسی مقدار میں بنائیں۔ جس طرح کا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتہ پہنتے تھے، اسی اسٹائل کا ہم بنائیں، یہ ضروری نہیں ہے۔ شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے اپنی پسند کے مطابق بنا سکتے ہیں۔

لنگی اور ازار پہننے کا نبوی طریقہ اور انداز

اسی طرح پہننے کا جو انداز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا، اس میں بھی گنجائش دی گئی ہے۔ آپ تو ایک خاص انداز سے پہنتے تھے، اگر کوئی اس سے ہٹ کر کے ذرا اور نیچا کرے تو گنجائش ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لنگی آدھی پنڈلی تک رکھتے تھے۔ اب اگر کوئی آدھی پنڈلی سے نیچی رکھے تو حرج نہیں۔

شمائل میں ہے، حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری پنڈلی کا یہ گوشت عضلہ۔ گجراتی میں بھی اس کو عضلہ ہی کہتے ہیں۔ پکڑ کر کہا کہ تمھاری لنگی کی جگہ یہ ہے، پھر فرمایا: فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلَ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَلاَ حَقَّ لِلإِزَارِ فِي

الْكَعْبَيْنِ [۱]: اگر تم آگے بڑھنا چاہو، ٹھیک ہے، آگے بھی اتار سکتے ہو اور اگر تم اس سے بھی آگے بڑھنا چاہتے ہو تو ٹخنوں کے اندر لنگی اور پائجامے کا کوئی حق اور حصہ نہیں ہے، یعنی اگر کوئی آدمی لنگی یا پائجامہ اس انداز سے پہنے کہ ٹخنے ڈھک جاویں تو یہ درست نہیں، آپ کو شوق ہے تو اس سے اوپر تک پہن سکتے ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ نصف پنڈلی تک پہننے کا ہے اور جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق تھے، وہ تو اس سے ذرا بھی ہٹنا گوارا نہیں کرتے تھے۔

واقعۂ حدیبیہ

حدیبیہ کے موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت کو لے کر عمرے کے ارادے سے مکۂ مکرمہ کی طرف تشریف لے گئے- چوں کہ مکہ ابھی فتح نہیں ہوا تھا- جب مکہ کے مشرکین کو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی جماعت کے ساتھ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آ رہے ہیں تو مشرکین لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمان لڑنے کے لیے نہیں گئے تھے، صرف بیت اللہ کی زیارت اور عمرے کے لیے گئے تھے اور وہ اللہ کا گھر ہے، اس کی زیارت کا ہر ایک کو حق تھا کسی کو بھی روکا نہیں جا سکتا۔

جیسے کہ اگر آپ نے کوئی مسجد بنائی ہے تو آپ کا دشمن بھی اگر نماز کے لیے آئے گا تو آپ اس کو نہیں روک سکتے، کیوں کہ وہ اللہ کا گھر ہے۔ اسی طرح اپنے دشمن کو بھی

---

(۱) الشمائل المحمدية للترمذى، بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِزَارِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.

آپ کو روکنے کا حق نہیں، کوئی بھی آ کر اس میں اللہ کی عبادت کر سکتا ہے۔

کفارِ قریش کی ناپاک سازش

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کو لے کر چلے، مکہ کے مشرکین کو پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمرے کے ارادے سے آ رہے ہیں تو انھوں نے طے کیا کہ ان کو کسی بھی حال میں مکے میں گھسنے نہیں دینا ہے اور اس کے لیے انھوں نے جو حربہ استعمال کیا، جو تدبیر اختیار کی، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جھوٹا پروپیگنڈا کیا۔

مکہ میں تو یہ قریش والے خود رہتے تھے، مکۂ مکرمہ کے آس پاس جو قبائل آباد تھے ان کو بھی جمع کیا اور جمع کر کے ان کے سامنے یہ بات رکھی کہ یہ لوگ بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لیے آ رہے ہیں اور یہاں آ کر بیت اللہ کی حرمت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

اب ان لوگوں کو بیت اللہ کے ساتھ بڑا لگاؤ اور تعلق تھا، اسی تعلق کے پیشِ نظر انھوں نے کہا کہ: ہم کسی بھی طرح ان کو مکہ میں گھسنے نہیں دیں گے۔ حالاں کہ ایسا نہیں تھا؛ لیکن انھوں نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جھوٹی بات بیان کر دی اور اس طرح ان قبائل کا تعاون اور سپورٹ حاصل کیا اور انھوں نے ان کی مدد کرنے کے لیے باقاعدہ اپنے آدمیوں کے ساتھ پڑاؤ ڈالا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صحابہ سے مشورہ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ نے اس سلسلے میں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ:

اے اللہ کے رسول! آپ ایک ارادہ لے کر کے چلے ہیں، ہم اس ارادے میں تبدیلی کرنا نہیں چاہتے، ہم اسی نیت سے آگے بڑھیں۔ اگر کوئی ہمیں روکے گا تو ہم اسے دیکھ لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشورے کو قبول فرمایا اور کہا کہ چلو!۔

لڑائی سے بچنے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امکانی کوشش

آگے چل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ چلا کہ کفارِ مکہ نے لشکر کی ایک ٹکڑی حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں- جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے- پہلے ہی روانہ کر دی ہے۔ جب یہ اطلاع ملی تو ان کے ساتھ جھڑپ نہ ہو اور مقابلے کی نوبت نہ آئے، اس غرض سے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راستہ بدل دیا اور دوسرے راستے سے گئے، اس راستے سے جاتے تو ٹکراؤ ہوتا اور لڑائی چاہتے نہیں تھے، اس کے لیے آپ گئے ہی نہیں تھے؛ اس لیے آپ دوسرے راستے سے گھوم کر گئے اور وہاں حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جس کو آج کل ''شمسیہ'' کہتے ہیں، آپ مکہ جائیں گے تو راستے میں ایک بورڈ آتا ہے جس پر شمسیہ لکھا ہوا ہے۔

اور اونٹنی بیٹھ گئی

جب وہاں پہنچے تو نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی، آپ نے اسے اٹھانا چاہا تو وہ اٹھی اور پھر بیٹھ کر اپنا چہرہ زمین پر رکھ دیا۔

صحابہ کہنے لگے: خَلأَتِ الْقَصْوَاءُ خَلأَتِ الْقَصْوَاءُ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قصواء نہیں بیٹھی، یہ اس کا طریقہ نہیں، وَلَكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ: جس ذات

نے ہاتھی والوں کو روکا تھا، اسی نے اس کو روکا ہے[1]۔

بحکمِ الٰہی قریش کے ساتھ صلح کی کوشش

اب آپ کو بذریعۂ وحی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ یہیں ٹھہر جائیں اور ان کے ساتھ گفتگو کریں، اگر کسی معاملے پر صلح ہو جائے تو جس شرط پر بھی صلح ہو، آپ کو پورا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب بذریعۂ وحی صلح کا حکم دیا تو آپ ﷺ نے اپنے آدمی ان کے پاس بھیجے کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں لہٰذا ہم کو اس کا موقع دیا جائے، چوں کہ بیت اللہ کی زیارت سے کسی کو بھی روکا نہیں جا سکتا، ہم بھی اسی غرض سے آئے ہیں تو تم ہم کو بھی روک نہیں سکتے لیکن آپ ﷺ نے اس پیغام کے ساتھ جس آدمی کو بھیجا تھا، انھوں نے اس آدمی کو مارنے کی کوشش کی اور اس کے پیچھے دوڑے تو وہ بے چارہ اپنی جان بچا کر بھاگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجنے کی کوشش

پھر حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: اب تم پیغام لے کر جاؤ اور مکے والوں سے کہو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں، ہم تو بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں، ہم کو اس کا موقع دیا جائے اور ساتھ میں مکے میں جو کمزور مسلمان ہیں جو اسلام تو قبول

---

[1] صحيح البخارى، عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط.

کر چکے ہیں لیکن اپنی کمزوری کی وجہ سے اب تک ہجرت نہیں کر سکے ہیں، ان کو بھی یہ اطمینان دلا دینا کہ اِن شاء اللہ عن قریب تمھارے لیے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ راہیں کھولیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ان مکہ والوں کو میرے ساتھ کیسی دشمنی ہے، اس کو تو آپ خوب جانتے ہیں، مزید براں وہاں مکہ میں میرے خاندان کا ایسا کوئی آدمی نہیں ہے جو میری حمایت کرے؛ اس لیے اگر آپ اس خدمت کے لیے اور اس کام کو انجام دینے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو مناسب ہے۔

سفیر رسول حضرت عثمان کا شاندار استقبال

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ بہت پسند آیا اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم جاؤ!۔ سب حالتِ احرام ہیں، ایک لنگی نیچے ہے اور ایک چادر اوپر ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چلے، وہ کوئی موبائل کا زمانہ نہیں تھا لیکن مکۂ مکرمہ میں خبر ہوگئی کہ عثمان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی میسیج اور پیغام لے کر کے آرہے ہیں۔

ان کے قبیلے والے بنو امیہ کہلاتے تھے، ان کا بڑا جتھا تھا، بڑے طاقت ور لوگ تھے، ان کو جب پتہ چلا کہ ہمارے ہی قبیلے کا ایک آدمی آرہا ہے۔ یہ ان کے لیے ایک فخر کی چیز تھی؛ اس لیے وہ باقاعدہ تیاری کر کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا استقبال کرنے کے لیے ہتھیار سجا کر مکہ سے باہر نکلے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب پہنچے تو سب نے ان کا استقبال کیا اور کہا کہ آپ جس کام کے لیے آئے ہیں، آزادی کے ساتھ اس کام کو انجام دیجیے، کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

لنگی اور ازار پہننے کے سلسلے میں کفارِ قریش کا طریقہ

اب یہ سب لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لے کر ایک جلوس کی شکل میں جا رہے ہیں، اس دوران ان لوگوں نے دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی لنگی آدھی پنڈلی تک ہے۔

اس زمانے میں قریش کا جو فیشن تھا، وہ یہ تھا کہ بڑے لوگ اپنی لنگی کو اتنی نیچی پہنتے تھے کہ زمین کے ساتھ گھسٹتی تھی اور اسی کو فخر کی چیز سمجھتے تھے، اگر کوئی اس سے اونچی پہنتا تو اس کو عیب سمجھا جاتا تھا، وہاں کے لوگوں کا فیشن یہی تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لنگی نیچی کرنے کی درخواست

ان کے قبیلے والے جوان کے استقبال کے لیے آئے تھے اور ان کو لے کر جا رہے تھے، اُن کی نظر اِن کی لنگی پر پڑی تو انھوں نے فوراً ٹوکا کہ عثمان! تم نے یہ لنگی کیسی اتنی اونچی پہن رکھی ہے؟! تم مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے لوگوں کے پاس پیغام لے کر کے جا رہے ہو اور ان کا فیشن اور ان کے نزدیک عزت کی چیز یہ ہے کہ لنگی اتنی نیچی ہو کہ زمین کے ساتھ لگ رہی ہو؛ اس لیے تم لنگی نیچی کرو، ورنہ وہ تم کو ہلکا سمجھیں گے، ذلیل سمجھیں گے، تمھارے ساتھ بات کرنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عاشقانہ جواب

اس موقع سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیا جواب دیتے ہیں؟ اصل تو اسی کو بیان کرنا چاہتا ہوں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات سن کر فرمایا: هَكَذَا كَانَتْ إِزْرَةُ صَاحِبِي ﷺ: میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لنگی پہننے کا اسٹائل یہی ہے یعنی آدھی پنڈلی تک، میں اس میں ذرّہ برابر تبدیلی نہیں کر سکتا①۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

اندازہ لگاؤ! جو لوگ ان کے سپورٹ کے لیے آئے تھے، وہ یہ کہہ رہے ہیں، ان کی بات ٹھکرا رہے ہیں، ہم تو ایسے موقع پر حکمت سے کام لینے کا کہتے، حکمت! یعنی یہ جو ساتھ دینے کے لیے آرہے ہیں، ان کی اس بات کو مان لو، اس میں کیا حرج ہے۔ لیکن نہیں، وہاں تو کامیابی کی ضمانت ایک ہی چیز تھی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کا اتباع!!۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور اتباعِ سنت کا جذبہ

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مزاج کیا تھا! حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا واقعہ سنن ابنِ ماجہ میں موجود ہے، وہ عراق کے ایک علاقے کے حاکم تھے، کھانا کھا رہے تھے اور عراق کا علاقہ کسری کی حکومت کے ماتحت رہا تھا تو وہاں ''آتش پرست'' اور ''اگنی پوجکوں'' کی آبادی تھی، ان کے سردار کو ''دہقان'' کہا جاتا تھا، وہاں کے بڑے

---

① الشمائل المحمدية، عَنِ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، عَنْ أَبِيهِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِزَارِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ر:۱۲۲.

بڑے چودھری ''دہاقین'' کہلاتے تھے۔

آپ کھانا کھا رہے ہیں اور یہ سب چودھری بیٹھ کر گفتگو رہے ہیں۔ کھانے کے دوران ان کے ہاتھ سے ایک لقمہ گر گیا، انھوں نے اس کو اٹھایا صاف کیا اور کھالیا۔ وہاں جو چودھری بیٹھے ہوئے تھے، وہ ایک دوسرے کو آنکھ مار رہے تھے۔ ان کے بارے میں لکھا ہے: يَتَغَامَزُونَ: یعنی آنکھ مار رہے تھے۔ جب ان کو اس طرح آنکھ مار کر مذاق کرتے ہوئے دیکھا تو حضرت کے ساتھ جو آدمی تھے، انھوں نے کہا: امیر صاحب! اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے۔ یہ لوگ آپ کو دیکھ کر کے آپس میں آپ کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ اتنا سارا کھانا سامنے رکھا ہوا ہے، اب ایک لقمہ گر گیا تو اس کو اٹھا کر کھانے کی کیا ضرورت ہے؟ دوسرا کھانا موجود ہے، کیا کھانا دیکھا نہیں ہے! نادیدہ لگ رہے ہیں۔ اس پر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لقمہ گر جائے تو اس کو اٹھا کر کے، صاف کر کے کھالو، شیطان کے لیے مت چھوڑو [1]۔ کیا ان بے وقوفوں کے لیے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کو چھوڑوں گا! [2]۔

ایک مؤمن کا یہ مزاج ہونا چاہیے۔ ہر چیز میں ہمیں دیکھنا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کیا تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی میں ہمارے لیے کامیابی رکھی ہے۔

---

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَنَسٍ رضي الله عنه، بَابُ اسْتِحْبَابِ لَعْقِ الْأَصَابِعِ وَالْقَصْعَةِ، وَأَكْلِ اللُّقْمَةِ السَّاقِطَةِ، ر:۲۰۳٤

(۲) سنن ابن ماجة، بَابُ اللُّقْمَةِ، إِذَا سَقَطَتْ، ر:۳۲۷۸

برعکس نہد نامِ زنگی کافور

یہ نکاح کے دعوت نامے جو بھیجتے ہیں نا، اس پر بہت بڑے حروف میں لکھا ہوا ہوتا ہے: النِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِي۔ یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ نکاح میری سنت ہے[1]۔ اب لکھتے تو ہیں النِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِي اور سب کام خلافِ سنت ہو رہے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہوا کہ کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لیے جاوے اور ساتھ میں بینڈ باجا لے کر کے جاوے۔ حضرت! کہاں جا رہے ہیں؟ کہا: نماز پڑھنے کے لیے! پوچھا: پھر بینڈ باجے کی کیا ضرورت! نماز تو اللہ کی عبادت ہے!۔

اسی طرح نکاح کو بھی عبادت قرار دیا گیا ہے، حضور ﷺ کی ایک سنت ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے یہ سب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ نبی کریم ﷺ نے نکاح کا جو طریقہ بتلایا، اس کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

مال و دولت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

آج ہمارے سماج میں کیا ہو گیا؟ آج اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی شکرگزاری کے بجائے ناشکری کے مزاج بنتے جا رہے ہیں۔ اللہ نے دولت دی، پیسہ دیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان پیسوں کے ذریعہ اللہ کی نافرمانی کی جائے، اس کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ نہیں۔ یہ تو اللہ کی نعمت ہے جو ہمارے پاس امانت ہے، اس کے ذریعہ سے اگر ہم نے خدانخواستہ اللہ کو ناراض کر لیا تو پھر آگے کیا انجام ہو سکتا ہے،

---

(۱) سنن ابن ماجة، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، بَابُ مَا جَاءَ فِي فَضْلِ النِّكَاحِ.

ہم نہیں کہہ سکتے؛ اس لیے ہمیں اللہ کے رسول ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقوں کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

تم ہی کہہ دو! یہ آئینِ وفاداری ہے

اب تو عجیب عجیب حرکتیں ہونے لگی ہیں، اب تو اسٹیج پر باقاعدہ ناچتے ہیں اور بچے نہیں؛ بلکہ بڑے بڈھے! ابھی پرسوں ہی ایک صاحب میرے پاس آئے، دین دار گھرانے سے ان کا تعلق تھا، ان کے بیٹے کا رشتہ ایک جگہ طے کیا۔ اب لڑکے کا خسر دین دار تھا، اس سے یہ سمجھے کہ پورا گھرانہ دین دار ہوگا لیکن ایسا تھا نہیں، وہ جب شادی میں ان کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ اسٹیج بنا ہوا ہے، اس پر سب ناچے اور ساٹھ سال کا بڈھا بھی ناچا۔ یہ آ کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب! اب میں کیا کروں! اب بتلائیے! میں اس کو کیا کہہ سکتا تھا!!۔

شریعت کی نگاہ میں سب سے زیادہ برکت والا نکاح

آج کل یہ چیز عام ہوتی جا رہی ہے، اس سے بچنے کی ضرورت ہے، ہمیں نبیٔ کریم ﷺ نے نکاح کا جو طریقہ بتلایا ہے، وہ ایک دم سیدھا اور سادہ ہے۔ ابھی آپ کے سامنے خطبۂ نکاح پڑھا گیا، اس میں قرآنِ پاک کی تین آیتیں اور نبیٔ کریم ﷺ کے چار ارشادات آپ کے سامنے پڑھے، ہر ایک کی تشریح کرنے جاوے تو بہت وقت لگ جائے گا، ان میں نبیٔ کریم ﷺ کا ایک ارشاد پڑھا تھا: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً: نکاحوں میں سب سے بڑا برکت والا نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچہ ہو۔

الٹی ہی چال چلتے ہیں دیوانگانِ عشق

ہم نے الٹا سمجھا کہ جتنے زیادہ آدمیوں کو کھلائیں گے، نکاح اتنا ہی کامیاب ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سب سے برکت والا اور کامیاب نکاح وہ ہے جس میں ایک روپیہ بھی خرچ نہ ہو، صرف مہر دیا جائے، یہ سب سے آسان طریقہ ہے۔
خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا طریقہ تھا؟ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا طریقہ تھا؟ ہمارے بزرگوں کا کیا طریقہ تھا؟۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک نکاح کی سادگی کا عالم

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ خیبر سے جب لوٹے تو واپسی کے موقع پر اُمُ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کیا اور جب ان کے ساتھ نکاح ہوا تو اس طرح ہوا کہ غزوے سے اسلامی لشکر واپس ہو رہا تھا، ایک جگہ پر تین دن کے لیے پڑاؤ ڈالا، وہیں رخصتی عمل میں آئی اور شب باشی ہوئی۔ پھر دوسرے دن ولیمہ اس طرح کیا کہ چمڑے کے دستر خوان کے اوپر کھجوریں، پنیر اور گھی ڈال کر کے اس کا مالیدہ، حلوا سا تیار کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے- جو آپ کے خادم تھے- فرمایا کہ لوگوں کو بلا لو۔ نام بھی نہیں دیے کہ فلاں، فلاں کو بلاؤ بلکہ ان کی صواب دید پر چھوڑ دیا کہ جن کو وہ مناسب سمجھیں، بلا لیں۔ یہ ولیمہ ہو گیا۔ پہلے سے کوئی دعوت نہیں۔

دعوتِ ولیمہ سے متعلق ایک خرابی

یہاں تو حال یہ ہے کہ پہلے سے دعوت نہ دی ہو تو مفتی صاحب اور امام صاحب بھی

نہیں جائیں گے۔ یوں کہیں گے کہ مجھ کو پہلے سے دعوت نہیں تھی؛ اس لیے میں نہیں آتا اور یہاں تو پہلے سے کسی کو بھی دعوت نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو ملے اس کو بلالو۔ چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں تین روز ٹھہرے تھے؛ اس کے لیے باقاعدہ خیمہ لگایا گیا تھا، تو یہ تو سب کو معلوم تھا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب باشی فرمائی لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ نکاح ہوا یا وہ باندی تھیں؛ اس لیے آپ نے یہ کام کیا؛ اس لیے حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں یہ چیز موضوعِ بحث بنی ہوئی تھی کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ جو شب باشی کی ہے، وہ نکاح کی وجہ سے یا پھر باندی ہونے کے طور پر کی ہے یعنی بہت سے صحابہ کو نکاح کا پتہ نہیں تھا، بخاری شریف میں یہ تفصیل موجود ہے [1]۔

دیکھئے! راستے میں ایک جگہ لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے، اس میں ڈیڑھ ہزار آدمی ہیں، اگر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو اعلان کرواسکتے تھے کہ بھائی! آجاؤ، نکاح ہو رہا ہے، ان سب کو بلانا کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ جو وہاں موجود تھے، ان کے سامنے بات ہوگئی، اور جو دور بیٹھے تھے، ان کو پتہ بھی نہیں چلا، تبھی تو یہ چرچا ہوا۔ دیکھیے! نکاح میں اس قدر سادگی اختیار فرمائی، اور بھی نکاح اسی طرح سادگی کے ساتھ ہوئے جن کی تفصیل کا وقت نہیں ہے۔

نکاح ایک طبعی ضرورت

اور یہی طرزِ عمل نکاح کے سلسلے میں حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا رہا ہے کہ نکاح

---

(۱) صحيح البخاری، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب من غزا بصبي للخدمة، ر:۲۸۹۳.

ہو رہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کو اس کا علم نہیں ہے؛ کیوں کہ نکاح تو ایک فطری اور طبعی ضرورت ہے، جیسے انسان اپنی دوسری فطری اور طبعی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے کوئی خاص اہتمام نہیں کرتا، اپنی حیثیت کے مطابق پوری کرلیا کرتا ہے، ایسے ہی نکاح کے سلسلے میں بھی کرنا چاہیے۔

تھے تو وہ آباء تمھارے ہی مگر تم کیا ہو

ہمارے حضراتِ اکابر کے یہاں بھی اسی کا اہتمام رہا، حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ- ہر جگہ، ہر بستی میں آپ کی کتاب ''فضائلِ اعمال'' پڑھی جاتی ہے- نے ''آپ بیتی'' میں اپنی صاحب زادیوں کے نکاح اور اپنے خاندان والوں کے نکاح کی تفصیلات لکھی ہیں۔ آپ کی دو بڑی صاحب زادیوں میں سے سب سے بڑی صاحب زادی حضرت جی ثانی حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ -جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے اور ان کے بعد ان کی جگہ پر حضرت جی ہوئے- کے نکاح میں تھیں اور دوسری صاحب زادی حضرت مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح میں دی گئیں جو تیسرے حضرت جی تھے۔ اس زمانے میں یہ دونوں حضرات مظاہر علوم میں پڑھتے تھے۔

مظاہر علوم جہاں حضرت پڑھاتے تھے، وہاں جلسہ تھا، مدرسوں میں جلسے ہوتے ہیں نا، جس میں فارغ ہونے والوں کے سر پر پگھڑی باندھی جاتی ہے تو ایسے ہی وہاں دستار بندی کا جلسہ تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سہارنپور کی جامع مسجد میں مظاہر

علوم کا جلسہ تھا، رات کو مجلس تھی اور مجلس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات بھی تشریف لائے تھے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اس سے اچھا موقع اور کیا ہوگا! لڑکیوں کا نکاح پڑھوا دیا جائے۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ ننگی پھر رہی ہیں

چناں چہ لڑکوں کے لیے بھی کوئی نئے لباس کا انتظام نہیں کیا گیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کہیں سے میرے پاس ہدیے میں آئے ہوئے دو عربی رومال پڑے ہوئے تھے، وہ میں نے ان دونوں کو دے دئے۔ وہ انھوں نے سر پر ڈال دئے اور جب نماز کے لیے اور جلسے میں حاضری کے لیے مسجد کی طرف جانے لگا تو میں نے گھر میں بتا دیا کہ آج جلسہ ہے اور اس طرح ہمارے بزرگ آنے والے ہیں، یہ اچھا موقع ہے تو لڑکیوں کا نکاح کرادوں، بیٹیوں کو بلالو۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھر والوں نے کہا کہ پہلے سے اطلاع دے دیتے تو لڑکیوں کے لیے ایک آدھ جوڑا بنوا لیتے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ: اچھا! مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ ننگی پھر رہی ہیں۔ یہ تھا نکاح کا طریقہ ہمارے اکابر کے یہاں! یعنی بچیوں کو اُس وقت بتا رہے ہیں، جب نکاح کے لیے جا رہے ہیں۔

میری ناک تو اپنی جگہ موجود ہے

حضرت فرماتے ہیں کہ خاندان کے لوگ رسم ورواج کے پابند تھے، جب اس

طرح سادگی کے ساتھ نکاح ہوا تو بعضوں نے کہلوایا کہ آپ نے ہماری ناک کاٹ دی، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے پیغام لانے والے کا ہاتھ اپنی ناک پر رکھ کر کہا کہ ان کو جا کر کہنا کہ اس کی ناک تو اپنی جگہ پر ہے، آپ کی کٹی کہ نہیں، اللہ بہتر جانے۔

آج ہم رسم ورواج کی پابندی میں یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اللہ کے بندو! اسی چیز نے ہمارا بیڑا غرق کیا ہے۔

خواجہ ابوطالب کی آخری گھڑیاں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا حضرتِ ابوطالب جنھوں نے زندگی بھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمایت کی، سپورٹ کیا اور پوری زندگی آپ کی مدد کرتے رہے، دشمنوں کے مقابلے میں آپ کو تقویت پہنچاتے رہے۔ ان کا واقعہ بڑا عبرت ناک ہے، سنو!۔

جب ان کی موت کا وقت آیا - بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے - تو مکہ میں بات پھیل گئی کہ ابوطالب کی اخیری گھڑیاں ہیں، چناں چہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ دونوں ابوطالب کے پاس پہنچ گئے آپس میں یہ کہتے ہوئے کہ کہیں آخری وقت میں ان کے بھتیجے ان کے پاس آ کر کلمہ نہ کہلوا دے؛ کیوں کہ اب تک وہ ایمان لائے نہیں تھے، اس لیے دونوں جلدی جلدی وہاں پہنچے۔

عبداللہ بن ابی امیہ کا مختصر تعارف اور ابلیسی چال

یہ عبداللہ بن ابی امیہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور ابوطالب کے بھانجے ہوتے ہیں، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بڑے دشمن تھے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو

فتحِ مکہ کے موقع پر ایمان لائے ہیں۔ ابوطالب جہاں لیٹے ہوئے تھے، وہاں دو آدمیوں کے بیٹھنے کے بقدر جگہ تھی، چناں چہ انھوں نے اس جگہ پر قبضہ کرلیا؛ تاکہ جب نبیٔ کریم ﷺ کو پتہ چلے اور آپ تشریف لاویں تو آپ کو بیٹھنے کا موقع نہ ملے۔ بیٹھے تو آدمی اطمینان سے بات کرے گا نا۔

چچا جان سے ایمان قبول کرنے کی نبیٔ کریم ﷺ کی درخواست

اس کے بعد نبیٔ کریم ﷺ کو بھی اطلاع ہوئی کہ چچا جان کی آخری گھڑیاں ہیں، آپ بھی وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے چناں چہ کھڑے کھڑے- بخاری شریف کے اندر ہے- نبیٔ کریم ﷺ نے چچا سے درخواست کی: قُلْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ کہ: چچا جان! آپ یہ کلمہ پڑھ لیجیے، تاکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کرسکوں، آپ کے لیے کچھ دلیل کرسکوں یعنی آپ کی سفارش کا موقع مجھے اسی وقت ملے گا جب آپ یہ کلمہ پڑھیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں نجات کلمے پر، ایمان پر موقوف ہے، اگر کلمہ نہیں پڑھو گے تو میں بھی تمھارا کچھ کام بنا نہیں سکتا، سیدھی بات ہے، قانون اپنی جگہ قانون ہے۔

سفارش کی قبولیت کے لیے شرائط

بھائی! دیکھو، سفارش کی قبولیت کے لیے بھی کچھ شرائط ہوا کرتی ہیں۔ جیسے آپ کا کوئی عزیز ہے، بھتیجا ہے، اس نے سرکار کی کسی اسامی اور پوسٹ کے لیے درخواست دی کہ فلاں سرکاری شعبے میں فلانی پوسٹ خالی ہوئی ہے اور اس کے لیے ایک آدمی کی

ضرورت ہے اور اخبار میں اس کے متعلق اشتہار اور ''ایڈ'' آئی کہ یہ پوسٹ خالی ہے، اس کے لیے لوگ درخواست دیں، فلانے دن انٹرویو ہوگا۔ سب نے درخواست دی، آپ کے اس بھتیجے نے اس کے لیے درخواست دے دی۔

صدر جمہوریہ بھی تمھیں نوکری نہیں دلا سکتا

اب جو آفیسر درخواست دینے والوں کا انٹرویو لینے پر مامور ہے، وہ آپ کا پکا دوست ہے۔ آپ کے بھتیجے نے آپ سے آکر کہا کہ چچا! وہ جو ایڈ آئی تھی نا، میں نے بھی اس کے لیے درخواست دی ہے تو جس آفیسر کے ہاتھ میں درخواست کی منظوری دینا ہے، وہ آپ کا پکا، لنگوٹیا دوست ہے، آپ جو کہیں گے، وہ کرے گا تو آپ ذرا میری سفارش کر دیجیے۔

آپ اس سے پہلا سوال یہ کریں گے کہ بیٹا! اس پوسٹ کے لیے جس ''سرٹی'' کا ہونا، جس ڈگری کا ہونا ضروری ہے، وہ آپ کے پاس ہے؟ وہ کہتا ہے کہ وہ ''سرٹی'' اور ڈگری تو نہیں ہے لیکن آپ کے تعلقات تو ہیں تو آپ جواب میں کیا کہیں گے کہ جب ''سرٹی'' نہیں ہے تو میں کیا، صدر جمہوریہ، راشٹر پتی بھی تمھاری سفارش نہیں کر سکتا اور یہاں نہیں رکھ سکتا۔ ظاہر سی بات ہے، ''سرٹی'' تو ہونی چاہیے۔

دخولِ جنت کے لیے ضروری سرٹیفکٹ

اسی طرح جنت میں داخل ہونے کے لیے کلمہ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ کی ''سرٹی'' ضروری ہے، اس کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جا سکتا۔

تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ ابوطالب سے کہا کہ آپ کلمہ پڑھ لیجیے۔ اگر آپ کلمہ پڑھ لیں گے تو مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے حق میں دو لفظ کہنے کی گنجائش مل سکے گی اور آگے کا کام میں سنبھال لوں گا؛ لیکن کلمہ پڑھے بغیر بات بننے والی نہیں ہے۔

لوگ کیا کہیں گے؟

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوطالب سے یہ کہا تو ابوجہل کیا کہتا ہے: ابوطالب! بس! اخیری گھڑی میں باپ دادا کا دھرم چھوڑو گے؟ اگر آخری گھڑی میں کلمہ پڑھ لو گے تو مکے کی عورتیں اور بچے کیا کہیں گے کہ جہنم کی آگ سے ڈر گیا اور کلمہ پڑھ لیا۔ عار دلائی۔

یہ عار ہے نا عار، وہ آدمی کو بہت ساری خوبیوں سے روکتی ہے۔ چناں چہ اخیری گھڑی میں ابوطالب کی زبان پر یہ تھا: أختارُ النار علی العار: میں نار کو عار کے مقابلے میں اختیار کرتا ہوں اور ترجیح دیتا ہوں یعنی مجھے جہنم گوارا ہے لیکن مکہ کی عورتیں اور بچے یہ طعنہ دیں کہ ابوطالب ڈر گیا اور جہنم کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا، یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔ دیکھئے! یہ عار آدمی کو کہاں تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی ''لوگ کیا کہیں گے'' نے ایمان قبول کرنے نہیں دیا۔

اللہ تعالیٰ کا احسانِ عظیم

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے ہمیں مفت میں ایمان دے دیا، ہمیں مسلمان ماں باپ کے گھر پیدا کیا اور ایمان ورثے میں مل گیا، ورنہ دنیا میں بہت سے لوگ ہیں

جو غیر مسلم گھرانے میں پیدا ہوتے ہیں اور حق ان کے سامنے واضح ہو جاتا ہے پھر سماج کے ڈر سے بولتے نہیں ہیں اور ایمان نہیں لاتے، خدانخواستہ اگر ہم بھی غیر مسلم ماں باپ کے گھر پیدا ہوتے اور ہمارے سامنے اسلام کی حقّانیت واضح ہوتی تو کوئی گارنٹی تھی کہ ہم ایمان لاتے؟ مکہ کے بھی بہت سے لوگ جانتے تھے کہ حضور ﷺ سچے نبی ہیں، پھر بھی وہ اسی عار کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔ جو عار ہم کو آج شریعت پر عمل نہیں کرنے دیتی۔

ہمیں سنتِ رسول پیاری ہے، ہمیں دنیا سے کیا لینا

اللہ تعالیٰ نے ہمیں مفت میں ایمان کی دولت دی لیکن یہ دوسری چیزیں جو ہیں، وہ ہمارے اختیار میں ہیں، ہم بہت سی سنتوں اور شریعت کے احکام کو اسی عار کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ یہ ہمارا حال ہے، آج اسی نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے، ضرورت ہے کہ ان چیزوں کو ہم چھوڑیں۔ ''لوگ کیا کہیں گے'' لوگ جائیں بھاڑ میں، ہمیں تو نبیٔ کریم ﷺ کی سنتوں کو دیکھنا اور ان پر عمل کرنا ہے۔

اللہ کے نزدیک مبغوض ترین بندے

اس سلسلے میں بخاری شریف کی ایک حدیث سن لیجیے، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلاَثَةٌ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ مبغوض، ناپسندیدہ اور اللہ کے غضب کے حق دار تین آدمی ہیں: (۱) مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ: ایک تو وہ آدمی جو حرم کے علاقے میں رہتے ہوئے ایمان کے خلاف عقیدے کی خرابی میں مبتلا

ہو۔(۲) وَمُبْتَغٍ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةَ الجَاهِلِيَّةِ[۱]: مسلمان ہوتے ہوئے غیر اسلامی طریقوں کو اختیار کرے۔ اس سے یہی رسم و رواج مراد ہے، ان کی پیروی کرنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ ہے، یہ بڑی خطرناک چیز ہے، اس سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے۔

شادیوں میں فضول خرچیوں سے بچیے

ایک جگہ ایک مدرسے کا جلسہ تھا، وہاں ایسا ہی ڈیکوریشن والا منڈپ لگایا گیا تھا لیکن اتنا ڈیکوریشن نہیں تھا، حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ مدعو تھے، اس پر بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی کہ مدرسہ کا جلسہ تھا، کوئی شادی نہیں تھی۔ ویسے منڈپ کی ضرورت ہوسکتی ہے، کھلانے پلانے کے لیے اس کی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ نہ ہو تو دھوپ لگے گی لیکن اس کے لیے سادہ منڈپ کافی ہے، جیسے پرانے زمانے میں دیہاتوں کے اندر باندھتے تھے، ایسے ڈیکوریشن والے منڈپ کی ضرورت نہیں۔

جاہلوں کو اپنے علم کے مطابق چلائیں

قاری صاحب (مہتمم مدرسہ) کو میں نے کہا کہ آپ عالم ہیں تو آپ کو اپنے علم کے مطابق عمل کرنا چاہیے تو جواب میں قاری صاحب نے وہی بات کہی کہ کیا کریں، لوگ مانتے نہیں ہیں، عورتیں ضد کر رہی تھیں۔ میں نے کہا کہ وہ آپ کو اپنی جہالت پر چلانا چاہتی ہیں، آپ کو چاہیے کہ آپ ان کو اپنے علم پر چلائیں۔ آج ہمارے زمانے

---

[۱] صحیح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، باب من طلب دم امرئ بغیر حق، ر:٦٨٨٢.

میں ہمارا سب سے بڑا پرابلم یہی ہے۔

اس دور کا ہمارا ایک اور بڑا المیہ

لوگ اپنے بچوں کو پڑھانے کے لیے مدرسوں میں داخل کرتے ہیں، بچہ پڑھ کے فارغ ہوتا ہے، عالم بنتا ہے، شادی کرنا چاہتا ہے تو ماں باپ رسم ورواج کرنا چاہتے ہیں، بچہ چوں کہ پڑھا ہوا ہے، وہ ماں باپ سے اختلاف کرتا ہے کہ ابّا! یہ رسم نہیں چاہیے، مجھے نہیں کرنی تو ابّا کیا کہتے ہیں؟ کہ اگر تجھے ہماری بات نہ ماننی ہو تو ہمارے گھر سے نکل جاؤ!۔

آج یہی ہو رہا ہے اور میں ایسے ماں باپ سے کہتا ہوں: ارے تجھے اپنی اس جہالت پر بچے کو چلانا تھا تو پڑھایا کاہے کو! اگر اپنی طرح جاہل رکھتے تو تمھاری کھیتی میں بھی کام دیتا اور تمھارا کھیت بھی آباد رکھتا۔ یہ تو مدرسے میں بھیجنے کے بعد اس کام کا بھی نہیں رکھا اور دین کا بھی نہیں رکھا۔ آج کل یہ سب ہمارے سماج اور معاشرے میں ہو رہا ہے، اس کو چھوڑنے کی ضرورت ہے۔

جب میرے نکاح کا وقت آیا تو...

میں خالی نصیحت نہیں کرتا بلکہ بتلانا چاہتا ہوں: جب میرے نکاح کا وقت آیا تو میں نے طے کرلیا تھا کہ نئے کپڑے بھی نہیں پہنوں گا، پرانے کپڑوں ہی میں نکاح کروں گا۔ میرے والد صاحب کا ایک سال پہلے انتقال ہو گیا تھا، میرے بڑے بھائی تھے، انھوں نے میرے لیے کپڑے لے رکھے تھے، مجھے معلوم نہیں تھا، عین نکاح کے

وقت وہ نئے کپڑے لاکر مجھے دیے اور کہا کہ بھائی! میں نے تمھارے لیے خاص طور پر سلائے ہیں۔ میں نے کہا کہ: بھائی! میں نے تو یہ نیت کی تھی لیکن آپ میرے باپ کی جگہ ہیں؛ اس لیے ٹھیک ہے لیکن چپل تو میں نے وہی پرانے رکھے۔

اور ہمارے یہاں نکاح رات میں نہیں ہوتا تھا، آج بھی بہت سی جگہ یہ چیز ہے، میں نے رات کو نکاح کرنا طے کیا۔ ہمارے سسرال میں ایک رشتہ دار عورت بڑی نیک، دین دار تھی، بزرگوں کے واقعات بھی خوب یاد تھے لیکن پرانے خیالات کی تھی، انھوں نے کہا کہ رات کو کیسا نکاح! میں نے کہا کہ رات کو ہی نکاح ہوگا، میں اس رسم کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔ انھوں نے نکاح کے بعد کھانا بھی رکھا تھا لیکن میں اور میرے مہمان ان کے یہاں کھانے نہیں گئے، اپنے گھر کھانا بنوایا۔

دوسرے دن ولیمہ رکھا تھا۔ انھوں نے کہا کہ تم نے نکاح تو رات میں رکھ لیا لیکن رخصتی رات کو نہیں ہوگی، کل دن میں ہوگی۔ میں نے کہا کہ رخصتی بھی رات ہی کو ہوگی، کل ولیمہ جو رکھا ہے۔ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی جم جاوے تو کوئی کچھ بگاڑ سکتا نہیں۔

رسم ورواج سے لوگوں کے لگاؤ کی اصل وجہ

اصل میں ہوتا کیا ہے؟ لوگ ہر چیز میں رسم ورواج کے پابند ہوتے ہیں، داد ودہش میں بھی رسموں کے پابند ہیں تو اب نکاح کے موقع پر بہن کو کچھ دینا ہے، پھوپھیوں کو کچھ دینا ہے، اور دنوں میں تو کچھ دیتے نہیں، نکاح کا موقع آتا ہے تو دیتے ہیں؛ اس

لیے لوگ رسم ورواج کی پابندی کرتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ یہ نہیں ہوگا تو ہم کو کچھ ملنے والا نہیں ہے۔ اگر آپ اور دنوں میں ان کو دیتے رہیں گے تو پھر ان کی طرف سے ایسا کوئی مطالبہ ہونے والا نہیں ہے، وہ جانتے ہیں کہ ہم کو ویسے بھی مل ہی رہا ہے، میں سیدھی سیدھی بات کہہ رہا ہوں۔

رسم رواج اس طرح ختم ہوسکتے ہیں

الحمدللہ! میں اپنی بہنوں کو اور دوسرے رشتہ داروں کو مختلف اوقات میں دیتا ہی رہتا ہوں؛ اس لیے ان کی طرف سے کوئی مطالبہ نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے بیٹوں کا نکاح کرایا، بیٹیوں کا نکاح کرایا اور کسی کو نہیں بلایا لیکن کسی نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، کیوں؟ اس لیے کہ اور دنوں میں اتنا دیتا ہوں کہ وہ خوش ہوجاتے ہیں۔ اب آپ لوگ تو کچھ دیتے ہی نہیں تو پھر یہ سب ہونے ہی والا ہے۔

شریعت نے صلہ رحمی کی فضیلت بتلائی ہے تو اس پر عمل کیا جائے، یہ سب تدبیریں ہیں جو میں اس لیے ذکر کررہا ہوں کہ بھائی! پڑھے ہوئے ہیں؛ اس لیے ان چیزوں کو چھوڑنا ضروری ہے۔ ایک عالمِ دین اگر شریعت کے بتلائے ہوئے طریقوں پر عمل نہیں کرے گا تو کون کرے گا!!۔

اس طرح نکاح میں خیر و برکت نہیں آسکتی

قاری صاحب چوں کہ میرے شاگرد بھی ہیں اور تربیت یافتہ بھی ہیں؛ اس لیے مجھے یقین ہے کہ میری ان باتوں کا برا نہیں مانیں گے، جان بوجھ کر قصداً کہتا ہوں کہ

اہلِ علم کو ان باتوں پر ضرور عمل کرنا چاہیے اور میں گھر کی عورتوں کو بھی سنانا چاہتا ہوں کہ ہر آدمی کی تمنا ہوتی ہے کہ نکاح میں خیر و برکت ہو۔ اتنے سارے مولویوں کو کاہے کو بلایا؟ خیر و برکت کے واسطے بلایا۔ اگر ہم شریعت کے راستے سے ذرا بھی ہٹیں گے تو خیر و برکت کہاں سے آئے گی؟۔

چند فرضی لکیروں کو سجدے نہ کر

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفہ تھے، فرماتے تھے کہ جب کسی کا نکاح ہوتا ہے وہ تو ہر ایک کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہاں تک کہ گھر میں جھاڑو دینے والے اور کام کرنے والے جو مزدور ہوتے ہیں، بھنگی ہوتا ہے: بیت الخلاء صاف کرنے والا، وہ بھی راضی ہو جائیں، اس کی کوشش ہوتی ہے لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا، یہ نہیں سوچا جاتا کہ میں یہ کام کرنے جا رہا ہوں، اس سے اللہ ناراض ہوں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

نکاح میں برکت کیسے آتی ہے؟

اقتباس

ہم اور آپ یوں سمجھتے ہیں کہ کسی بڑے مولانا کو، مفتی صاحب کو، کسی حضرت کو بلوا لیں گے اور ان سے نکاح پڑھوالیں گے تو برکت ہو جائے گی یا خوب خرچہ کریں گے، سارے گاؤں والوں کو اور گاؤں کے اطراف والوں کو دعوت دیں گے، سب کھائیں گے تو برکت ہوگی اور اس طرح کے دوسرے طریقے اپنے ذہن سے تجویز کرتے ہیں اور اس طریقے کو عمل میں لا کر یوں سمجھتے ہیں کہ یہ عمل ہمارے لیے برکت کا ذریعہ ہوگا، حالاں کہ برکت تو اسی طریقے سے آئے گی جو نبیٔ کریم ﷺ نے بتلا دیا۔

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿١﴾﴾ [النساء]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ [آل عمران]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾ [الأحزاب]

وقال النبي ﷺ: مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ

لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.

وقال النبي ﷺ: الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ.

وقال النبي ﷺ: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً.

وقال النبي ﷺ: وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

نر و مادہ میں ایک دوسرے کی طرف کشش فطری ہے

آج کی ہماری یہ مجلس عقد نکاح کی ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ زندگی گذارنے کا جو طریقہ لے کر تشریف لائے اس میں انسان کی زندگی سے متعلق تمام حالات کے لیے واضح اور روشن ہدایتیں موجود ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک فطری جذبہ ہر مرد میں عورت کی طرف کشش اور میلان کا اور ہر عورت میں مرد کی طرف کشش اور میلان کا رکھا ہے۔ یہ چیز جانوروں میں بھی ہے کہ نر مادہ کی طرف اور مادہ نر کی طرف مائل ہوا کرتے ہیں لیکن ان کے لیے کوئی قانون نہیں ہے، اگرچہ قانونِ فطرت کے وہ پابند ہیں کہ فطری طور پر کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے ماتحت وہ چلتے ہیں جس کی تفصیل میں ابھی نہیں کروں گا، حالاں کہ وہ بڑی دلچسپ ہے لیکن اس کا اس وقت موقع نہیں۔

انسان آزاد نہیں

انسان کے لیے اللہ نے چوں کہ یہ طے فرمایا ہے کہ اس کو اسی طرح چلنا ہے جس

طرح ہدایتیں اس کو دی گئی، نبیٔ کریم ﷺ نے انسانوں کے لیے جو طریقہ تعلیم فرمایا، اس میں یہ نہیں ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے فائدہ اُٹھائے اور اپنی مرضی کے مطابق جب چاہے، جس طرح چاہے، جس عورت سے چاہے فائدہ اُٹھائے، جیسا کہ آج کل لوگوں کا ایک عام مزاج بنتا جارہا ہے اور آپ کے یورپی ممالک میں تو اس کی بہتات ہے- اللہ تبارک وتعالیٰ ہر ایک کی اس سے حفاظت فرمائے- شریعت نے کچھ تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

ہم خرما وہم ثواب

ویسے تو یہ ایک فطری تقاضہ تھا، اس کے باوجود نبیٔ کریم ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی۔ کھانا ایک فطری تقاضہ ہے اور اس کے بعد کھانے کی فضیلتیں بیان کی جائیں کہ کھانے پر وہ ثواب ملے گا تو پھر کیا کہنا، ہم خرما وہم ثواب: ثواب بھی اور مٹھائی بھی ایسا مسئلہ ہوگیا۔

نکاح کو عبادت قرار دینے کا سبب

نکاح ایک فطری تقاضا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان میں رکھا ہے اور پھر نبیٔ کریم ﷺ نے اس کے متعلق اپنا طریقہ بتلا کر اس پر مہر ثبت کردی، یہ کیوں؟۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر جو فطری تقاضے رکھے ہیں، کھانا، پینا اور دوسرے بہت سارے۔ ان میں ایک یہ بھی ہے اور یہ ایسا شدید تقاضا ہے کہ آدمی اس کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ مول لیتا ہے اور

آپ تو دیکھ ہی رہے ہیں کہ یہ سب ہو رہا ہے، اسی کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کا سلسلہ جاری فرمایا اور حضور ﷺ نے اس کو سنت قرار دیا۔

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے

بھلا جب یہ فطری تقاضا ہے تو پھر سنت کہہ کر اس کی طرف ترغیب دلانا کیا معنی رکھتا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ بعض لوگ فطرت کے ان تقاضوں کو دبا کر اس کے خلاف کر کے یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ ہر مذہب میں ایسے لوگ ہیں۔ عیسائیوں میں رہبانیت کا جو طریقہ ہے، وہ کیا ہے؟ یہی کہ وہ اس فطری تقاضے کو دبا کر، کچل کر انسان کے اس فطری تقاضے کو ختم کر کے یوں سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کی نزدیکی حاصل کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے تو فرمایا: لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الإِسْلاَمِ[1]: اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

ہندوؤں میں بھی ''برہم چریہ'' نام کی ایک چیز ہے کہ وہ اس طریقے کو اختیار کر کے یوں سمجھتے ہیں کہ اس طریقے سے آدمی اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے

شرعی اصول کے مطابق فطری خواہش کی تکمیل عبادت ہے

لیکن نبیٔ کریم ﷺ کی تعلیمات پر قربان جایئے کہ آپ نے انسان کے اس فطری تقاضے کے کچلنے کو عبادت قرار نہیں دیا بلکہ اس فطری تقاضے کو صحیح طریقے سے، شریعت کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق اگر کوئی آدمی پورا کرتا ہے، یہ نہیں کہ اس

---

① فتح الباري شرح صحيح البخاري لابن رجب ١/ ١٠٣

میں بھی آزادی ہو کہ بھائی! جس طرح چاہے کرلے، نہیں! اس کے لیے کچھ حدود، شروط اور قیود مقرر کیے ہیں۔ اس کے مطابق پورا کرے تو اس کو عبادت قرار دیا۔ نکاح کو عبادت قرار دیا گیا۔

معمولاتِ نبوی معلوم کرنے کا حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اہتمام

ازواجِ مطہرات میں سے ایک زوجۂ مطہرہ کی روایت ہے اور ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ تین صحابی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے: حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ انھوں نے آکر ان سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات پوچھے کہ آپ کے معمولات کیا ہیں؟ نماز اور رات میں سونے کا اور دوسرے معمولات کیا ہیں؟ دن میں روزے کا معمول اور دوسرے کیا معمولات ہیں؟۔

کہاں ہم اور کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

انھوں نے معمولات بتلائے۔ اس کو سُن کر روایت کے الفاظ یہ ہیں: كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا کہ گویا ان حضرات کو یہ معمولات کم معلوم ہوئے۔ چوں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ تھا۔ انھوں نے یوں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بخشے بخشائے ہیں۔ ہم کہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حِرص کر سکتے ہیں۔ ہم تو ہلاکت کے کگار اور کنارے کھڑے ہیں۔ ہمیں بہت زیادہ مجاہدے کی ضرورت ہے۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا باہم عہد و پیمان

چناں چہ ان میں سے ایک نے یہ طے کیا کہ میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا۔ کبھی افطار نہیں کروں گا، مسلسل روزے رکھوں گا۔ افطار نہیں کرنے کا مطلب یہ کہ کوئی دن خالی نہیں جانے دوں گا۔ دوسرے نے یوں کہا کہ میں ہمیشہ رات بھر عبادت کروں گا، سوؤں گا نہیں اور تیسرے نے یوں کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔

یہ باتیں اور عہد و پیمان ان ہی زوجۂ مطہرہ کے سامنے آپس میں طے کیں جن سے انھوں نے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات دریافت کیے تھے۔ اس کا اظہار بھی کیا اور وہاں سے رُخصت ہوئے۔

جب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سب ماجرا بیان کیا کہ ایسا ایسا ہوا کہ آپ کے رفقاء میں سے تین آدمی آئے تھے، انھوں نے ایسی ایسی باتیں کیں اور ان میں سے ہر ایک نے ایک عہد کیا ہے اور کہا ہے کہ میں ایسا کروں گا، میں ایسا کروں گا۔

کون دعویٰ کرسکتا ہے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقوے کا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا، خطبہ دیا- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محسوس کیا کہ اس نظریے کے اصلاح کی ضرورت ہے- بخاری شریف کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس خطبے میں ارشاد فرمایا: أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ کہ: اللہ کی قسم! میں تم سب لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ تقوی رکھنے والا اور اللہ تعالیٰ کی سب

سے زیادہ خشیت رکھنے والا آدمی ہوں۔ ظاہر ہے کہ تقویٰ کا جو مقام نبیٔ کریم ﷺ کو حاصل تھا، کون ہے جو اس مقام پر پہنچ سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی خشیت جو نبیٔ کریم ﷺ کے قلبِ مبارک میں تھی، کون اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

محبت جس نے کی تم سے، خدا کو پالیا اس نے

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ متقی تو میں ہوں، سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا میں ہی ہوں، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ: اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں یعنی مہینے کے کچھ دنوں میں روزے رکھتا ہوں اور کچھ دنوں میں کھاتا ہوں، رات کے کچھ حصے میں سوتا ہوں اور کچھ حصے میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہو اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

مطلب یہ کہ رات کو نہ سونا یہ اگر خشیت اور تقوے کا تقاضا ہوتا تو میں اس کو کرتا، اگر زیادہ تقویٰ والا ہونے کی علامت یہ ہوتی کہ رات بھر آدمی سوئے ہی نہیں، بس عبادت ہی کرتا رہے، کبھی افطار نہ کرے تو یہ کام میں کرتا لیکن میں تو یہ کر رہا ہوں، کبھی روزہ رکھتا ہوں، کبھی افطار کرتا ہوں، رات کے کچھ حصے میں سوتا ہوں اور کچھ حصے میں عبادت کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔

معلوم ہوا کہ تقویٰ اور خشیت کا تقاضا وہ نہیں جس کا تم نے فیصلہ کیا، تقویٰ اور خشیت کا تقاضا وہ ہے جو میں کر رہا ہوں، میرے طریقے پر چلو۔

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي: جو میرے طریقے سے ہٹے گا، اس کا مجھ سے

کوئی تعلق نہیں۔ گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کو اپنا طریقہ بتلایا[1]۔

زمانۂ نبوی کے نکاح

ہم لوگ نکاح کے دعوت نامے جاری کرتے ہیں، اس پر بڑے جلی حروف سے لکھا جاتا ہے: النکاح من سُنّتی لیکن یہ دعوت نامہ جاری کیا جارہا ہے، اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ یہ بھی کوئی سنت طریقہ ہے؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نکاح کیسے ہوتے تھے؟ کیا لوگوں کو جمع کیا جاتا تھا؟ دعوت نامے جاری کیے جاتے تھے؟ نکاح کے لیے کون سا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے نکاح کا حال ذرا کتابوں کے اندر پڑھیے، انھوں نے خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے نکاح میں دعوت نہیں دی تھی۔ کیا انھیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت اور عقیدت نہیں تھی؟ ان حضرات کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت نہیں بلکہ ایسا عشق تھا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، آپ کی ایک ایک ادا کے لیے اور آپ کے ایک ایک حکم اور ارشاد پر عمل کرنے کے لیے اپنے آپ کو، اپنے اہل وعیال کو، اپنے جذبات کو، اپنی ہر چیز کو قربان کر دیتے تھے۔

جذبات کی قربانی

بہت سی مرتبہ ہمارے لیے اپنے آپ کو قربان کرنا آسان ہوتا ہے لیکن جذبات کو قربان کرنا بڑا مشکل کام ہو جاتا ہے، آج کل جذبات کو شریعت پر قربان کرنا بڑا مسئلہ بنا

---

(۱) صحیح البخاری، عن أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ عنہ، باب التَّرْغِيبُ فِي النِّكَاحِ، ر:٥٠٦٣

ہوا ہے۔ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنے جذبات کو بھی قربان کر دیتے تھے، اس سلسلے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے واقعات مشہور ہیں۔ آج ہمیں بھی اپنے جذبات کو سنت اور شریعت پر قربان کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ہر حکم کے متعلق شرعی ہدایات کا جان لینا فرضِ عین ہے

آج ہم نے نکاح کے سلسلے میں جو پابندیاں قائم کر رکھی ہیں کہ یوں ہونا چاہیے اور یوں ہونا چاہیے، ایک عجیب وغریب تماشا ہے۔ نکاح کی تیاریاں، اللہ کی پناہ! ہمیں تیاریاں کیا کرنی تھیں اور کیا کر رہے ہیں! اسلام تو ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ آدمی جو کام کرے، پہلے اس کے متعلق مسائل معلوم کر لے۔

ایک بچہ جب بالغ ہونے کے قریب پہنچ جاتا ہے تو نماز روزے، پاکی، ناپاکی کے مسائل اس کے لیے معلوم کرنا ضروری اور فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ کسی کو اللہ مال دے اور زکوۃ فرض ہو گئی تو زکوۃ کے مسائل معلوم کرنا اس کے لیے فرضِ عین ہے۔ اگر استطاعت ہو، حج فرض ہو گیا تو حج کے مسائل معلوم کرنا اس کے لیے فرضِ عین ہے۔

نکاح سے پہلے اس کے متعلق شرعی ہدایات جاننا چاہیے

ایک آدمی نکاح کرنے جا رہا ہے تو اب بیوی نکاح میں آئے گی تو بیوی کے کیا حقوق ہیں، یہ جاننا اس کے لیے ضروری ہے اور عورت کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ شوہر کے کیا حقوق ہیں، اس کا علم حاصل کرے، یہ فرضِ عین ہے۔ تو نکاح کی تیاری میں

ضروری تو یہ تھا کہ نکاح کرنے والے لڑکا لڑکی پہلے ایک دوسرے کے، شوہر بیوی کے حقوق معلوم کر لیتے۔

عجیب تماشا ہے

لیکن اس کے برخلاف ہمارے یہاں نکاح کی تیاریوں میں بہت کچھ ہوتا ہے: کپڑے سلوائے جاتے ہیں، زیورات بنوائے جاتے ہیں، کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، دعوتوں کا انتظام ہوتا ہے، باورچی طے کیے جاتے ہیں، کھانے میں کیا آئٹمیں ہوں گی، وہ سب طے ہوتا ہے۔ کس کس کو دعوت دی جائے؟ کون سا ہال بُک کرایا جائے۔ ساری تیاریاں ہوتی ہیں۔

لیکن کبھی آپ نے سُنا کہ دُلہے کے باپ نے اپنے بیٹے سے کہا ہو کہ: بیٹا! تیرا نکاح ہونے والا ہے، ایک لڑکی تیرے نکاح میں آنے والی ہے، شریعت نے اس کے کچھ حقوق تیرے اوپر رکھے ہیں، ذرا معلوم کر لے یا لڑکی کے باپ نے لڑکی سے یوں کہا ہو کہ: بیٹی! تو ایک مرد کے نکاح میں بیوی بن کر جانے والی ہے، شوہر کے تیرے اوپر کچھ حقوق ہیں، وہ حقوق ذرا معلوم کر لو؛ تاکہ ادا کرنے کا اہتمام ہو۔ کبھی وہ تیاری ہوئی؟ ساری تیاریاں ہوتی ہیں اور جو کرنے کی ہے وہ نہیں، وہی غائب ہے۔ سر ہی غائب ہے یعنی پگھڑی باندھی جا رہی ہے لیکن سر ہی غائب ہے۔

عجیب باتیں ہو رہی ہیں، جس کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں۔ کسی بھی حدیث میں ان تیاریوں کا ذکر آیا ہو تو بتلائیے۔

دولہے کی زیب وزینت کسی حدیث سے ثابت نہیں

دلہن کو سجانے کا ذکر تو آیا ہے، دلہن کی زیب وزینت کی بات ہے کہ دلہن کو مزیّن کیا جائے لیکن لڑکے کے لیے نئے کپڑے پہننا کسی حدیث میں آیا ہو تو مجھے بتاؤ؛ تاکہ میں بھی لوگوں سے کہوں؛ کیوں کہ لوگ مجھ سے مسئلے پوچھتے ہیں۔ میرے اوپر آپ کا بڑا احسان ہوگا۔ آپ مجھے ایسی کوئی حدیث، کوئی آیت بتادیں، کہیں نہیں۔ لیکن یہ سارے اہتمام ہوتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں نکاح بہت سادگی کے ساتھ ہوا کرتے تھے اور آج کل تو معلوم نہیں ایسے ایسے طریقے اپنائے جاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ!۔

ویڈیو گرافی کی لعنت

پھر وہ رسم ورواج، غیر اسلامی رسم ورواج جس کا اسلام سے کوئی رشتہ اور تعلق نہیں اور بعض چیزیں تو وہ جو صریح گناہ کا کام ہیں، جیسے video cassettee اُتروانا، حالاں کہ حدیث میں ہے کہ جس گھر میں تصویر ہوتی ہے، رحمت اور برکت کے فرشتے اس گھر کے اندر نہیں آتے [۱]۔ دیکھیے! ایک طرف تو دعا کروائی جاتی ہے کہ مولوی صاحب! دعا کرو کہ برکت ہو اور دوسری طرف یہ سب ہوتا ہے۔

اسبابِ برکت اور اسبابِ لعنت میں کشتی

مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک بیان میں پڑھا کہ وہ کسی کے یہاں

---

[۱] صحيح البخاری، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رضي الله عنهم، باب التصاوير، ر:٥٩٤٩.

تشریف لے گئے، گھر میں تصویریں تھیں اور آیتوں کے تغرے بھی لگے ہوئے تھے۔تو صاحبِ خانہ سے پوچھتے ہیں کہ کیا کبھی آپ کو کُشتی لڑنے کے فن سے کوئی مناسبت ہوئی ہے، ایسے مزاج ہیں تمہارے؟ تو کہا کہ نہیں۔تو کہا کہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تم نے یہ آیتوں کے تغرے لگا رکھے ہیں جس کا مطلب یہ کہ کچھ برکت حاصل کروانا چاہتے ہو، دوسری طرف یہ تصویریں ہیں اور تصویریں جس گھر میں ہوں، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔عجیب معاملہ ہے: ایک طرف شادیوں کے اندر مولویوں کو، علماء کو دعوت دی جاتی ہے کہ آکے دعا کریں اور دوسری طرف video اُتارا جاتا ہے۔کہاں سے رحمت آئے گی! عجیب معاملہ ہے! یہ سب حالات اور یہ ساری چیزیں ہو رہی ہیں۔

اسلام میں ''آدھا تیتر، آدھا بٹیر'' والا معاملہ نہیں ہے

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱدْخُلُوا۟ فِى ٱلسِّلْمِ كَآفَّةً﴾: اے ایمان والو! اسلام کے اندر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔یہ نہیں کہ مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں، وہ تو اسلامی طریقے کے مطابق، زکوۃ ادا کر رہے ہیں تو وہ اسلامی طریقے کے مطابق، روزہ رکھ رہے ہیں تو اسلامی طریقے کے مطابق اور نکاح ہو رہا ہے غیروں کے طریقے کے مطابق۔نہیں بھائی! سارے کام اسلامی طریقے کے مطابق ہونے چاہییے۔بھائی! کوئی آدمی نماز پڑھنے کے لیے آوے بینڈ باجا لے کر، ویڈیو کیمرے والے کو دعوت دے کہ میں نماز پڑھنے کے لیے جا رہا ہوں، میرا فوٹو اتار لینا، جماعت کھڑی ہو تو فوٹو اتارنا، ایسا کبھی دیکھا، اس کو کوئی پسند کرتا ہے؟ اچھا سمجھا جاتا ہے؟ جب

وہ بُرا سمجھا جاتا ہے تو نکاح میں کیوں video اتاری جاتی ہے۔

ویڈیوگرافی کی خرابیاں

وہ video کیسیٹس دوسری جگہ بھیجی جاتی ہیں۔ نامحرم عورتیں، دوسرے لوگ اُس کا نظارہ کرتے ہیں۔ کتنے گناہ، اللہ کی پناہ۔ پھر کیسے برکت ہوگی! اور پھر یہ نحوست زندگی بھر رہتی ہے، ایک دن کا معاملہ نہیں۔

سب سے زیادہ مبغوض

اور رسم ورواج کی پابندیاں!۔ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: پورے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ، ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ﴾: شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو۔ ﴿إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٢٠٨﴾﴾ [البقرة]: وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، غیروں کے طریقے وہ غیر اسلامی طریقے ہیں۔

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللهِ ثَلاَثَةٌ: بخاری کی روایت ہے کہ اللہ کی نگاہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ مبغوض تین آدمی ہیں، ان میں سے ایک مُبْتَغٍ فِي الإِسْلاَمِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ ہے یعنی جو مسلمان ہوتے ہوئے غیر اسلامی طریقوں کو اختیار کرے۔

شادی میں انجام دیا جانے والا ایک عجیب رواج

آج قوم نے نکاح میں عجیب عجیب رسم ورواج جاری کرر کھے ہیں، ابھی گذشتہ مہینے ہی کی بات ہے، ایک مسلم قصبہ ہے، وہاں نکاح ہوا، نکاح میں شرکت کے لیے

بیرون سے لوگ آئے ہوئے تھے۔اس موقع پر دو ہزار ’’انڈے‘‘ مہیا کیے گئے تھے، نکاح کے بعد مرد اور عورتیں باقاعدہ ایک دوسرے پر پھینک کر کھیلنے لگے،اس طرح دو ہزار انڈے بھی ضائع کیے۔ یہ قصہ کوئی غلط نہیں ہے، یہ تو ابھی تازہ قصہ ہے، یہ بہت خطرناک چیزیں ہیں۔

نکاح کو بابرکت بنانے کا نبوی نسخہ

بھائی! جب ہم یہ چاہتے ہیں کہ برکت نازل ہو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً: سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو بلکہ بالکل خرچ نہ ہو تو بھائی! دیکھو یہ تو بہت اچھی بات ہوئی، ہمارے پیسے بھی بچ جائیں اور برکت بھی حاصل ہو جائے۔ یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

نکاح میں برکت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے سے ہی آسکتی ہے

برکت ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے، اب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے برکت کیسے آئے گی؟ تو اس کا طریقہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتلائیں گے، وہ برکت کا جو طریقہ بتلائیں گے کہ یوں کرو تو برکت ہوگی، اس طریقے کو ہم اختیار کریں گے تو برکت ہوگی لیکن ہم برکت حاصل کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کرتے ہیں، وہ سب ہمارے دل ودماغ کے گھڑے ہوئے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے برکت کے جو طریقے بتلائے، وہ اختیار نہیں کرتے۔

برکت کے ہمارے مزعومہ طریقے

ہم اور آپ یوں سمجھتے ہیں کہ کسی بڑے مولانا کو، مفتی صاحب کو، کسی حضرت کو بلوا لیں گے اور ان سے نکاح پڑھوالیں گے تو برکت ہو جائے گی یا خوب خرچہ کریں گے، سارے گاؤں والوں کو اور گاؤں کے اطراف والوں کو دعوت دیں گے، سب کھائیں گے تو برکت ہوگی اور اس طرح کے دوسرے طریقے اپنے ذہن سے تجویز کرتے ہیں اور اس طریقے کو عمل میں لا کر یوں سمجھتے ہیں کہ یہ عمل ہمارے لیے برکت کا ذریعہ ہوگا، جیسا کہ میں نے ابھی بتلادیا کہ برکت تو اسی طریقے سے آئے گی جو نبیٔ کریم ﷺ نے بتلادیا۔

حصولِ برکت کا نبوی طریقہ

اور نکاح میں برکت لانے کا طریقہ نبیٔ کریم ﷺ نے اس حدیث میں بتلادیا جو ابھی میں نے آپ کے سامنے پڑھی اور ظاہر ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ برکت کا جو طریقہ بتلائیں گے، وہ ایسا طریقہ ہوگا جس کو آپ ﷺ کا ہر امتی اپنا سکتا ہے۔

اگر آپ ایسا طریقہ بتلائیں کہ اتنے لاکھ خرچ کرو تو برکت ہوگی یا فلانے مولانا صاحب کو، فلانے مفتی صاحب کو، فلانے بزرگ کو، فلانے حضرت کو بلائیں گے تو برکت ہوگی۔ اب ان حضرت کو دعوت دیں گے تو ان کو لانے کے لیے گاڑی کا انتظام کرنا پڑے گا اور گاڑی کا کرایہ دینے کی طاقت ہر ایک میں تو ہوتی نہیں۔

سنت طریقہ ہر امتی کے بس میں

اور حضور ﷺ کے بیان کردہ طریقے تو ہر ایک لیے ہوتے ہیں: غریب کے لیے،

مال دار کے لیے، دیہاتی کے لیے، شہری کے لیے، اونچے طبقے کے لیے، نچلے طبقے کے لیے؛ اس لیے نبیٔ کریم ﷺ برکت کا جو طریقہ بتلائیں گے، وہ ایسا بتلائیں گے کہ جس پر آپ کا ہر امتی عمل کر سکے اور اس کو اپنا کر اپنے نکاح میں برکت لا سکے اور یہاں نبیٔ کریم ﷺ نے جو طریقہ بتلایا، اس طریقے کو ہر ایک اپنا سکتا ہے اور ہر ایک اس کو اپنا کر اپنے نکاح میں برکت لا سکتا ہے۔

وہ طریقہ کیا ہے؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً: سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔ یہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ سب سے کم خرچ جس نکاح میں ہو، اس میں سب سے زیادہ برکت ہوا کرتی ہے۔

نکاح کو بابرکت بنانے کا ایک اور نبوی نسخہ

ترمذی شریف کی روایت ہے: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ[۱] کہ نکاح کا اعلان کرو یعنی نکاح علی الاعلان لوگوں کے سامنے ہونا چاہیے اور مسجدوں میں ہو۔ آج یہ جو نکاح مسجد میں ہو رہا ہے، بڑا برکت والا نکاح ہے جس میں ہم سب حاضر ہیں۔

برکت کی جگہ نحوست

بہر حال نکاح کے سلسلے میں ہمارے سماج میں ویسے تو اللہ کا شکر ہے کہ اتنے رسم ورواج اور اتنی برائیاں نہیں ہیں جو اوروں میں ہے لیکن بہر حال جو تھوڑی بہت ہیں،

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، باب مَا جَاءَ فِي إِعْلاَنِ النِّكَاحِ، ر: ۱۰۸۹۔

ان کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

video والا طریقہ اور پھر اس میں عورتوں کی جو بے پردگی ہوتی ہے، نیز نکاح کے نتیجے میں جو دعوتیں ہوتی ہیں، ان دعوتوں میں پھر عورتیں بن سنور کر، ایسا زینت والا لباس پہن کر کے فیشن کے ساتھ باہر آتی ہیں کہ اللہ کی پناہ! اس طرح وہ نوجوان لڑکوں کے سامنے آتی ہیں اور بس کیا کہوں! ہمارے یہاں تو میں کہا کرتا ہوں کہ ملنے، ملانے کے سارے وعدے ان ہی دعوتوں کے موقع پر ہوا کرتے ہیں اور کسی کے یہاں شادی ہو، نوجوان لڑکے لڑکیاں ایسے موقع کے ہی انتظار میں رہتے ہیں کہ وہ آوے اور ہم اس سے فائدہ اُٹھائیں-نعوذباللہ -بجائے برکت کے نحوست کا ذریعہ بنتا ہے، اس سے اپنے آپ کو بچانے کی ضرورت ہے۔

شرم وحیا کا زیور اختیار کرنے کی ضرورت

قرآن میں تو عورتوں کے لیے یہ حکم ہے کہ اپنے گھروں میں رہو اور پہلے والی جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار کر کے نہ نکلو تو یہ بناؤ سنگار جو جاہلیت کا طریقہ ہے اس سے اپنے آپ کو بچانے کی اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرنے کی ضرورت ہے۔ شرم وحیا اسلام میں بہت پسندیدہ چیز ہے بلکہ ایمان کی شاخ ہے، اس کو اختیار کیا جائے اور جو بھی برائیاں ہیں، ان کو چھوڑ دیا جائے۔ بہر حال! یہاں کیا بُرائیاں ہیں میں نہیں جانتا، اپنے یہاں کے حساب سے دو چار باتیں عرض کرنی تھیں۔ چوں کہ یہ video والی مصیبت باہر سے ہمارے یہاں آئی، باہر والا ہمارے یہاں کوئی آتا ہے تو video

ضرور کراتا ہے، یہاں تو ہوں گی ہی اسی لیے میں نے خاص اس کا تذکرہ کیا تھا۔ اس سے اپنے آپ کو بچانے کا خاص اہتمام کیا جائے۔

دکھلاوے والی دعوت کی شرعًا اجازت نہیں ہے

لوگوں کو کھانے کی دعوت دینا شرعًا حرام نہیں ہے، شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے دعوت کر سکتے ہیں لیکن دعوت میں بھی نیت خالص نہیں ہوتی، اگر آپ دعوت اس لیے کر رہے ہیں کہ اگر دعوت نہیں کروں گا تو میرا سماج کیا کہے گا، لوگ کیا کہیں گے کہ ہمارے یہاں کھانے آیا اور خود نے نہیں کھلایا، اگر اس لیے دعوت کرتے ہیں تو ایسی دعوت کی شریعت اجازت نہیں دیتی اور ایسی دکھلاوے والی دعوت میں شریک ہونے کی بھی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ اگر اس لیے دعوت دیتا ہے کہ سب بہن بھائی شریک ہوں گے، باہم مل بیٹھیں گے تو محبت بڑھے گی، ان کا بھی دل خوش ہوگا اور میرا بھی دل خوش ہوگا تو ٹھیک ہے لیکن اگر اس لیے دعوت کرتا ہے کہ نہیں کھلاؤں گا تو لوگ کیا کہیں گے تو ایسی دعوت سے دور رہنا ضروری ہے۔

سب کی ماننے والے، رب کی نہ ماننے والے

آج کل تو لوگوں نے زندگی کی بنیاد ہی اس کو بنالیا ہے کہ میں یوں کروں گا تو لوگ کیا کہیں گے، میرا لباس ایسا ہوگا تو لوگ کیا کہیں گے، میرا مکان ایسا ہوگا تو لوگ کیا کہیں گے، گویا ہم نے اپنے آپ کو لوگوں کے خیالات کے تابع بنا دیا ہے، ہمارا تو گویا کوئی خیال اور نظریہ ہے ہی نہیں اور ہم جس دین کو مانتے ہیں اور جس شریعت کے احکام

پر چلتے ہیں، ان کا تو کوئی خیال ہی نہیں۔

آپ ساری زندگی ان کی باتیں مانتے رہو، تب بھی ان کی بات ماننا آپ کو نہ جہنم سے بچانے والا ہے اور نہ جنت میں لے جانے والا ہے بلکہ ان کی باتیں آپ کو جہنم تک پہنچا کر ہی رہیں گی۔

حدودِ شرع میں رہتے ہوئے خرچ کرنا جائز ہے

آپ کے پاس مال و دولت ہے، پیسہ ہے اور خرچ کرنا چاہتے ہیں تو الحمدللہ! خرچ کرو، اللہ تعالیٰ بھی اس کا حکم دیتے ہیں کہ اپنی ضرورت سے زائد جتنا ہو، اس کو خرچ کرو لیکن اچھی جگہوں پر، نیکی کے کاموں میں، اللہ کی مخلوق کو جہاں فائدہ پہنچے، وہاں خرچ کرنا ہے، یہ شریعت کہتی ہے، اپنی ضرورت کے اندر بھی ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو شریعت کی اصطلاح میں اسراف اور فضول خرچی کہتے ہیں۔

ضرورت سے زائد یا معصیت میں مال خرچ کرنا

ارے بھائی! آپ ایک کرتے کی جگہ دو کرتے پہنیں گے تو اس کو لوگ کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ اس کی کھسک گئی ہے، ایسا لگتا ہے، ایک کرتے سے ضرورت پوری ہو رہی ہے، پھر بھی دو-دو کرتے پہن رہے ہیں، یہ آپ کی کم عقلی کی دلیل ہے۔ اسی طرح جہاں بھی ضرورت سے زائد خرچ کریں گے، اس کو بے عقلی ہی کہا جائے گا۔ یہ تو وہاں ہے جہاں اپنی ضرورت ہو۔ اور شریعت نے جہاں منع کیا ہے، وہاں خرچ کرنا تو بہت بڑا گناہ ہے۔

چرچا تیرے اخلاق کا ہے روئے زمین پر

ایک واقعہ بیان کرکے اپنی بات کو ختم کردیتا ہوں: ایک مرتبہ ایک آدمی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں اپنی ضرورت لے کر حاضر ہوا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ کبھی بھی کسی کو انکار نہیں فرماتے تھے، اپنے پاس ہوتا تو دے دیتے اور کچھ نہ ہوتا تو فرماتے کہ کسی سے قرض لے کر اپنی ضرورت پوری کرلو، بعد میں میں ادا کردوں گا اور کبھی کبھار اپنے مال دار، خوش حال صحابہ میں سے کسی کے پاس بھیج دیتے۔ وہ ضرورت والا آدمی آیا، اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کچھ نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے کہا کہ: عثمان کے پاس چلے جاؤ۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے داماد بھی ہوتے تھے، یکے بعد دیگرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے نکاح میں اپنی دو صاحب زادیاں دی تھیں اور صحابہ میں مال دار بھی شمار ہوتے ہیں، چناں چہ ان کو ''عثمان غنی'' کہا جاتا تھا، ''غنی'' ان کے نام کا جزء نہیں تھا، لیکن ہمارے یہاں بولتے ہیں عثمان غنی۔ چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت مال دار تھے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس آدمی سے کہا کہ تم عثمان کے پاس چلے جاؤ۔

یہ آدمی میری ضرورت کیا پوری کرے گا!

چناں چہ وہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اب یہ اتفاق کی بات تھی کہ مغرب کے بعد کا وقت تھا، جب وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

کے گھر کے دروازے کے پاس پہنچا تو اس نے کچھ اونچی آواز سنی کہ زور زور سے کچھ بول رہے ہیں تو ٹھہر گیا اور سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ناراضگی کے ساتھ اپنے گھر والوں کو، اپنی بیوی کو کسی بات پر ٹوک رہے تھے، اس نے سنا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ تم نے چراغ کی بتّی اتنی اونچی کا ہے کو رکھی جس کی وجہ سے تیل زیادہ جلتا ہے؟۔

یہ جملہ اس کے کان میں پڑا تو وہ ایک دم وہیں ٹھٹھک کر رک گیا اور سوچنے لگا کہ جو آدمی چراغ کی بتی ذرا اونچی رکھنے پر اپنی بیوی کو اس قدر ناراضگی کے ساتھ ٹوکتا ہو اور بیوی بھی کون؟ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحب زادی! تو جو آدمی اتنی سی بات پر اپنی بیوی کو ٹوکے گا، وہ میری ضرورت کیا پوری کرے گا!، چناں چہ یہ کچھ کہے بغیر واپس آ گیا۔

اہلِ کرم کی عادت

دوسرے دن جب یہ شخص نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو بڑوں کی عادت ہوتی ہے کہ اگر وہ کسی ضرورت کے لیے کسی کو کسی کے پاس بھیجتے ہیں تو بعد میں اس کی تحقیق بھی کرتے ہیں کہ اس کی ضرورت پوری ہوئی یا نہیں۔

جیسے ہمارے پاس کوئی آدمی آئے اور ہم اسے دوسرے کے پاس بھیجیں تو بعد میں ملاقات ہونے پر ہم پوچھتے ہیں کہ نہیں کہ تو فلاں کے پاس گیا تھا تو کیا ہوا؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی اس سے پوچھا کہ تمھاری حاجت کا کیا ہوا؟ پوری ہوئی یا نہیں؟۔

اس نے جواب دیا کہ میں نے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا ہی نہیں، پوچھا کہ

کیوں نہیں کہا؟ تو انھوں نے وجہ بتلائی۔ نبیٔ کریم ﷺ نے دوبارہ تاکید کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔

سائل دوبارہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے در پر

چوں کہ نبیٔ کریم ﷺ کی تاکید تھی؛ اس لیے وہ گیا اور جا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کی، اپنی ضرورت پیش کی۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی حاجت اور امید سے بھی زیادہ عطا کیا۔ جب وہ دے چکے تو اس نے سارا قصہ بیان کیا کہ گذشتہ رات کو مجھے بھیجا گیا تھا، میں جب آپ کے گھر کے دروازے کے قریب پہنچا تو میں نے آپ کو اپنی بیوی پر اس طرح برستے سنا، میں نے سوچا کہ آپ میری ضرورت کیا پوری کریں گے؛ اس لیے میں تو واپس چلا گیا تھا۔ پھر جب آج صبح کے وقت دوبارہ نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے دوبارہ آپ کے پاس بھیجا۔

نبوت کے منشاء پر چلنے والے

اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ تم نے سمجھا ہی نہیں، ہم تو نبیٔ کریم ﷺ کی منشا پر چلنے والے ہیں، اپنے آپ کو نبیٔ کریم ﷺ کے حوالے کر چکے ہیں، جہاں آپ نے منع کیا، وہاں ایک پائی بھی خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں اور جہاں آپ نے خرچ کرنے کا حکم دیا، وہاں ہم لاکھوں نہیں بلکہ اپنا سارا مال بھی لٹا دیں گے۔

اپنے مال کو صحیح مصرف میں خرچ کرنے کی عادت بنایئے

یہ ہے مؤمن کا مزاج! ضرورت اس کی ہے کہ آج اگر اللہ نے ہمیں دولت اور

ثروت دی ہے تو دولت اور ثروت کو کہاں خرچ کرنا چاہیے، اس کا طریقہ اللہ اور اس کے رسول نے بتلایا دیا ہے۔ اگر ہم اس کو بے جا خرچ کر کے تھوڑی دیر کے لیے تفریح کر لیں گے تو آخرت میں اس کا کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اپنی ایک ایک پائی اس انداز سے خرچ کی جائے کہ اس کا حقیقی فائدہ خود کو اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو پہنچے، اللہ بھی راضی ہو اور اس سے ہماری دنیا بھی بنے اور آخرت بھی بنے۔

کہاں سے کمایا، کہاں خرچ کیا؟

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لَا تَزُولُ قَدَمَا ابْنِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ کہ: قیامت کے دن انسان کے قدم اللہ کے حضور سے ہٹ نہیں سکیں گے، یہاں تک کہ پانچ چیزوں کے متعلق اس سے پوچھا جائے گا، اس میں ایک سوال مال کے متعلق بھی ہوگا: وَمَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ : مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا[۱]۔

لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مال ہم نے کمایا، حلال طریقے سے کمایا، اب ہماری مرضی ہے، ہم جہاں چاہیں خرچ کریں۔ نہیں! یہ ہمارے پاس اللہ تبارک وتعالیٰ کی امانت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اسی جگہ خرچ کیا جائے۔

عمل کے جذبے سے عاری آج کا مسلمان

بہر حال! یہ جو رسم ورواج ہے، ان کے سلسلے میں بیانات بھی خوب ہوتے ہیں اور

---

(۱) سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، باب فِي الْقِيَامَةِ.

اس سلسلے میں چھوٹے چھوٹے کتابچے اردو اور گجراتی زبان میں ہیں، وہ بھی شائع کرائے جاتے ہیں اور لوگ پڑھتے بھی ہیں لیکن عمل سے دور رہتے ہیں، عمل کے جذبے سے نہیں پڑھتے۔

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مزاج یہ تھا کہ جب ان کو پتہ چل جاتا کہ اللہ اور اس کے رسول کا منشا یہ ہے تو اس کے لیے سب کچھ قربان کردینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں عمل کا جذبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جب واقعۂ اِفک پیش آیا اور اس میں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بھی ملوث ہوئے۔ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کے لڑکے تھے اور ان کا سارا خرچہ وہی اٹھاتے تھے۔ جب انھیں حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کی اس واقعے میں ساجھے داری کا علم ہوا تو محض اس وجہ سے کہ وہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجۂ مطہرہ کے ساتھ پیش آنے والے اس ناگوار واقعے میں شریک ہوئے، یہ قسم کھالی کہ میں آئندہ اس پر خرچ نہیں کروں گا۔

اس پر قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُوْلُواْ ٱلْفَضْلِ مِنكُمْ وَٱلسَّعَةِ أَن يُؤْتُوٓاْ أُوْلِي ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْمَسَٰكِينَ وَٱلْمُهَٰجِرِينَ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِۖ وَلْيَعْفُواْ وَلْيَصْفَحُوٓاْۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْۚ وَٱللَّهُ غَفُورٞ رَّحِيمٌ ۝٢٢﴾ [النور] کہ: جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے مال اور فضل دے رکھا ہے، وہ ایسے لوگوں پر جو رشتہ دار بھی ہیں، غریب بھی ہیں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرکے آئے ہوئے بھی ہیں، ان پر خرچ

کرنے کے معاملے میں قسم نہ کھائیں بلکہ درگذر اور معافی سے کام لیں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے گناہوں کو معاف کردے؟۔

روایتوں میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلایا اور یہ آیتِ کریمہ سنائی، اسی وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا خرچہ جاری کردیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کبھی بند نہیں کریں گے تو جیسے ہی پتہ چلا کہ اللہ اور رسول کا منشا یہ ہے تو فوراً اس پر عمل شروع کردیا[۱]۔

احکامِ شرع پر اپنے جذبات قربان کرنے کی ایک اَور مثال

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی ایک بہن تھیں جو ایک صحابی کے نکاح میں تھیں، ان صحابی نے ان کو طلاق دے دی، عدت پوری ہوگئی لیکن انھوں نے رجوع نہیں کیا۔ عدت گذر جانے کے بعد دوسری جگہ سے نکاح کا پیغام آیا اور اگلے شوہر نے بھی نکاح کا پیغام دیا۔ اب ان کی بہن کا رجحان بھی اُدھر ہی تھا۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ عجیب آدمی ہے، میں نے اپنی بہن ان کے نکاح میں دے کر ان پر احسان کیا اور انھوں نے طلاق دی، طلاق کے بعد بھی شریعت نے انھیں مہلت دی تھی، رجوع کر سکتے تھے اور نہیں کیا۔ اب جب عدت پوری ہوگئی اور دوسرے لوگ پیغامِ نکاح بھیج رہے ہیں، تب یہ بھی بھیج رہے ہیں۔ اب میں ان کے ساتھ نکاح نہیں کراؤں گا۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنهَا، باب تعديل النساء بعضهن بعضًا، ر:٢٦٦١.

لیکن قرآنِ پاک میں آیت نازل ہوئی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا اور مذکورہ آیت پڑھ کر سنائی تو فوراً اگلے شوہر کے ساتھ بہن کے نکاح پر رضامندی ظاہر کردی[۱]۔ حضراتِ صحابہ کا مزاج ہی ایسا تھا۔

حکمِ رسول پر عمل کرنے کا بے مثال جذبہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ابھی مسجد میں حاضر نہیں ہوئے تھے، باہر ہی تھے، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہو کر خطبہ شروع کیا ورفرمایا: اِجْلِسُوا: بیٹھ جاؤ! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد وہاں باہر سنا تو وہیں بیٹھ گئے[۲]۔

حالاں کہ ہم اور آپ ہوتے تو تاویل کرتے کہ بیٹھنے کا مطلب یہ نہیں کہ باہر بیٹھو، اندر آ کر بیٹھنے کا حکم دے رہے ہیں لیکن نہیں، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اِجْلِسُوا ان کے کان میں پڑا تو ان کے یہاں گنجائش ہی نہیں تھی کہ اس کی حکم عدولی کریں۔ وہ تو یہ سمجھ رہے ہیں کہ اگر اس کے بعد ہم آگے بڑھ رہے ہیں اور اسی حالت میں موت آ گئی تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔

یہ حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مزاج تھا اور جب تک یہ مزاج امت کے اندر نہیں آئے گا، اس وقت تک یہ امت کامیاب ہونے والی نہیں ہے۔

---

[۱] صحيح البخارى، عَنْ قَتَادَةَ، حَدَّثَنَا الْحَسَنُ أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ، باب {وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ} فِي الْعِدَّةِ وَكَيْفَ يُرَاجِعُ الْمَرْأَةَ إِذَا طَلَّقَهَا وَاحِدَةً، أَوْ ثِنْتَيْنِ.

[۲] سنن أبى داود، عَنْ جَابِرٍ رضي الله عنه، بَابُ الْإِمَامِ يُكَلِّمُ الرَّجُلَ فِي خُطْبَتِهِ، ر:۱۰۹۱.

رسم ورواج کو چھوڑنا ایمان کا تقاضا ہے

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو آدمی رسم ورواج کے خلاف عمل کرے تو یہی ایمان کا تقاضا ہے، جب تک وہ رسم ورواج کا پابند بنا رہے گا تو سمجھو کہ اس کے دل میں ایمان اترا نہیں ہے۔ جب تک کہ آپ رسم ورواج کو چھوڑ کر مکمل طور پر سنتوں کی پابندی نہ کریں، وہاں تک ایمان کامل نہیں ہوسکتا اور اس بارے میں لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ پر عمل کریں۔ لوگ رسم ورواج کی پابندی کیوں کرتے ہیں؟ آج بڑے سے بڑے آدمی سے پوچھیں کہ حضرت! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ مولوی صاحب! لوگ کیا کہیں گے! اس کا جواب ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دے دیا گیا ہے: لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَائِمٍ کہ: اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی ہرگز پرواہ مت کرو۔

پروہ نہ سمجھیں کہ میری نظروں کے قابل نہ رہا

لوگ بھاڑ میں جائیں۔ ساری دنیا کو کہاں تک راضی کرتے پھروگے، یہ تو کسی بھی حالت میں راضی ہونے والے نہیں ہیں۔ ایک خدا کو راضی کرنے کی فکر کرلی تو یہی اصل کامیابی ہے۔

لوگ سمجھیں مجھے محرومِ وقار و تمکین	پروہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

لوگ چاہیں جو بھی سمجھیں اور جو چاہیں کہتے رہیں، اللہ اور اس کے رسول ہم سے راضی ہیں تو ہم کامیاب ہیں اور ساری دنیا ہم سے راضی ہے لیکن اللہ تعالیٰ ہم سے

ناراض ہیں تو ہم ناکام ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق اور سعادت عطافرمائے۔(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسلام میں نکاح کی اہمیت

اور اس کا طریقہ

مؤرخہ:۶/ ۳/ ۲۰۱۵

اقتباس

اسلام نے ہمیں نکاح کا بہت ہی زیادہ سادہ طریقہ بتلایا ہے، جب تک ہماری زندگیوں میں سادگی رہے گی، سنت پر عمل رہے گا، وہاں تک برکتیں رہیں گی اور جہاں ہم دوسری قوموں کی دیکھادیکھی سادگی کو چھوڑ کر کے نمائش پر آجائیں گے، شو میں آجائیں گے تو یہی چیزیں ہمارے لیے مصیبت بن جائیں گی۔

نکاح جب تک سادہ تھا، وہاں تک اس میں برکت ہی برکت تھی، ہم نے رسم ورواج میں پڑ کر اس کو مہنگا بنادیا، آج اس کی وجہ سے اتنی زیادہ پریشانیاں بڑھ گئی ہیں، ضرورت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نکاح جتنا سادہ تھا، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس طریقے سے اپنے نکاح کو انجام دیتے تھے، ہم اس کو زندہ کریں، ہمارے سماج میں اس کو عام کریں؛ تاکہ حد سے زیادہ خرچ کی وجہ سے لڑکیوں کو گھروں میں بیٹھے رہنے کی جو نوبت آتی ہے، اس سے ہمارا معاشرہ نجات پائے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدلله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

أمابعد: فَأَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفۡسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً ۚ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيۡكُمۡ رَقِيبًا ﴿١﴾﴾ [النساء]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسۡلِمُونَ ﴿١٠٢﴾﴾ [آل عمران]

وقال تعالى: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوۡلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ يُصۡلِحۡ لَكُمۡ أَعۡمَـٰلَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوبَكُمۡ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيمًا ﴿٧١﴾﴾ [الأحزاب]

وقال النبي ﷺ: مَنِ اسْتَطَاعَ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ

لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ.

وقال النبي ﷺ: الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ.

وقال النبي ﷺ: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً.

وقال النبي ﷺ: وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

یہ خطبۂ نکاح ہے جو ابھی آپ کے سامنے پڑھا گیا جس میں قرآنِ پاک کی چار آیتیں اور نبیٔ کریم ﷺ کی چار حدیثیں آپ کو سنائی گئیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے

اسلام دینِ فطرت ہے اور اسلام نے انسان کے فطری تقاضوں اور دلی احساسات اور جذبات کی جتنی رعایت کی ہے، کسی اور مذہب میں اس کی اتنی رعایت نہیں کی گئی ہے۔

اسلامی شریعت میں کل مال خرچ کرنے کی ممانعت

اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے، فضائلِ صدقات آپ سنتے ہیں، پوری کتاب اسی موضوع پر ہے، مال کی کچھ مقدار کو فرض قرار دیا گیا جس کو ''زکاۃ'' کے نام سے ادا کیا جاتا ہے لیکن اس کی ایک شکل کو شریعت نے منع فرمایا، چناں چہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾[الإسراء۲۹]: یعنی مال خرچ کرنے میں اتنا آگے مت بڑھ جاؤ کہ سب خرچ کر کے خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ

جاؤ اور اب تم خود دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے بن جاؤ۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جو بڑے جلیل القدر صحابی ہیں اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، بیمار ہو گئے اور اتنے سخت بیمار ہوئے کہ بچنے کی امید نہیں رہی، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری بیماری کی جو کیفیت ہے، وہ آپ دیکھ رہے ہیں، مجھے بچنے کی امید نہیں ہے، میں مال والا آدمی ہوں اور میرے ورثہ میں صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنے سب مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے کی وصیت کر جاؤں؟۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ دو تہائی مال اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی وصیت کر جاؤں؟۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ آدھے مال کی وصیت کر جاؤں؟، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ ایک تہائی مال کی وصیت کروں؟۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں! ایک تہائی کو خرچ کرنے کی اجازت ہے، وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ: اور ایک تہائی بھی زیادہ ہے[۱]۔

وصیت کے سلسلے میں ایک فقہی مسئلہ

اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کرنے والے کو چاہیے کہ اگر اس کے ورثہ

---

۱ صحیح البخاری، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ أَنْ يَتْرُكَ وَرَثَتَهُ أَغْنِيَاءَ إلخ، ر: ۲۷۴۲.

حاجت مند ہیں تو اس صورت میں ایک تہائی سے کم کی وصیت کرے۔

خود ان ہی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: إِنَّكَ أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ فِي أَيْدِيهِمْ: تم اپنا مال اپنے ورثہ کے ہاتھ میں دے کر ان کو مال دار چھوڑ کر جاؤ، یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے ہوں اور اپنی ضرورتیں لوگوں سے مانگیں۔

صدقے کے سلسلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

آدمی یہ سوچتا ہے کہ ان کے لیے چھوڑ کر جاؤں گا تو اس میں مجھے کوئی اجر اور ثواب نہیں ملے گا، نہیں ایسا نہیں ہے، اسی لیے آگے فرمایا: وَإِنَّكَ مَهْمَا أَنْفَقْتَ مِنْ نَفَقَةٍ فَإِنَّهَا صَدَقَةٌ حَتَّى اللُّقْمَةُ الَّتِي تَرْفَعُهَا إِلَى فِي امْرَأَتِكَ: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم جو کچھ بھی خرچ کروگے، وہ تمھارے حق میں صدقے کا ثواب رکھتا ہے، یہاں تک کہ وہ لقمہ جو تم اٹھا کر کے اپنی بیوی کے منہ میں دوگے، اس پر بھی تم کو صدقے کا ثواب ملے گا۔ عام طور پر ہمارا ذہن ایسا ہے کہ ہم کما کر اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، ماں، باپ کو جو کھلا پلا رہے ہیں، شاید یہ تو ایک بے گاری ہے، اس پر ثواب نہیں ملتا ہوگا، ہم کہیں اور خرچ کریں گے تو ثواب ملے گا نہیں، بلکہ یہ جو اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا جاتا ہے، مسلم شریف کی روایت میں صراحت ہے[1] کہ دوسری

---

(۱) صحيح مسلم، بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ وَالْمَمْلُوكِ، وَإِثْمِ مَنْ ضَيَّعَهُمْ أَوْ حَبَسَ نَفَقَتَهُمْ عَنْهُمْ.

جگہوں پر خرچ کرنے کی بہ نسبت اس پر ثواب زیادہ ملتا ہے۔

اسلام انسانی فطرت کی مکمل طور پر رعایت کرتا ہے

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت مرغوب اور پسند ہے، اس کے باوجود وہ شکل کہ جس میں آدمی اپنا سارا مال لُٹا دے، اس کی اجازت شریعت نے نہیں دی، صرف اس لیے کہ وہ انسان کے جذبات کی اور اس کے قلبی احساسات اور رجحانات کی پوری رعایت کرتا ہے؛ کیوں کہ یہ دینِ فطرت ہے۔

ہر جان دار میں اپنے جنس مخالف کی طرف طبعی میلان

جب یہ دینِ فطرت ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر نر اور ہر مذکر اور ہر مرد کے دل میں عورت کی طرف اور ہر عورت کے دل میں مرد کی طرف ایک رجحان اور میلان رکھا ہے، یہ ایک فطری خواہش ہے جو ہر طبیعت کے اندر رکھی ہے اور یہ کوئی انسانوں کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ انسانوں کے علاوہ جتنے بھی جاندار اس کائنات کے اندر موجود ہیں، سبھی کے اندر یہ جذبہ، یہ خواہشِ نفس اللہ تبارک وتعالیٰ نے پیدا کی ہے، اس میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں۔

ہر جان دار میں جنسِ مخالف کی کشش رکھنے کی حکمت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب اس کائنات کو پیدا فرمایا تو اس کائنات کے لیے ایک وقت مقرر فرمایا، اس کی ایک عمر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مقرر کر دی ہے کہ اتنے زمانے تک اس کائنات کو باقی رکھنا ہے اور یہ اسی وقت باقی رہے گی جب توالد اور تناسل کا

سلسلہ، بچوں کے پیدا ہونے کا سلسلہ جاری رہے، انسانوں میں بھی اور دوسرے جان داروں میں بھی، اور یہ اسی وقت ہوسکتا تھا کہ ہر جان دار کے اندر یہ فطری جذبہ ودیعت کردیا جاتا۔ اسی جذبے کی وجہ سے آدمی نکاح کے لیے آمادہ ہوتا ہے، ورنہ نکاح کے نتیجے میں آدمی کے اوپر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، وہ ایسی بڑی بڑی ذمہ داریاں ہیں کہ اگر یہ شہوت نہ ہوتی تو آدمی اس کے لیے جرأت نہ کرتا، گویا مجبور ہے۔

عورتوں والا جذبہ سب سے زیادہ طاقتور ہے

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے اندر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر جتنے جذبات رکھے ہیں، ان میں یہ عورتوں والا جذبہ، میلان الی النساء والا جذبہ اتنا قوی اور طاقتور ہے کہ آدمی اس کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ مول لینے کے لیے تیار رہتا ہے، یہ ایک قدرتی جذبہ ہے۔ اس قدرتی جذبے کی تسکین اور تکمیل کے لیے بھی جب اسلام دینِ فطرت ہے تو اس نے ضرور احکام دیے ہیں اور ان ہی احکامات میں سے یہ نکاح ہے۔

شریعت میں نکاح کا حکم اور ترغیب

اسلام نے اس نکاح کی ترغیب دی: ﴿فَٱنكِحُواْ مَا طَابَ لَكُم مِّنَ ٱلنِّسَآءِ مَثۡنَىٰ وَثُلَٰثَ وَرُبَٰعَ﴾[النساء۳] تو دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمھیں پسند آئیں دو دو سے تین تین سے چار چار سے، اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ! مَنِ اسْتَطَاعَ

مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ: اے نوجوانوں کے گروہ! تم میں سے جو نکاح کے مصارف کو، اس کی ذمہ داریوں کو برداشت کرسکتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے مال و دولت بھی دے رکھا ہے، بیوی کے حقوق کو ادا کرسکتا ہے، مہر ادا کرسکتا ہے، نفقہ ادا کرسکتا ہے اور ازدواجی زندگی کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح انجام دے سکتا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ نکاح کرے۔

فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ: اس کی وجہ سے آدمی کی نگاہیں نیچی ہوتی ہیں اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔

نفسانی خواہش کا علاج اور وِجاء کا معنی

وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ: اور اگر کسی کے پاس اتنی وسعت نہیں ہے کہ وہ نکاح کے نتیجے میں اس کے اوپر آنے والی ذمہ داریوں: نفقہ، مہر وغیرہ کو ادا کرسکے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنی اس فطری خواہش کو کنٹرول کرنے کے لیے روزے رکھے، یہ روزہ اس کی خواہش کو کنٹرول کرنے کا کام کرے گا، ''وِجاء'' خصی ہونے کو کہتے ہیں۔

اصحابِ صُفّہ کی طرف سے خصی ہونے کی اجتماعی درخواست

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے پاس جب نکاح کے وسائل نہیں تھے تو انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے خصی ہونے کی اجازت چاہی کہ اس طبعی خواہش ہی کو ختم کردیا جائے؛ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اصحابِ صُفّہ نے اجتماعی طور پر اس کی اجازت مانگی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی ایک نعمت ہے، اس کو اس طرح خصی ہو کر کے ضائع کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا، اگر آپ کے اندر مالی استطاعت نہیں ہے تو آپ روزہ رکھ کر اپنے جذبات پر قابو اور کنٹرول کر سکتے ہو۔

گویا حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ خواہش کو کنٹرول کرنے میں روزے وہی کام دیتے ہیں جو خصی ہونے کے نتیجے میں فائدہ حاصل ہوتا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: خِصَاءُ أُمَّتِي الصِّيَامُ[1]، روزے سے خصی ہونے کے فوائد حاصل ہو جائیں گے؛ اس لیے اسلام نے اس چیز کو بالکلیہ ختم کرنے کی اجازت نہیں دی۔

دیگر مذاہب میں اس فطری جذبے کو بالکلیہ ختم کرنا عبادت ہے

جب کہ دوسرے مذاہب میں لوگ اس فطری جذبے اور فطری خواہش کے کچلنے کو اللہ کے قرب اور نزدیکی حاصل ہونے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چناں چہ غیروں میں ”برہم چریہ“ ایک مستقل طریق کار ہے جس میں یہ لوگ اس خواہش کو ختم کر کے یوں سمجھتے ہیں کہ ایسا کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے بنتے ہیں۔ اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی، اللہ کی دی ہوئی اس نعمت کو اس طرح کچل کے اللہ کا قرب حاصل نہیں کیا جا سکتا، اس کو معتدل طریقے سے شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق اس

---

① مشکوۃ المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، الفصل الثانی، عن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ.

کے تقاضوں کو پورا کر کے تم اللہ کا قرب اور نزدیکی حاصل کر سکتے ہو۔

تین صحابہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں

چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ میں سے تین صحابی ان کے پاس آئے اور انھوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معمولات کے متعلق دریافت کیا کہ راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عبادتوں کی حالت کیا ہے؟ دن میں روزوں کی کیفیت کیا ہے؟ اور دوسرے معمولات پوچھے تو ان کو بتلایا گیا کہ آپ رات کے کچھ حصے میں آرام بھی فرماتے ہیں اور کچھ حصے میں اللہ کی عبادت بھی کرتے ہیں۔ اسی طرح بتلایا گیا کہ مہینے کے کچھ دنوں میں آپ روزہ بھی رکھتے ہیں اور کچھ دنوں افطار بھی کرتے ہیں۔ آپ عورتوں سے نکاح بھی کرتے ہیں۔

وہ لوگ تو یہ سوچ کر کے آئے تھے کہ ہم کو یہ سننے کو ملے گا کہ آپ رات میں ایک سیکنڈ بھی آرام نہیں کرتے اور ہمیشہ روزے رکھتے ہیں تو انھوں نے جو توقع قائم کی تھی، جو سوچا تھا، اس کے برخلاف جواب ملا۔

محبوب کے بارے میں انسانی مزاج

ہر آدمی کا مزاج اور فطرت یہ ہے کہ جس آدمی کے ساتھ عقیدت اور محبت کا تعلق ہوتا ہے تو اس کے متعلق اس نے جو اونچا خیال قائم کیا، اگر اس کے اندر کچھ کمی آتی ہے تو وہ خود ہی اس کی تاویل بھی کر لیتا ہے، اس کے متعلق اپنے اونچے خیالات چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا، تاویل کر لیتا ہے۔

ان حضراتِ صحابہ کا باہم عہد و پیمان

اس لیے انھوں نے آپس میں کہا کہ نبیٔ کریم ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں، اگر آپ ان چیزوں کا اہتمام نہ کریں تو آپ کے لیے کوئی حرج کی بات نہیں، البتہ ہم ہلاکت کی کگار پر کھڑے ہیں؛ اس لیے ضرورت یہ ہے کہ ہم زیادہ مجاہدہ اور محنت و مشقت سے کام لیں۔ چناں چہ اسی جگہ پر کھڑے ہو کر ان میں سے ایک نے اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ پوری رات عبادت کروں گا، رات کے کسی حصے میں سوؤں گا نہیں، دوسرے نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ میں کبھی افطار نہیں کروں گا، ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا کہ میں کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اس طرح وہ عہد و پیمان کر کے وہاں سے رخصت ہوئے۔

حضور ﷺ کی عام مجمع میں تنبیہ

ان کے جانے کے بعد نبیٔ کریم ﷺ تشریف لائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب پورا واقعہ آپ کو سنایا تو حضورِ اکرم ﷺ نے ضروری سمجھا کہ ان کی اس ذہنیت اور ان کی اس سوچ کی اصلاح کی جائے۔

چناں چہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع کر کے نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي، بخاری شریف میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ کی خشیت، خوف اور تقویٰ رکھنے والا

ہوں، اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں یعنی مہینے کے کچھ دنوں میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور کچھ دنوں میں افطار بھی کرتا ہوں اور میں رات کے کچھ حصے میں آرام بھی کرتا ہوں اور کچھ حصے میں اللہ کی عبادت بھی کرتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، گویا یہ میرا طریقہ ہے، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي: جو میرے اس طریقے سے روگردانی کرے گا، اس کو چھوڑے گا، اس سے منہ موڑے گا، اس سے میرا کوئی تعلق نہیں[۱]۔

گویا ان طبعی تقاضوں کی رعایت کو نبی کریم ﷺ نے اپنا طریقہ بتلایا جس میں نکاح کو بھی شامل کیا تو گویا شریعتِ مطہرہ نے نکاح کی صرف اجازت نہیں بلکہ ترغیب دی، حکم دیا۔

نکاح کے واجب ہونے کی صورت

بلکہ آدمی کی زندگی کی بعض صورتیں وہ ہیں، اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس صورت میں فقہاء نکاح کو واجب قرار دیتے ہیں۔ ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ نے مال و متاع دے رکھا ہے، وہ بیوی کا مہر ادا کرسکتا ہے، نفقہ دے سکتا ہے، اس کے حقوق ادا کرسکتا ہے اور اپنی اس خواہشِ نفس کے نتیجے میں اندیشہ یہ ہے کہ زنا میں مبتلا ہوجائے گا تو اس صورت میں اس آدمی پر نکاح واجب ہوجاتا ہے۔

ہمارے یہاں مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس میں ایک کتاب ''کنز

---

۱ صحيح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ، ر:٥٠٦٣

الدقائق“ ہے، اس میں ایک مسئلہ لکھا ہے: وَعِنْدَ التَّوَقَانِ وَاجِبٌ[1]، وہاں علماء نے پڑھا ہوگا کہ ان صورتوں میں نکاح واجب ہے، اگر نہیں کرے گا تو آدمی گنہگار ہوگا۔

اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو مالی استطاعت دی ہے جس سے وہ بیوی کے حقوق ادا کرسکتا ہے، دوسری طرف فطری خواہش اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ اس کو اندیشہ ہے، بلکہ یقین، غالب گمان ہے کہ زنا میں مبتلا ہوجائے گا تو اب شریعت کہتی ہے کہ اب تمھارے لیے نکاح کرنا واجب ہے، ورنہ گنہگار ہوگے۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ نکاح کی صرف اجازت یا ترغیب ہی نہیں بلکہ اس کی تاکید بھی کی ہے۔

نکاح کے لیے عورت کا انتخاب کرنے میں شرعی ہدایت

پھر نکاح کے لیے کون سی عورت مناسب اور بہتر ہے، وہ بھی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلا دیا: إِنَّ الدُّنْيَا كُلَّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ کہ دنیا ایک فائدہ اٹھانے کی چیز ہے، ”متاع“ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور دنیا کی چیزوں میں سے فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کی سب سے بہترین چیز صالح اور نیک عورت ہے۔

دین دار عورت کو نکاح کے لیے منتخب کرو

بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

(۱) كنز الدقائق، كِتَابُ النِّكَاحِ، ص۲۵۱.

کوخطاب کر کے فرمایا تھا: تُنْکَحُ الْمَرْأَةُ لأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا کہ: عام طور پر دنیا کے اندر چار چیزوں کی وجہ سے عورت کے ساتھ نکاح کیا جاتا ہے، اس کی پسندیدگی کی جاتی ہے: (۱) لِمَالِهَا: بعض لوگ تو ایسی عورت کے ساتھ نکاح کرنا پسند کرتے ہیں جو مال والی ہو؛ تاکہ اس کے مال سے فائدہ اٹھایا جاسکے (۲) وَلِحَسَبِهَا: بعض لوگ ایسی عورت کو پسند کرتے ہیں جو اونچے گھرانے کی ہو؛ تاکہ اس کے ساتھ نکاح کر کے اس کو بھی عزت ملے، سماج میں اس کا بھی مقام و مرتبہ بلند ہو جائے (۳) وَلِجَمَالِهَا: بعض لوگ عورت کی خوب صورتی کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کرتے ہیں (۴) وَلِدِينِهَا: بعض لوگ عورت سے اس کی دین داری کی وجہ سے نکاح کرتے ہیں پھر نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ: تم دین داری کو ترجیح دے کر کامیابی حاصل کرو[۱]۔

نورٌ علَى نورٍ عَلَى نور

گویا یہ چار اسباب تھے: (۱) مال (۲) حسب ونسب (۳) جمال (۴) دین داری، نبیٔ کریم ﷺ دین داری کو ترجیح دینے کا حکم دے رہے ہیں۔

اگر کوئی عورت ایسی ہے جو دین دار ہونے کے ساتھ حسین وجمیل بھی ہے، حسنِ سیرت کے ساتھ حسنِ صورت بھی اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے، اونچے گھرانے کی بھی ہے اور مال دار بھی ہے تو نورٌ علَى نورٍ عَلَى نور، بہت اچھا ہے، دونوں ہاتھ میں لڈّو،

[۱] صحيح البخارى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب الأكفاء في الدين، ر: ۵۰۹۰

اس کی ممانعت نہیں ہے۔

بوقتِ مقابلہ دین داری کو ترجیح دیجیے

لیکن اگر مقابلے کی نوبت آجائے: ایک طرف عورت ایسی ہے جو دین دار ہے لیکن حسن و جمال میں اتنی آگے بڑھی ہوئی نہیں ہے، بس قبول صورت ہے اور ایک دوسری عورت بڑی حسین وجمیل ہے لیکن دین دار نہیں ہے تو اب اسلام ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ جب ان دونوں میں مقابلہ آپڑا تو آپ دوسری (حسین وجمیل) کو ترجیح مت دینا کیوں کہ یہ خوب صورتی تو چند دنوں کی چیز ہے، جب تک کہ جوانی ہے، اس وقت تک چہرے کی خوب صورتی نظر آئے گی، جہاں بڑھاپے کے آثار شروع ہو جائیں گے تو بڑے سے بڑے حسین وجمیل کا حسن و جمال بھی کچھومر ہو جاتا ہے۔ بقول حضرت حکیم اختر صاحب نور اللہ مرقدہ کے: بڑھاپے میں، ۷۰، ۸۰ رسال کی عمر میں جغرافیے بھی بدل جاتے ہیں، چہرے کے حدودِ اربعہ بدل جاتے ہیں۔

حسنِ صورت چند روزہ حسنِ سیرت مستقل

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ یہ حسن و جمال وقتی چیز ہے، جب کہ دین داری ایک ایسی چیز ہے جو ہمیشہ باقی رہے گی۔

دوسرا یہ ہے کہ اکیلا حسن و جمال ہی تو نہیں کہ تنہا اسی سے آدمی کو اپنی اس ازدواجی اور گھریلو زندگی میں واسطہ پڑتا ہو بلکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے کام ہیں جس میں آپ کو اس عورت سے فائدہ اٹھانا ہے، اگر وہ دین دار ہوگی تو زندگی کے ہر مرحلے میں

آپ کا ساتھ دے گی: خدمت کرے گی، شوہر کے حقوق پہچانے گی۔

وہ حسین وجمیل جو دین دار نہ ہو، وہ خدمت تو ایک طرف، پتہ نہیں، وہ دوسرے کے ساتھ عشق ومحبت کی پینگیں لڑائے اور ہوسکتا ہے کہ کسی کے ساتھ بھاگ بھی جائے اور بعد میں شوہر کے لیے رسوائی کا سبب ہو۔

عورت کی خوبیاں

بہرحال! کہنے کا حاصل یہ ہے کہ شریعتِ مطہرہ نے وہ اسباب بھی بتلا دیے جس کی بنیاد پر عورت کو ترجیح دی جائے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایسی عورت کہ شوہر جب اس کو دیکھے تو اس کو خوشی ہو، جب اس کو کوئی حکم کرے تو وہ اس حکم کو بجالاوے، اپنی ذات اور شوہر کے معاملے میں کوئی ایسا کام جو شوہر کی مرضی کے خلاف ہو، انجام نہ دے، ایسی عورت کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند کرنے کا حکم دیا①۔ کن چیزوں کی بنیاد پر عورت کو اپنے نکاح میں لانا ہے، وہ بھی بتلا دیا، کسی بھی مذہب میں نکاح سے متعلق اتنی ساری تفصیلات آپ کو نہیں ملیں گی۔

ان عورتوں کی تفصیل جن کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے

شریعت نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کون کون سی عورت کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں، بعض عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا: ماں کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، نانی کے ساتھ نہیں ہوسکتا، دادی کے ساتھ نہیں ہوسکتا، بہن کے ساتھ نہیں ہوسکتا،

① سنن أبي داود، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْمَالِ، ر: ١٦٦٤.

بیٹی کے ساتھ نہیں ہوسکتا، بھانجی کے ساتھ نہیں ہوسکتا، بھتیجی کے ساتھ نہیں ہوسکتا، قرآن میں باقاعدہ ان عورتوں کی فہرست دی گئی ہے کہ کن کن عورتوں کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾ الآية: ان کے علاوہ آپ کسی بھی مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کر سکتے ہیں۔

سب سے برکت والا نکاح

اس کے علاوہ نکاح کا طریقہ بھی بتلایا کہ: أَعْظَمُ النِّكَاحِ بَرَكَةً أَيْسَرُه مَئُونَةً: جس نکاح میں سب سے کم خرچہ ہو، وہ سب سے زیادہ برکت والا نکاح ہے اور آج اس سلسلے میں ہمارا مزاج کیا بنا ہوا ہے، وہ سبھی جانتے ہیں، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کو اپنے نکاح کی اطلاع نہیں کرتے تھے، حضرت جابر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کا واقعہ اس سلسلے میں مشہور ہے اور ہم ہیں کہ یاد کر کر کے ایک ایک رشتہ دار کو بلانا ضروری سمجھتے ہیں کہ کوئی باقی نہ رہ جائے۔

نکاح میں اعلان کا حکم

ہاں! شریعت یہ ضرور چاہتی ہے کہ کچھ لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہو؛ تاکہ ان دونوں کے جو تعلقات ہیں، ان پر کسی کو شک وشبہ کرنے کی نوبت نہ آوے، جو اولاد ہو، ان اولاد کا نسب اس مرد سے ثابت ہو، ان ہی ضرورتوں کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اعلان کا حکم فرمایا، ترمذی شریف کی روایت ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں: أَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ کہ: اس نکاح کا اعلان کرو اور اس کو مسجدوں کے اندر انجام دو[۱]۔

اسی وجہ سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعلانِ نکاح کو کافی سمجھتے ہیں، شہادت کو بھی ضروری نہیں سمجھتے، دیگر ائمہ کے نزدیک شہادت ضروری ہے۔

شریعت میں نکاح کی حقیقت

یہ نکاح کیا ہے؟ شریعت میں نکاح ایک معاملہ ہے، ایک ایگریمینٹ (agreement) ہے، جیسے دو فریق کوئی ایگریمنٹ کرتے ہیں، کوئی معاملہ کرتے ہیں، بس یہ بھی ایک ایگریمینٹ ہے۔ اس میں ایجاب وقبول ہوتا ہے، پہلا جو بولنے والا بولتا ہے، اس کی بات کو ایجاب کہتے ہیں، مثلاً ہمارے یہاں معمول یہ ہے کہ لڑکی کے ولی کی طرف سے نکاح پڑھانے والا لڑکی کے ولی کو پوچھتا ہے کہ آپ نے اپنی لڑکی کو فلاں کے نکاح میں دیا؟ اس کو ایجاب کہتے ہیں۔

یہ ایجاب عربی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے کسی چیز کو واجب کرنا، گویا یہ ایک ایسا جملہ ہے جو سامنے والے کو جواب دینے پر مجبور کرتا ہے، اس کو ہاں یا ناں میں جواب دینا پڑے گا۔

جیسے میں آپ سے کہوں کہ میں نے یہ قلم آپ کو دس روپے میں بیچا تو آپ کو ہاں یا

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، باب مَا جَاءَ فِي إِعْلاَنِ النِّكَاحِ، ر: ۱۰۸۹

ناں میں جواب تو دینا پڑے گا کہ میں نہیں خریدنا چاہتا یا خریدتا ہوں، گویا یہ پہلا کلام جو سامنے والے کو جواب دینے پر مجبور کرتا ہے؛ اس لیے اس کو ''ایجاب'' کہتے ہیں اور جواب میں جب وہ یہ کہے گا کہ ہاں! میں نے خرید لیا تو وہ ''قبول'' کہلائے گا۔

اسی کا نام نکاح ہے

شریعت میں بس اسی کا نام نکاح ہے، یہ خطبہ جو پڑھا جاتا ہے، وہ بھی سنت ہے، فرض نہیں ہے، اس خطبے کے بغیر بھی اگر لڑکی لڑکے سے یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمھارے نکاح میں دیا اور لڑکا یوں کہے کہ میں نے قبول کیا اور وہاں دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہوں- شاہد اور گواہ کا ہونا ضروری ہے- تو نکاح ہو گیا، یہاں تک کہ اگر مہر کا ذکر نہیں کیا تو بھی نکاح ہو گیا، البتہ مہر دینا پڑے گا، مہرِ مثل دینا پڑے گا یعنی اس عورت کے خاندان کی دوسری عورتوں کا جو مہر ہو، اتنا دینا پڑے گا، اہل علم جانتے ہیں۔

احکامِ سے جہالت اور اس کے برے نتائج

میں تو صرف یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ شریعتِ اسلامیہ میں نکاح کی حقیقت کیا ہے لیکن آج احکامِ اسلام سے اتنی غفلت ہوگئی ہے کہ شریعت کی جو اصل بنیادی چیزیں ہیں، ان سے بھی ہم واقف نہیں ہیں۔

جیسے کسی کی میت ہو جائے تو جنازے کی نماز ہے، یہ جنازے کی نماز کیا ہے؟ تو اس میں چار تکبیریں فرض ہیں، ان تکبیروں کے بعد دعائیں پڑھی جاتی ہیں کہ پہلی تکبیر

کے بعد ثنا پڑھیں گے، دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھیں گے، تیسری تکبیر کے بعد دعا اور چوتھی کے بعد سلام پھیریں گے۔ اگران دعاؤں اوراذکار کے بغیر خالی چار تکبیریں کہہ لیں تو بھی جنازے کی نماز ہو جائے گی۔

اب دیہاتوں کے اندر بے چارے بہت سے مسلمان جانتے ہی نہیں ہیں کہ جنازے کی حقیقت کیا ہے!؛ اس لیے بہت سی مرتبہ بے چارہ مسلمان میت بغیر جنازے کی نماز کے دفن کر دیا جاتا ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اسلام کے ان احکام کی حقیقت سے واقفیت حاصل کی جائے۔

جیسے ظہر کی نماز ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ظہر کی ۱۲/رکتیں ہیں: چار سنت، چار فرض، دوسنت اور دو نفل۔ اب اگر کوئی آدمی سفر میں جا رہا ہے اور وقت تنگ ہے اور سفر میں ویسے بھی قصر کی وجہ سے چار کے بجائے دو رکعت پڑھنی ہیں، پانچ منٹ اس کے پاس باقی ہیں، اب اس کو مسئلہ معلوم نہیں ہے تو کہتا ہے کہ میں پانچ منٹ میں ۱۲/رکعتیں تو نہیں پڑھ سکتا تو وہ پوری نماز ہی چھوڑ دے گا۔

لیکن اگر اس کو معلوم ہو کہ ۱۲/رکعتوں کی حیثیت کیا ہے تو وہ سمجھ جائے گا کہ اصل فرض تو چار ہے، یہ تو آگے پیچھے ایسا ہے جیسے پاپڑ اور اچار اور چٹنی اور سلاد وغیرہ رکھتے ہیں، اصل تو روٹی ہے، سالن بھی اصل نہیں، سالن تو روٹی کو حلق سے نیچے اتارنے کے لیے رکھا گیا ہے اور باقی سب جو ہے، وہ تو لقموں کو دھکا دینے کے لیے رکھا گیا ہے، اب ایسا تو نہیں ہے کہ خالی روٹی ہے؛ اس لیے نہیں کھاؤں گا، بھوکا رہے گا کیا؟ ارے! سوکھی روٹی ہوگی تو بھی حلق سے نیچے اتارے گا۔

اس لیے ان مسائل کو جاننا ہمارے لیے ضروری ہے اور اہلِ علم کو بھی چاہیے کہ وہ ایسی مجلسوں کے اندر ان مسائل کی حقیقت کو اجاگر کریں۔

آسان نکاح

الغرض! نکاح میں تو بس اتنا ضروری ہے کہ مرد اور عورت میں سے ایک کہے کہ میں نے تجھ سے نکاح کیا اور دوسرا کہے کہ میں نے قبول کیا اور اس کو سننے والے دو مسلمان مرد یا ایک مسلمان مرد اور دو عورتیں ہوں تو نکاح ہو گیا، چاہے مہر کا تذکرہ نہ کیا ہو، یہ اور بات ہے کہ مہر تو دینا ہی پڑے گا، مفتیوں سے پوچھیں گے تو وہ آپ کو بتا دیں گے کہ کتنا دینا ہے۔

نکاح شریعت نے اتنا آسان رکھا ہے اور ہم نے اس کو اتنا مشکل بنا دیا ہے، مہینوں پہلے سے تیاریاں شروع کرتے ہیں اور حد سے زیادہ فضول خرچی ہوتی ہے۔

خود بھی نکاح کی حقیقت کو سمجھئے اور غیروں کو بھی واقف کرائیے

آج تو علم کا دور ہے، آج تو غیر بھی پڑھے لکھے ہیں اور ہمارے لوگ بھی پڑھے لکھے ہیں لیکن علمِ دین سے ناواقف ہیں، غیروں کو بھی بتلاؤ کہ ہمارے یہاں نکاح کی حقیقت کیا ہے، کتنا سادہ طریقۂ نکاح نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا ہے اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیا ہے اور اسلام کی تعلیمات کیا ہیں اور معاشرے میں اس سلسلے میں جو رسم و رواج ہیں، اس کی اسلام میں کیا حقیقت ہے؟۔

بہرحال! اسلام نے ہمیں نکاح کا بہت ہی زیادہ سادہ طریقہ بتلایا ہے، جب تک

کہ ہماری زندگیوں میں سادگی رہے گی، سنت پر عمل رہے گا، وہاں تک برکتیں رہیں گی اور جہاں ہم دوسری قوموں کو دیکھا دیکھی سادگی کو چھوڑ کر کے نمائش پر آجائیں گے، شو میں آجائیں گے تو یہی چیزیں ہمارے لیے مصیبت بن جائیں گی۔

نکاح جب تک سادہ تھا، وہاں تک اس میں برکت ہی برکت تھی، ہم نے رسم ورواج میں پڑ کر اس کو مہنگا بنادیا، آج اس کی وجہ سے اتنی زیادہ پریشانیاں بڑھ گئی ہیں، ضرورت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں نکاح جتنا سادہ تھا، حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس طریقے سے اپنے نکاح کو انجام دیتے تھے، ہم اس کو زندہ کریں، ہمارے سماج میں اس کو عام کریں؛ تاکہ حد سے زیادہ خرچ کی وجہ سے جو لڑکیوں کو گھروں میں بیٹھے رہنے کی نوبت آتی ہے، اس سے ہمارا معاشرہ نجات پائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے، آپ کو، سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔

(آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

نکاح کے مقاصد اور فوائد

مؤرخہ: ۲۲/ ۷/ ۲۰۱۵

مقام: مدینہ مسجد، پناما

اقتباس

چوتھا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ بعض مرتبہ اولاد پیدا ہونے کے بعد بڑی ہونے سے پہلے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو لے لیتے ہیں۔

ایک موقع پر عورتوں نے نبی کریم ﷺ سے فریاد کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے سارے فوائد اور برکات کو تو یہ مرد سمیٹ کر لے گئے، یہ لوگ آپ کی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور ہم کو اس کا موقع نہیں ملتا تو ہم کو بھی کوئی دن دیجیے جس میں آپ ہمیں نصیحتیں کریں۔ چناں چہ ہفتے میں ایک دن عورتوں کی نصیحت کے لیے مقرر فرمایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے جو نصیحت فرمائی، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا: مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلَاثَةً مِنْ وَلَدِهَا، إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ کہ جس عورت نے ایسے تین بچے جو ابھی بلوغ کو پہنچے نہیں، آگے بھیجے یعنی انتقال کر گئے تو وہ اس عورت کے لیے جہنم کی آگ سے آڑ بن جائیں گے، اس کو جنت میں لے جائیں گے۔ کسی عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کسی عورت کے ایسے دو بچے مر جائیں تو کیا یہی حکم ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو ہو تو بھی یہی حکم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى اللّٰه بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿وَمِنۡ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنۡ خَلَقَ لَكُم مِّنۡ أَنفُسِكُمۡ أَزۡوَٰجٗا لِّتَسۡكُنُوٓاْ إِلَيۡهَا وَجَعَلَ بَيۡنَكُم مَّوَدَّةٗ وَرَحۡمَةًۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَأٓيَٰتٖ لِّقَوۡمٖ يَتَفَكَّرُونَ ٢١﴾ [الروم]

اسلام میں انسان کے طبعی تقاضوں کی رعایت مکمل طور پر موجود ہے

میرے قابلِ احترام بھائیو اور بہنو! اسلام نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق واضح اور تفصیلی رہنمائی عطا فرمائی، ازدواجی زندگی بھی انسان کی ایک طبعی ضرورت ہے اور اسلام نے انسان کے طبعی رجحانات، احساسات اور فکری تقاضوں کی جتنی رعایت کی ہے، کسی اور مذہب میں ان کا اتنا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔

راہِ خدا میں مال خرچ کرنے میں بھی اعتدال

اس کی ایک معمولی جھلک اور اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ

کے راستے میں مال کو خرچ کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت زیادہ پسند ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ پاک میں جگہ جگہ اس کا حکم دیا بلکہ مال کی ایک معین مقدار کو فرض اور ضروری قرار دیا جس کو ہم زکوۃ کے نام سے جانتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس سلسلے میں بھی ایک اعتدال والی راہ کی طرف رہنمائی فرمائی گئی، قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے باقاعدہ اس کا حکم دیا کہ مال کو بالکل ایسا خرچ مت کرو کہ بعد میں پچھتانے کا موقع آئے: ﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ ٱلْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۝٢٩﴾ [الإسراء] یعنی ہاتھ کو اتنا پھیلا دیا کہ جس کے نتیجے میں مال ہاتھ سے نکل جانے کے بعد آپ رنجیدہ اور حسرت زدہ بیٹھ جائیں، شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔

بلکہ ایسے مواقع آئے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح کی اجازت چاہی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہیں دی۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی خواہش اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان تین صحابہ میں سے ہیں کہ جو غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کر سکے تھے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے مقاطعہ اور بائیکاٹ ہوا، ۵۰ر روز تک ان سے کسی نے بات چیت نہیں کی پھر ان کی توبہ قبول ہوئی بخاری شریف میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے موجود ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ جب ان کی توبہ قبول ہوئی، اس کے بعد انھوں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اپنی اس توبہ کی قبولیت

کی خوشی میں اپنا سارا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں لیکن نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا اور فرمایا: أَمْسِكْ عَلَيْكَ بَعْضَ مَالِكَ، فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ کہ: نہیں، تم ایسا مت کرو، کچھ اپنے پاس بھی رہنے دو جس سے تمھاری ضرورتیں پوری ہوں [1]۔

عشرۂ مبشرہ کی وجہ تسمیہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس صحابہ میں سے ہیں کہ جن کو نبیٔ کریم ﷺ نے ایک مجلس کے اندر جنت کی بشارت عطا فرمائی، ویسے وہ صحابہ جن کو جنت کی بشارت دنیا میں دی گئی، وہ ان دس حضرات کے علاوہ بھی بہت سارے ہیں لیکن ان کو جو خاص طور پر ''عشرۂ مبشرہ'' کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سب کو ایک ہی مجلس کے اندر، ایک موقع پر ایک ساتھ نبیٔ کریم ﷺ نے جنت کی بشارت عطا فرمائی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کا واقعہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ بیمار ہوئے، ان کو اپنے بچنے کی امید نہیں رہی، حضور ﷺ ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، اس وقت ان کی اولاد میں صرف ایک بیٹی تھی اور وہ بھی شادی شدہ اور صاحب حیثیت تھی، ان کے پاس اپنا مال تھا، انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے اجازت چاہی کہ اے اللہ کے رسول! میں یہ چاہتا

---

① صحيح البخارى، عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، بَابُ إِذَا تَصَدَّقَ، أَوْ أَوْقَفَ بَعْضَ مَالِهِ، أَوْ بَعْضَ رَقِيقِهِ، أَوْ دَوَابِّهِ، فَهُوَ جَائِزٌ، ر:۲۷۵۷

ہوں کہ اپنا پورا مال اللہ کے راستے میں وصیت کروں۔ تو نبیٔ کریم ﷺ نے منع فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ دو تہائی مال؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ آدھا مال؟، نبیٔ کریم ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ ایک تہائی؟ تو فرمایا کہ ہاں اس کی اجازت ہے۔

ورثہ کو مالدار چھوڑنا فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے

اور اس میں بھی تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: الثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ، خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ کہ: ایک تہائی بھی زیادہ ہے، تم اپنے وارثوں کو اپنے پیچھے- دوسرے دور کے وارث ہیں- اپنا مال وراثت میں دے کر مالدار چھوڑ کر جاؤ، یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ان کو فقیر چھوڑ واور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھلائیں [۱]۔ گویا نبیٔ کریم ﷺ نے تہائی سے زیادہ وصیت کے طور پر خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت پسند ہے، اس کے باوجود شریعت مطہرہ نے اس سلسلے میں بھی ایک اعتدال کی راہ تعلیم فرمائی، درمیانی راستہ بتلایا، اس میں بھی یہ نہیں کہ آدمی اپنا سب کچھ لٹادے۔

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ رِثَاءِ النَّبِيِّ ﷺ سَعْدَ ابْنَ خَوْلَةَ، ر:۱۲۹۵

اس سے شریعت مطہرہ کی تعلیم اور تربیت کا انداز آپ کو ہوگا کہ انسانی جذبات اور انسان کے فطری تقاضوں کی شریعت کے اندر کتنی رعایت اور کتنا لحاظ کیا جاتا ہے۔

ہر جان دار میں صنف مخالف کی طرف میلان کا مادہ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کیا؟ جتنی بھی مخلوقات ہیں، جتنے بھی جان دار ہیں، ان تمام کو ایسا بنایا ہے کہ ان کے مزاج کے اندر شہوت کا مادہ پیدا فرمایا۔

شہوت کے مادے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے جو نر ہیں، مذکر ہیں، ان کے مزاج میں مادہ اور مؤنث کی طرف میلان رکھ دیا، مردوں کے مزاج میں عورتوں کی طرف میلان رکھ دیا اور عورتوں کے مزاج میں مردوں کی طرف میلان رکھ دیا جس کو ہم شہوت سے تعبیر کرتے ہیں، یہ شہوت کا مادہ خالی انسان میں نہیں ہے بلکہ اس روئے زمین پر جتنے بھی جان دار ہیں، چاہے وہ پالتو ہوں یا دوسرے ہوں، پرندے، درندے، سب کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ مادہ پیدا فرمایا۔

نر اور مادہ میں باہم میلان رکھنے کی حکمت

اس میں بڑی حکمت تو یہ ہے کہ اس شہوانی مادے کے نتیجے میں آپس میں ایک دوسرے کی طرف میلان ہوتا ہے، جب اس میلان کے نتیجے میں آپس میں ملیں گے تو اس سے اولاد پیدا ہوگی، توالد اور تناسل کا سلسلہ جاری ہوگا، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کو ایک مقررہ وقت تک یعنی جب قیامت قائم ہوگی، اس وقت تک اس دنیا کو باقی رکھنا طے کر دیا ہے اور باقی اسی وقت رہے گی، جب کہ یہ پیدائش کا سلسلہ

جاری رہے گا تو پیدائش کا سلسلہ جاری رکھنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر جان دار کے اندر شہوت کا یہ مادہ ودیعت فرما دیا ہے۔

اس کے نتیجے میں آپس میں مخالطت ہوگی، اس مخالطت کے بارے میں انسان کے علاوہ جتنے جان دار ہیں چرند، پرند وغیرہ، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شریعت کا پابند نہیں بنایا، ہاں! فطرت کے کچھ قانون ہیں جن کے وہ پابند ہیں، جن کی تفصیل میں مَیں ابھی نہیں جاؤں گا، باقی شریعت کے نام سے جو قانون اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو عطا فرمایا ہے، وہ ان چرند پرند وغیرہ کو عطا نہیں فرمایا۔

فطری خواہش کی تکمیل کے لیے کچھ پابندیاں

انسان اگر اپنی شہوت اور فطری تقاضے کو پورا کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کچھ پابندیاں ہیں، یہ نہیں کہ ہماری مرضی ہے کہ جس عورت سے چاہیں اور جب چاہیں، اپنی اس شہوت اور ضرورت کو پوری کر لیں، نہیں۔ اس سلسلے میں شریعت نے باقاعدہ بتلایا کہ کچھ عورتیں تو ایسی ہیں جن کے ساتھ آپ یہ تعلقات قائم نہیں کر سکتے، ان سے نکاح نہیں کیا جا سکتا ہے، ان کو ''محرم'' کہتے ہیں: ماں ہے، بیٹی ہے، نانی ہے، دادی ہے، پھوپھی، خالہ، پوتی، نواسی، بہن، بھانجی، بھتیجی وغیرہ، قرآنِ پاک اور احادیث میں یہ سب رشتے بیان کیے ہیں۔ ﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ﴾ [النساء۲۴] کہ: ان کے علاوہ رشتوں کو حلال فرمایا کہ ان کے ساتھ نکاح کیا جا سکتا ہے، ان کے ذریعہ آدمی اپنی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔

کسی مذہب میں ایسی تفصیلات نہیں

اس کے بعد نکاح کے سلسلے میں شریعت مطہرہ نے آگے بھی ہمیں بڑی تفصیلات بتائیں کہ آدمی اپنی اس فطری ضرورت کو پوری کرنے کے لیے جب کسی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو کسی عورت کا انتخاب کرنا چاہیے۔

اسلام کی تعلیم پر قربان جائیے، میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا کے کسی مذہب میں ایسی کوئی تفصیلات نہیں ہیں اگر آپ ان سے پوچھیں گے کہ میں اپنے نکاح کے لیے کیسی لڑکی کو پسند کروں؟ تو ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملے گا لیکن یہاں نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں سب کچھ بتلا دیا۔

عورتوں سے نکاح کے اہلِ دنیا کے پیمانے

بخاری شریف کی روایت ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تُنْكَحُ المَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ[۱] کہ: دنیا کا دستور یہ ہے کہ لوگ جب کسی عورت کے ساتھ نکاح کرتے ہیں تو کچھ خوبیاں ان کے مدنظر ہوتی ہیں، بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو عورت کا مال دیکھ کر اس سے نکاح کرتے ہیں کہ اس سے نکاح کریں گے تو اس کے مال سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔

اور بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو عورت کی خوب صورتی اور اس کے جمال کو دیکھ کر

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ الأَكْفَاءِ فِي الدِّينِ، ر: ۵۰۹۰

اس کے ساتھ نکاح کرتے ہیں، بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو عورت کی خاندانی حیثیت کی وجہ سے جو مقام اس کو سوسائٹی میں حاصل ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں اس گھرانے میں نکاح کروں گا تو میرا رتبہ اور میری حیثیت بھی بڑھ جائے گی، اس لیے اس سے نکاح کرتے ہیں۔

اور بعض لوگ وہ ہیں جو عورت کی نیکی اور دین داری، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور فرماں برداری کی وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کرتے ہیں۔

نکاح میں دین داری کو مدنظر رکھنا چاہیے

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ یہ چار اوصاف ہیں جن کو سامنے رکھ کر کسی عورت کے ساتھ نکاح کیا جاتا ہے، ایک مسلمان کو نکاح کے وقت عورت کی کون سی خوبی مدنظر رکھنی چاہیے تو فرماتے ہیں کہ: فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ: دین داری کو سامنے رکھو۔ دین داری کو سامنے رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تکرار ہو رہا ہے، ٹکراؤ نہیں ہے تو سبحان اللہ! ایک لڑکی ہے جو دین دار ہے، دین دار ہونے کے ساتھ خوب صورت بھی ہے، خوب صورت ہونے کے ساتھ مال دار بھی ہے اور مال دار ہونے کے ساتھ بڑے اونچے گھرانے کی بھی ہے، چاروں خوبیاں اس کے اندر موجود ہیں تو پھر دونوں ہاتھوں میں دو دو لڈو اور نُورٌ عَلٰى نُور ہے، سبحان اللہ!، اصل مقصد دین داری ہے، وہ تو اس کے اندر ہے ہی۔

لیکن اگر مقابلہ ہو جائے کہ ایک لڑکی ہے جو دین دار ہے، اس میں اتنی خوبصورتی

نہیں ہے اور دوسری خوب صورت ہے لیکن اس میں دین داری نہیں ہے تو اب ہمیں شریعت یہ تعلیم دیتی ہے، یہ ہدایت اور مشورہ دیتی ہے کہ اپنی آنکھوں کی خواہش کو مدنظر رکھ کر اس کی خالی خوب صورتی کو مت دیکھو۔

خوب صورتی گھٹتی اور دین داری بڑھتی ہے

خوب صورتی تو چند سالوں کی بات ہے، چند سال جوانی کے ہیں، وہاں تک اس کا چہرہ خوب صورت ہے، جہاں تک اس کے چہرے پر جھریاں نہیں پڑی ہیں، وہاں تک وہ اچھی لگے گی، جہاں اس کی عمر ڈھلتی جائے گی تو اس کی وہ خوب صورتی بھی ختم ہوتی جائے گی۔ اور دین داری کا حال یہ ہے کہ وہ دن بدن بڑھتی جاتی ہے، خوب صورتی گھٹتی ہے اور دین داری ترقی کرتی ہے اور دین داری ہی آدمی کو دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پر آمادہ کرتی ہے تو آپ دین داری کو دیکھ کر نکاح کرنا؛ تاکہ نکاح کا جو مقصد ہے: آپس میں ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنا، ایک دوسرے کو راحت پہنچانا وہ اس میں زیادہ اچھے طریقے سے حاصل ہوگا۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کیسی عورت پسند کرنی چاہیے، وہ بھی شریعتِ مطہرہ نے ہمیں بتلادیا ہے۔

نیک اور صالح عورتیں نکاح کے لیے سب سے بہتر

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں یہ بھی بتلادیا کہ عورت میں وہ کون سی خوبیاں ہیں جن کو ہمیں مدنظر رکھنا چاہیے، چناں چہ بخاری شریف کی روایت ہے، نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلَى وَلَدٍ فِي صِغَرِهِ، وَأَرْعَاهُ

عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ[۱]: جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہوتی ہیں، چوں کہ عربوں کو مخاطب کر رہے ہیں جو کہ اونٹوں پر سوار ہوتے تھے، گویا عرب عورتوں میں سب سے بہتر عورتیں جن سے نکاح کیا جائے، وہ قریش کی نیک عورتیں ہیں، کیوں کہ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو وہ ان کے ساتھ بڑی محبت کرتی ہیں، بڑی شفقت سے ان کی پرورش کرتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں۔

یعنی جن عورتوں سے ہم نکاح کریں گے تو کسی عورت کی کن خوبیوں کو دیکھ کر آپ اس کو اپنے نکاح میں لانا چاہتے ہیں، وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلا دیا۔

وہ عورت سب سے بہتر ہے جو شوہر کی فرماں بردار ہو

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: أَيُّ النِّسَاءِ خَيْرٌ کہ: کون سی عورتیں بہتر ہیں؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَلَا تَعْصِيهِ إِذَا أَمَرَ کہ: شوہر جب اسے دیکھے تو دیکھ کر اس کا جی خوش ہو جائے اور شوہر جب اس کو کوئی حکم کرے تو فوراً اس کے حکم کو بجالائے[۲]۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر آپ کسی عورت سے نکاح کے انتخاب میں، اس کی چوائس میں اس کے کون سے اوصاف سامنے رکھیں گے، وہ سب بتلا دیا ہے، ان کا لحاظ کر کے اگر آپ آگے بڑھیں گے تو ان شاء اللہ زندگی میں کبھی پچھتانے کی نوبت نہیں آئے گی۔

---

۱ صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ إِلَى مَنْ يَنْكِحُ إلخ، ر:۵۰۸۲

۲ شعب الإيمان، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ، ر:۸۳۶۳

اسلام نے معاشرتی زندگی کے سلسلے میں بھی ہمیں ہدایتیں دی ہیں اور ان کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

شریعت کی طرف سے نکاح کی ترغیبیں

اور نکاح کی باقاعدہ ترغیبیں دی ہیں، حالاں کہ نکاح تو انسان کا فطری تقاضا ہے، ہر انسان کی فطرت اور اس کا نیچر ایسا ہے کہ قدرتی طور پر اس کے اندر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خواہش پیدا کی ہے، شہوت پیدا کی ہے جس کی وجہ سے اس کا عورت کی طرف رجحان ہوتا ہے، نہ کہیں تو بھی وہ نکاح کرنے کی پوری کوشش کرے گا، اس کے باوجود شریعت نے اس کی ترغیبیں دی ہیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باقاعدہ نکاح کی ترغیب دی ہے۔

فطری تقاضوں کے دبانے کو عبادت سمجھنے والے

یہ نکاح کی ترغیبیں اس لیے دی جارہی ہیں کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اندر رکھی ہوئی اس فطری شہوت اور خواہش کو دبانے اور کچلنے کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں، ہر زمانے میں ایسے لوگ رہے ہیں، آپ نے ہندوؤں میں سنا ہوگا ''برہم چریہ'' کا لحاظ کرنے والوں کے بارے میں اور عیسائیوں میں سنا ہوگا ''رہبانیت'' کی راہ پر چلنے والوں کے بارے میں، گویا نکاح نہ کرنا ان کے نزدیک عبادت سمجھا جاتا ہے، نکاح نہ کر کے اپنی شہوت اور تقاضوں کو کچلنا، اس کو یہ لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہم کو زیادہ حاصل ہوگا، اس کی وجہ سے ہم اللہ تعالیٰ کے اَور زیادہ قریب ہو جائیں گے، ایسے لوگ بہت زیادہ نہیں ہیں لیکن کچھ لوگ تو

ہیں جو اس کو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ نے ان کی جو ذہنیت اور سوچ تھی، اس سوچ کی بھی اصلاح فرمائی۔

تین صحابہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری

چناں چہ ایک موقع پر تین صحابی: (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ (۲) حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، اور (۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے معمولات یعنی ۲۴/ گھنٹے کا آپ کا نظام پوچھا کہ کیا ہے؟۔ وہ تو یہ سوچ کر کے آئے تھے کہ ہم کو شاید یہ بتایا جائے گا کہ آپ ﷺ رات بھر نماز پڑھتے ہیں، دن بھر روزہ رکھتے ہیں لیکن ام المؤمنین نے بتلایا کہ نبیٔ کریم ﷺ رات کے کچھ حصے میں آرام بھی کرتے ہیں اور کچھ حصے میں اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور مہینے کے کچھ دنوں میں آپ روزہ بھی رکھتے ہیں اور بقیہ دنوں میں بغیر روزے کے بھی رہتے ہیں، اپنی بیویوں کے ساتھ رہتے ہوئے ان کا حق بھی ادا کرتے ہیں۔ وہ یہ سوچ کر نہیں آئے تھے کہ ہم کو یہ سب بتایا جائے گا، حضور ﷺ کی شخصیت کے بارے میں ان کا خیال کچھ اور ہی تھا، جیسے کسی بڑے بزرگ کے بارے میں اس کی بزرگی بعض لوگوں کی نگاہوں میں اسی پر موقوف ہوتی ہے کہ رات بھر عبادت کرتے ہوں۔

جب کسی سے محبت ہوتی ہے

انھوں نے جب یہ تفصیلات سنیں تو بخاری شریف کے اندر الفاظ ہیں: كَأَنَّهُمْ

تَقَالُّوهَا: گویا نبیٔ کریم ﷺ کی عبادتوں کی ان تفصیلات کو انھوں نے کم سمجھا یعنی جو سوچ کے آئے تھے، اس سے کم سننے کو ملا۔

اور آدمی کا ایک مزاج ہے کہ جب کسی کے ساتھ محبت کا، عقیدت کا تعلق ہوتا ہے تو اس کے متعلق جو بڑائیاں سوچی تھیں، اس میں جب کمی پاتا ہے تو اس میں وہ تاویلیں کرتا ہے اور اپنی سوچ کے مطابق بٹھانے کی کوششیں کرتا ہے۔

حضور ﷺ کے متعلق وہ سوچ کر تو کچھ اور آئے تھے اور جب اس سے کم سنا تو آپس میں کہنے لگے: وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ کہ: حضور ﷺ تو بخشے بخشائے ہیں، آپ ﷺ کو اتنی زیادہ عبادت کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ رات رات بھر عبادت کریں لیکن ہم لوگ ہلاکت کی کگار پر کھڑے ہیں، اس لیے ہمیں تو زیادہ سے زیادہ عبادتیں اور مجاہدات کرنے چاہئیں۔

غلو آمیز عزائم کا اظہار

چناں چہ ان میں سے ایک نے وہیں حضرت ام المؤمنین کے سامنے کھڑے کھڑے اپنے اس عزم اور فیصلے کا اظہار کیا: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلاَ أُفْطِرُ کہ: میں آئندہ کبھی افطار نہیں کروں گا، ہمیشہ روزے رکھوں گا۔

دوسرے نے کہا: فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا کہ: میں آئندہ رات میں کبھی سوؤں گا نہیں، ہمیشہ رات بھر عبادت کروں گا۔

اور تیسرے نے کہا: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلاَ أَتَزَوَّجُ أَبَدًا کہ: میں عورتوں سے کبھی

نکاح نہیں کروں گا۔

یہ لوگ اپنے عزائم کا اظہار کرکے وہاں سے رخصت ہو گئے، ان کے جانے کے بعد نبیٔ کریم ﷺ تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ سارا واقعہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے بیان کیا۔

غلو پر تنبیہ

چوں کہ حضور ﷺ امت کی تربیت کے لیے تشریف لائے تھے، یہ سوچ جس کا ان حضرات نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے سامنے اظہار کیا تھا، یہ وہ سوچ نہیں تھی جس کو شریعت برقرار رکھنا چاہتی تھی، اصلاح کی ضرورت تھی، اس لیے نبیٔ کریم ﷺ نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جمع فرمایا اور ان کے سامنے یہ وعظ فرمایا:

أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي:

تم لوگوں کی اس طرح کی باتیں مجھے پہنچی ہیں، اللہ کی قسم! تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی خشیت رکھنے والا اور اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھنے والا میں ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں ہمیشہ عبادت ہی کرتا رہوں، میں اس کے باوجود مہینے کے کچھ دنوں میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور مہینے کے کچھ دنوں میں افطار بھی کرتا ہوں، اس کے باوجود رات کے کچھ حصے میں مَیں اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور کچھ حصے میں سوجاتا ہوں، آرام کرتا ہوں اور میں عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ یہ ہے میرا طریقہ۔

جس نے میری سنت سے اعراض کیا

فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي: جو آدمی میرے طریقے سے سرِ مو ہٹے گا، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ ان تین حضرات کو اور ان کے واسطے سے قیامت تک آنے والی پوری امت کو یہ بتلا دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی طبیعت کے اندر ان تقاضوں کو پیدا کیا ہے، ان تقاضوں کو کچلنا یہ اللہ کی رضا کے حصول کا سبب نہیں ہے بلکہ ان تقاضوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق اعتدال کے ساتھ پورا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے[1]۔ چناں چہ یہ جو نکاح کے موقع پر النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي پڑھا جاتا ہے، وہ اسی بنیاد پر پڑھا جاتا ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نکاح کی شریعت میں ترغیبیں آئی ہیں، حالاں کہ نکاح تو ایک فطری تقاضا تھا، پھر بھی ترغیب اس لیے دی گئی جس کو ابھی میں نے بتلایا۔

اور خالی ترغیب نہیں دی گئی بلکہ ترغیب کے بعد یہ بھی بتلایا گیا کہ کن عورتوں سے نکاح کیا جائے گا اور نکاح کے وقت عورتوں کی کن کن خوبیوں کو دیکھا جائے گا پھر نکاح کی یہ ساری تفصیلات مہر کتنا ہو، خاندان کی تفصیلات، یہ سب بتلایا گیا۔

اگر آپ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں نکاح سے متعلق جو احکام ہیں، ان کو اٹھا کر دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ نکاح سے تعلق رکھنے والے ایک ایک جزوی مسئلے کو نبیٔ کریم

---

[1] صحیح البخاری، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، بَابُ التَّرْغِيبِ فِي النِّكَاحِ، ر:٥٠٦٣

ﷺ نے بتلایا ہے۔

نکاح کا ایک عظیم فائدہ: بقائے نسل انسانی

اور نکاح کے باقاعدہ فوائد بیان فرمائے، سب سے بڑا فائدہ تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ یہ دنیا قیامت تک باقی رہے اور یہ اسی وقت باقی رہتی، جب کہ یہ پیدائش کا سلسلہ جاری رہتا، بقائے نسلِ انسانی اور توالد اور تناسل کے لیے نکاح ضروری تھا، اس لیے نکاح کا حکم دیا۔

نکاح کا دوسرا فائدہ: امت محمدیہ کی کثرت

دوسری وجہ یہ ہے، خود حضور ﷺ فرماتے ہیں: تَزَوَّجُوا الْوَدُودَ الْوَلُودَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ: ایسی عورت سے نکاح کرو جو خوب محبت کرنے والی اور بہت بچے جننے والی ہو، اس لیے کہ تمھاری زیادتی پر میں قیامت کے دن فخر کروں گا[۱]۔

قیامت کے روز تمام نبیوں کی امتیں میدان حشر میں پیش ہوں گی اور اس وقت امتِ محمدیہ کی تعداد آج تک جتنی امتیں گذر چکیں، ان سب سے زیادہ ہوگی۔

ترمذی شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: أَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُونَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُونَ مِنْهَا مِنْ هَذِهِ الأُمَّةِ وَأَرْبَعُونَ مِنْ سَائِرِ الأُمَمِ[۲] کہ: جنت

---

۱ سنن أبی داود، عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ النَّهْيِ عَنْ تَزْوِيجِ مَنْ لَمْ يَلِدْ مِنَ النِّسَاءِ، ر:۲۰۵۰

۲ سنن الترمذی، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي صَفِّ أَهْلِ الجَنَّةِ، ر:۲۵٦٤

میں جن لوگوں کو بھیجا جائے گا، ان کی ۱۲۰/صفیں ہوں گی، ان ۱۲۰/صفوں میں ۸۰/ صفیں امت محمدیہ کی ہیں، گویا جنت میں اکثریت اور میجوریٹی امت محمدیہ کی ہے اور ۴۰/صفیں دوسری امتوں کی ہوں گی۔

حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ تم نکاح کروگے تو اولاد ہوگی اور اس کی وجہ سے میری امت میں اضافہ ہوگا اور یہ میرے لیے فخر کا باعث ہوگا۔

کثرتِ اولاد اور اس دور کے مسلمانوں کا بگڑا ہوا نظریہ

آج کل تو نظریہ ہی بدل گیا ہے، آج تو بیوی اور شوہر دونوں کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایک بچہ ہوگیا، اب دوسرا بچہ نہیں ہونا چاہیے اور اگر دوسرا ہوجائے تو پھر تیسرے کا تو آگے کوئی سوال ہی نہیں ہوتا اور اگر میاں بیوی زیادہ بچے پر راضی ہوں تو پھر خاندان والے روکتے ہیں۔ لوگ ہمارے پاس مسئلے پوچھنے کے لیے آتے ہیں، بے چارہ شوہر جانتا ہے اور بیوی بھی جانتی ہے تو بھی بیوی کے خاندان والے ان سے کہتے ہیں کہ کتنے بچے پیدا کروگے، کوئی دوسرا کام ہے یا نہیں! یہ عجیب معاملہ ہے۔

دورِ جدید کی جاہلانہ سوچ: بچوں کی روزی کا کیا ہوگا؟

اس کی وجہ عام طور پر یہی ہوتی ہے کہ اتنے زیادہ بچے ہوجائیں گے تو ان کے رزق، روزی کا کیا ہوگا؟! اللہ کے بندے! اس سے تجھ کو کیا لینا دینا؟، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا﴾[هود۶] کہ: ہر جان دار کی روزی کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔

بچے کی روزی کی تفصیلات کب لکھی جاتی ہیں

بخاری شریف کی روایت ہے کہ جب کوئی حمل ٹھہرتا ہے اور بچے پر تین ادوار گذر جاتے ہیں یعنی ۱۲۰/دن پورے ہوتے ہیں تو ایک فرشتہ آتا ہے اور وہ چند چیزیں لکھ دیتا ہے، گویا اس کی ایک فائل تیار کرتا ہے۔

جیسے کوئی بیمار ہسپتال میں جاتا ہے تو اس کی فائل بنتی ہے، اسی طرح یہاں بھی بچے کی فائل تیار ہوتی ہے جس میں کچھ باتیں لکھی جاتی ہیں کہ کتنا زندہ رہے گا؟ نیک بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا؟ اعمال کیا کرے گا؟ اس کی روزی کتنی ہوگی؟ کہاں سے آئے گی [۱]؟ روزی تو اس میں لکھ دی گئی ہے، پھر روزی کی فکر ہم کیوں کریں؟۔

اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت پر ایمان کی کمزوری

ہم تو یوں سمجھتے ہیں کہ روزی ہم دے رہے ہیں، جیسے گلہری بیل گاڑی کے نیچے چلتی ہے تو یوں سمجھتی ہے کہ سارا بوجھ میں ہی اٹھا رہی ہوں، حالاں کہ اس کی یہ سوچ احمقانہ ہے۔ اسی طرح کھلانے والے اور روزی دینے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں اور ہماری یہ سوچ بنی ہوئی ہے کہ ہم کھلا رہے ہیں۔ اس سوچ نے ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرنے سے روک رکھا ہے، حالاں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ امت کے اندر کثرت مطلوب ہے اور اس پر آپ قیامت کے دن فخر کریں گے۔

---

① صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ، بَابُ قَوْلِهِ تَعَالَى: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ، ر:۷۴۵۴

نکاح کا تیسرا فائدہ: اولاد کا صدقۂ جاریہ ہونا

تیسرا فائدہ نکاح کا یہ ہے کہ اس سے جو نیک اولاد ہوگی، وہ آدمی کے لیے صدقۂ جاریہ ہوگی، آگے چل کر اس کی بخشش کا ذریعہ بنے گی۔

مسلم شریف کی روایت ہے: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ[۱] کہ: جب آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے، ثواب کا میٹر بند ہوجاتا ہے، البتہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے ثواب کا سلسلہ آدمی کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

ایک تو صدقۂ جاریہ ہے کہ نیکی کا کوئی ایسا کام کیا کہ اس کی موت کے بعد بھی لوگ اس کے اس کام سے فائدہ اٹھاتے ہیں: کنواں کھدوادیا، واٹرورکس بنوادیا، مسجد بنوادی، مدرسہ بنوادیا، کوئی بھی ایسی چیز بنوادی کہ جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں تو اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا۔

یا علم کی کوئی چیز کسی کو سکھلائی، کوئی کتاب تصنیف کردی، کچھ شاگرد تیار کردئے جو دوسروں کو پڑھا رہے ہیں اور یہ سلسلہ آگے بڑھ رہا ہے تو جب تک پڑھنے، پڑھانے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا جس میں اس نے حصہ لیا ہے، وہاں تک اس کے نامۂ اعمال میں برابر ثواب بڑھتا رہے گا۔

---

۱ صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ، ر:۱۶۳۱

أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ: یا نیک اولاد چھوڑی جو اس کے لیے دعائے خیر کرے گی۔ یہ نیک اولاد نکاح کرے گا تو پیدا ہوگی۔

نکاح کا چوتھا فائدہ: وفات پانے والی اولاد کا والدین کے لیے دخولِ جنت کا سبب بننا

چوتھا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ بعض مرتبہ اولاد کے پیدا ہونے کے بعد بڑی ہونے سے پہلے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو لے لیتے ہیں۔ ایک موقع پر عورتوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے فریاد کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے سارے فوائد اور برکات کو تو یہ مرد سمیٹ کر لے گئے، یہ لوگ آپ کی مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور ہم کو اس کا موقع نہیں ملتا تو ہم کو بھی کوئی دن دیجیے جس میں آپ ہمیں نصیحتیں کریں۔ چناں چہ ہفتے میں ایک دن عورتوں کی نصیحت کے لیے مقرر فرمایا۔

اس موقع پر آپ ﷺ نے جو نصیحت فرمائی، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا: مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ ثَلاَثَةً مِنْ وَلَدِهَا، إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ کہ جس عورت نے ایسے تین بچے جو ابھی بلوغ کو پہنچے نہیں، آگے بھیجے یعنی انتقال کر گئے تو وہ اس عورت کے لیے جہنم کی آگ سے آڑ بن جائیں گے، اس کو جنت میں لے جائیں گے۔ کسی عورت نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کسی عورت کے ایسے دو بچے مر جائیں تو کیا یہی حکم ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دو ہو تو بھی یہی حکم ہے[1]۔

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ، بَابٌ: هَلْ يُجْعَلُ لِلنِّسَاءِ يَوْمٌ عَلَى حِدَةٍ فِي العِلْمِ؟ ر:۱۰۱

ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابیہ نے پوچھا کہ کسی عورت نے ایسا ایک ہی بچہ آگے بھیجا تو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تو بھی یہی حکم ہے[۱]۔ اب یہ فوائد نکاح کریں گے تو حاصل ہوں گے۔

حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

اور ایسے واقعات بھی آپ نے سنے ہوں گے، فضائل صدقات میں آپ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ سنا ہوگا کہ ان کی بچی انتقال کر گئی، انھوں نے جو خواب دیکھا، اس میں انھوں نے دیکھا کہ ان کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا تھا لیکن وہ بچی ان کو جنت میں لے گئی۔

حدیث کی روشنی میں بانجھ عورت

بہر حال! نکاح کا ایک فائدہ یہ بھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اس عورت کو بانجھ سے تعبیر کرتے ہیں کہ جس کا کوئی بچہ بچپن میں مرا نہ ہو، بانجھ وہ نہیں ہے کہ جس کا کوئی بچہ نہ ہو بلکہ بانجھ وہ ہے جس کا کوئی بچہ بچپن میں انتقال نہ کر گیا ہو۔

نکاح کا پانچواں فائدہ: نان ونفقہ کے لیے کی جانے والی محنت پر اجر

ان فوائد کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ نکاح کے بعد آپ اپنی بیوی اور بچوں کی پرورش کے لیے جو محنت، مزدوری کریں گے، ان کو کھلانے پلانے کے لیے جو سعی

---

[۱] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سوال کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَوَاحِدَةٌ يَا مُوَفَّقَةُ! (السنن الکبری للبیہقی، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، بَابُ مَا يُرْجَى فِي الْمُصِيبَةِ بِالْأَوْلَادِ إِذَا احْتَسَبَهُمْ، ر:۷۱۴۷)

کریں گے تو اللہ کا حکم پورا کریں گے اور یہ بھی ثواب سے خالی نہیں ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مسجد کے اندر دو روپے دئے تو اس میں تو ثواب ہے اور بیوی کو دو روپے دئے تو اس میں کوئی فائدہ اور ثواب نہیں ہے!۔

مسلم شریف کی روایت ہے: دِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ، وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ، أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ: ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے اللہ کے راستے میں خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے کسی غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کیا، ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے کسی غریب پر صدقے کے طور پر خرچ کیا اور ایک روپیہ وہ ہے جو تم نے گھر والوں پر خرچ کیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ ثواب اس روپئے کا ہے جو تم نے گھر والوں پر خرچ کیا ہے[1]۔

دیکھئے! آپ یہ سمجھتے ہیں کہ فرض کا ثواب نفل کے ثواب سے زیادہ ہے، اس کو ہر مسلمان جانتا ہے اور بیوی پر خرچ کرنا فرض ہے اور فقیر کو دینا اور دوسرے جو مصارف ہیں، وہ نفل ہیں تو ظاہر ہے کہ بیوی بچوں پر خرچ کرنے کا ثواب زیادہ ہی ملے گا۔

بیوی کے منہ میں لقمہ اٹھا کر دینے میں بھی اجر ہے

ابھی میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وصیت کا جو واقعہ سنایا، اس میں حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: وَإِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا،

---

[1] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ فَضْلِ النَّفَقَةِ عَلَى الْعِيَالِ إلخ، ر:۹۹۵

حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ [1] تم اپنے اہل وعیال پر اللہ کی رضا کے لیے جو بھی خرچ کرو گے تو اس پر تمھیں اجر ملے گا، یہاں تک کہ لقمہ اٹھا کر بیوی کے منہ میں دو گے تو اس پر بھی ثواب حاصل ہوگا؛ لیکن یہ لقمہ اٹھا کر بیوی کے منہ میں دینے میں نیت اس کے حق کو ادا کرنے کی ہونی چاہیے۔

ہر کام میں احتساب ضروری ہے

احتساب ضروری ہے، شریعتِ مطہرہ تمام کاموں میں احتساب کو ضروری قرار دیتی ہے کہ جو کام بھی کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کیا جائے، اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے نہیں، نماز جیسی نماز میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود نہیں بلکہ لوگ آپ کو بڑا نمازی سمجھیں، اس لیے آپ نماز پڑھتے ہیں تو اس نماز پر آپ کو کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ تو گھر والوں پر خرچ کرتے ہوئے بھی یہ نیت ہونی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ان پر خرچ کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ گھر والوں کا حق قرار دیا ہے، ضروری قرار دیا ہے، اس کا اہتمام ہونا چاہیے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے مکان پر

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ایک اور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مواخات کرائی تھی، ان کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا تھا، یہ دونوں

---

[1] صحيح البخاری، عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ رِثَاءِ النَّبِيِّ ﷺ سَعْدَ ابْنَ خَوْلَةَ، ر:۱۲۹۵

اس بھائی چارگی کا لحاظ کرتے ہوئے ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔

ایک دن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خبر گیری کے لیے، ملاقات کے لیے ان کے گھر گئے، دیکھا کہ ان کی بیوی ام درداء رضی اللہ عنہا میلے کچیلے کپڑوں میں ہیں اور ابودرداء رضی اللہ عنہ گھر پر نہیں ہیں تو انھوں نے حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا بات ہے، میرا بھائی گھر پر نہیں ہے؟ اور میں تمھیں میلے کچیلے کپڑے کے اندر دیکھ رہا ہوں؟۔

اپنے جمال کا خیال نہ رکھنے والی بعض پھوہڑ عورتیں

چوں کہ شوہر کی موجودگی میں شریعت عورت کو یہ حکم دیتی ہے کہ وہ اچھے کپڑوں میں رہے؛ تاکہ اس کو دیکھ کر شوہر خوش ہو جائے۔ بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اس کے پاس عمدہ عمدہ کپڑے ہیں، سب کچھ ہے، شوہر چاہتا ہے کہ وہ پہنے؛ تاکہ اس کو دیکھ کر ہمارا دل خوش ہو لیکن وہ پہننے کے لیے تیار نہیں، دوسروں کو دکھانے کے لیے شادی وغیرہ مواقع پر پہنے گی۔

ارے بھائی! جس نے خرچہ کیا، پیسے دے کر کپڑے دلوائے، زیور بنوائے، وہ تو تمھارا جلوہ دیکھنے کے لیے ترس رہا ہے اور دوسرے مفت میں دیکھ رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے، دوسروں کو دکھانا جائز نہیں ہے، اپنے شوہر کو دکھانا چاہیے۔

فقہ کی کتابوں میں یہاں تک مسئلہ لکھا ہے، عورت کو جن چیزوں پر شریعت نے مارنے کی اجازت دی ہے، ان میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ شریعت کی حدود میں رہ کر

شوہر کے مزاج کے مطابق اگر بیوی زیب وزینت نہیں کرتی تو اس پر بھی شوہر اس کی پٹائی کر سکتا ہے[①]۔

بہر حال! ان کو جب اس حال میں دیکھا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا ہمارے بھائی گھر پر نہیں ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: بھائی! یہ جو ابوالدرداء ہیں، ان کو دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، وہ تو دن بھر روزہ رکھتے ہیں، رات بھر عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور جس انداز میں انھوں نے یہ بات کہی تھی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔

کچھ دیر کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے، دیکھا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آئے ہوئے ہیں، تو کہنے لگے کہ اوہو، بھائی صاحب آئے ہیں، ان کے لیے کھانا تیار کرو، چناں چہ ان کے لیے کھانا تیار کرایا اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو کھانے کے لیے بٹھایا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ، انھوں نے فرمایا کہ میرا تو روزہ ہے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے بغیر میں کھاؤں گا نہیں، تم کو بھی شریک ہونا ہے۔ چناں چہ انھوں نے روزہ توڑ دیا اور خود بھی کھانے میں شریک ہو گئے۔

نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے

نفل روزہ مہمان کی دل داری کے لیے توڑا جا سکتا ہے، مہمان اگر اصرار کرے کہ آپ کے بغیر میں نہیں کھاؤں گا تو اس صورت میں اس کی دل جوئی کے لیے میزبان

---

① تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، ۳/ ۲۱۱، فَصْلٌ فِي التَّعْزِيرِ

روزہ توڑ سکتا ہے، شریعت نے اس کی اجازت دی ہے، بعد میں اس کی قضا کر لی جائے، الضیافة عذرٌ للضیف والمضیف، ضیافت مہمان ومیزبان دونوں کے لیے عذر ہے۔

ہمارے یہاں نور الایضاح پڑھائی جاتی ہے، اس کے اندر مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ میزبان کے لیے بھی عذر ہے اگر مہمان اس کے بغیر کھانے کے لیے تیار نہ ہو اور مہمان کے لیے بھی عذر ہے۔

مہمان کے لیے عذر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی کے یہاں مہمان گئے اور آپ نے بتایا نہیں تھا کہ میرا روزہ ہے، اس لیے میزبان نے کھانا تیار کیا، پیش کیا، اب آپ کہنے لگیں کہ میرا تو روزہ ہے تو میزبان کہے گا کہ میں نے اتنی ساری تکلیفیں اٹھائیں اور تم روزے کی بات کرتے ہو، کھاؤ تو کھانا پڑے گا!، بعد میں قضا کر لینا۔ یا یہ ہے کہ میزبان نے کھانا تیار کر کے پیش کیا اور مہمان نے کہا کہ تم بھی ساتھ میں آجاؤ اور میزبان کہتا ہے کہ میرا روزہ ہے، اس پر مہمان کہے کہ تم کھاؤ گے تو ہی میں کھاؤں گا تو میزبان کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ روزہ توڑ دے، یہ نفل کا مسئلہ ہے، فرض کا نہیں ہے [۱]۔

گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کھانا کھا لیا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رات کو وہیں قیام کرنا چاہتے ہیں تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے بستر تیار کیا اور کہا کہ لیٹ

---

① ويجوز للمتطوع الفطر بلا عذر في رواية والضيافة عذر على الأظهر للضيف والمضيف وله البشارة بهذه الفائدة الجليلة. (نور الإيضاح، ص۱۱۲)

جایئے، پوچھا: تم؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ میں تو نماز پڑھوں گا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم بھی لیٹ جاؤ، ابھی نماز نہیں پڑھنی ہے۔ ان کو بھی سلایا، رات کا ایک تہائی حصہ گذرنے کے بعد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے اٹھنا چاہا تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لٹا دیا کہ ابھی نہیں۔

اس کے بعد جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ گیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود بھی اٹھے اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو بھی فرمایا کہ اب اٹھو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ دونوں اللہ کی عبادت میں مشغول ہوئے۔

صبح کو جاتے ہوئے نصیحت کی: إِنَّ لِرَبِّكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا فَأَعْطِ كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ[۱] کہ: تمھارے پروردگار کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری ذات کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے، ہر ایک کا حق ادا کرو، یہ وصیت کی اور رخصت ہو گئے۔

سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی

یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں پیش آیا تھا، بعد میں جا کر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے سارا واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کر دیا کہ آج تو ایسا ایسا ہوا، اس پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صَدَقَ سَلْمَانُ: سلمان نے بالکل ٹھیک بات کہی،

---

[۱] صحیح البخاری، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ رضي الله عنهم، بَابُ مَنْ أَقْسَمَ عَلَى أَخِيهِ لِيُفْطِرَ فِي التَّطَوُّعِ، وَلَمْ يَرَ عَلَيْهِ قَضَاءً إِذَا كَانَ أَوْفَقَ لَهُ، ر:۱۹۶۸

گویا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہرِ تصدیق اس کے اوپر لگا دی۔

اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی عبادت ہے

بہر حال! یہ جو بیوی بچوں کو آرام پہنچانا، ان کے لیے کھانے، پہننے، رہنے کے انتظامات کرنا وغیرہ امور ہیں، اگر یہ سب اس نیت سے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا اور شریعت نے اس کو بیوی بچوں کا حق قرار دیا ہے تو یہ بھی بہت بڑی عبادت ہے۔

کسی کے ادائیگیٔ حق کے لیے دوسروں کے حقوق ضائع مت کیجیے

اسلام نام ہی ہے ادائے حقوق کا، جو حقوق واجب کیے گئے ہیں، ان کی ادائیگی کا اہتمام کرو، اور یہ بھی یاد رکھو کہ ایک کے حق کو ادا کرنے کے لیے دوسروں کے حقوق کو ضائع نہیں کیا جا سکتا۔ آج ہمارے معاشرے کا حال کیا ہو گیا ہے؟، یہ نکاح ہی کا معاملہ لے لو۔ بہت سے لوگ وہ ہیں جو بیوی کے لیے ماں باپ کو قربان کر دیتے ہیں اور بہت سے لوگ وہ ہیں جو ماں باپ کے لیے بیوی کو قربان کر دیتے ہیں، شریعت نے اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے، اعتدال قائم رکھئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلے میں ایک مستقل رسالہ ہے جو ''بہشتی زیور'' میں ''تعدیل حقوق والدین'' کے نام سے ہے، اس میں ہے کہ والدین کے ایسے مطالبات جو غلط ہوتے ہیں، ان کو پورا نہیں کرنا ہے، ماں باپ کی خدمت اپنی جگہ پر ہے لیکن سب کچھ شریعت کی حدود میں ہونا چاہیے۔

نیت سے کمانا عبادت

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ بیوی بچوں کی پرورش کے لیے آپ محنت کرتے ہیں، دن بھر آپ مشقت اٹھاتے ہیں، کماتے ہیں تو اس میں یہ نیت کرلو کہ یا اللہ! آپ نے اپنے کچھ بندوں کی ذمہ داری مجھ پر رکھی ہے، اس کو ادا کرنے کے لیے میں یہ محنت اور مشقت برداشت کر رہا ہوں تو اس طرح آپ کا یہ کمانا بھی عبادت بن جائے گا۔

یہ جہاد کے حکم ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اپنے اہل وعیال کے لیے کمانے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے [1] لیکن نیت ہونی چاہیے، یہ ثواب اور فضیلت نیت پر موقوف ہے، اسے آپ بے گاری اور مفت کی مزدوری مت سمجھئے۔

نکاح کا چھٹا فائدہ: خلافِ مزاج امور برداشت کرنے پر اجر

اور پھر یہ کہ گھر والوں کی طرف سے بہت سی تکلیفیں پہنچتی ہیں، ان کے ساتھ روز مرہ کی زندگی گذارتے ہوئے بہت سے خلاف مزاج امور برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ سب کا مزاج یکساں نہیں ہوتا، تکلیف پہنچنے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ عورت زبان درازی کرے، مزاج کی عدم موافقت کی وجہ سے بھی ناگواریاں پیش آتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے، بخاری شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: إِنِّي لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً، وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبى

[1] إحياء علوم الدين مع حاشية الزين العراقي، ۲/ ۸۹

کہ اے عائشہ! جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو میں سمجھ جاتا ہوں اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو بھی مجھے پتہ چل جاتا ہے۔

صرف زبان آپ کے اسم مبارک سے محروم رہتی ہے، دل نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ کیسے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور تمھیں کسی بات پر قسم کھانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم یوں کہتی ہو: لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کی قسم!، اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو اور کسی بات پر قسم کھانے کی نوبت آتی ہے تو تم کہتی ہو: لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ: ابراہیم کے رب کی قسم!۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا: أَجَلْ وَاللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ: اے اللہ کے رسول، خدا کی قسم! خالی زبان سے آپ کا نام نہیں لیتی یعنی دل میں تو آپ کی محبت بھری ہوتی ہے[1]۔

بتلانا یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنی محبت تھی تو کیا اس ناراضگی کی وجہ سے ان کے حقوق کی ادائیگی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ کمی کرتے تھے؟، آدمی کو کبھی ایسی ناگواری بیوی کی طرف سے پیش آتی ہے، اس کو برداشت کرنا ہے۔

بیویوں کے دل میں شوہروں کی عظمت نہیں ہوا کرتی

حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت تھی، جو عشق تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو عظمت ان کے دلوں میں تھی، وہ ظاہر ہے ورنہ عام طور پر بیوی کے

---

① صحيح البخاری، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، بَابُ غَيْرَةِ النِّسَاءِ وَوَجْدِهِنَّ، ر: ۵۲۲۸

دل میں شوہر کی عظمت نہیں ہوتی، بہت بڑا بزرگ ہو تو بھی بیوی اس کو بزرگ ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔

تبھی تو ٹیڑھے ٹیڑھے اُڑ رہے تھے

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک اللہ والے تھے، لوگ ان کے پاس دعا کرانے آیا کرتے تھے۔ بیوی کہا کرتی تھی کہ لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے کہ اس کے پاس دعا کرانے کے لیے آتے ہیں، میں اس کو خوب جانتی ہوں۔ ایک مرتبہ ان اللہ والے نے سوچا کہ آج تو میں اس کو کچھ بتلاؤں، اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور وہ اڑتے ہوئے اسی جگہ سے گذرے جہاں ان کی بیوی تھی، بیوی نے بھی دیکھا لیکن وہ پہچان نہیں سکی کہ یہ میرے شوہر ہیں۔ جب شام کو آئے تو بیوی کہنے لگی کہ تم بزرگی کا دعوی کرتے ہو، بزرگ کو تو آج ہم نے دیکھا ہے۔ شوہر نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ بیوی نے کہا کہ وہ ہوا میں اڑتے جا رہے تھے، اس کو بزرگ کہتے ہیں۔ شوہر نے کہا کہ وہ بزرگ تھے؟، بیوی نے کہا کہ ہاں!، اس کو بزرگ کہتے ہیں۔ ان اللہ والے نے پہلے پکا کروالیا، اس کے بعد کہا کہ وہ میں ہی تو تھا۔ اس پر بیوی نے کہا کہ ہاں!، تبھی تو ٹیڑھے ٹیڑھے اُڑ رہے تھے۔ دیکھو! اس میں بھی کمی نکالی اور بزرگی ماننے کو تیار نہیں ہوئی۔

لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو جو محبت تھی، جو تعلق تھا، اس محبت اور تعلق کا ہم اور آپ لوگ اندازہ نہیں لگا سکتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہرات کی والہانہ محبت کا ایک واقعہ

حکایاتِ صحابہ میں آپ نے پڑھا ہوگا، سنا ہوگا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔

حدیبیہ میں جو صلح ہوئی، اس کے بعد قریش نے اس صلح کی خلاف ورزی کی، ابوسفیان اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، قریش نے جب اس صلح کو توڑا تو انھیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حملے کا خطرہ پیدا ہوا، چناں چہ انھوں نے ابوسفیان کو بھیجا کہ وہ اس صلح کی تجدید کریں۔

ابوسفیان جب مدینۂ منورہ پہنچے تو سیدھے اپنی صاحب زادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پہنچے جو ام المؤمنین تھیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس بستر پر آرام فرماتے تھے، وہ بستر بچھا ہوا تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ابا آرہے ہیں۔ اب ظاہر کہ وہ آئیں گے تو بستر پر بیٹھیں گے تو وہ گھر میں داخل ہوں، اس سے پہلے ہی بستر کو لپیٹ کر اٹھا کر رکھ دیا۔ ابوسفیان نے جب یہ منظر دیکھا تو پوچھنے لگے کہ بیٹی! یہ بستر تو نے لپیٹ کر کیوں رکھ دیا؟ کیا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں یا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے؟۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ہمارے گھر کوئی بڑا مہمان آتا ہے تو گھر میں کوئی معمولی چیز بچھی ہوئی ہو تو اس کو اٹھا کر رکھ دیتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے، ذرا اس سے اچھا بچھائیں گے۔ ابوسفیان پوچھ رہے ہیں کہ تم نے یہ بستر کیوں اٹھایا؟ تو اس کے جواب میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کیا کہتی ہیں؟ قربان جائیے ان کی محبت پر!، انھوں نے

فرمایا کہ ابا! آپ مشرک ہیں اور یہ حضور ﷺ کا بستر ہے اور ایک مشرک اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتا۔

بہرحال! حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ محبت تھی، جو تعلق تھا، اس کے باوجود ناگواریاں پیش آتی تھیں، ان کی طرف سے پیش آنے والی ناگواریوں پر صبر کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے۔

تمھاری ماں کو غیرت آ گئی

اندازہ لگاؤ کہ حضور ﷺ کتنا صبر کرتے تھے، بخاری شریف میں واقعہ موجود ہے کہ حضور ﷺ حضرات امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن میں سے ایک کے گھر میں تشریف فرما تھے، امہات المؤمنین میں سے ایک دوسری زوجۂ مطہرہ نے کوئی اچھا کھانا پکایا تھا تو خادمہ کے ذریعہ سے ایک پیالے میں آپ کے لیے وہ کھانا بھیجا۔ جب وہ خادمہ یہ کھانا لے کر کے آئی تو جن کے گھر میں حضور ﷺ تشریف فرما تھے، ان کو غیرت آ گئی کہ میرے گھر میں ہوتے ہوئے دوسری زوجہ کھانا بھیجے؟، اس پیالے پر ہاتھ مارا تو پیالہ گر گیا، پیالہ بھی ٹوٹا اور کھانا بھی گر گیا۔

بخاری شریف کی روایت میں موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ گرے ہوئے کھانے کو جمع کر رہے ہیں اور پیالے کے ٹکڑے بھی آپ ﷺ نے جمع کیے اور آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے: غَارَتْ أُمُّكُمْ کہ: تمھاری ماں کو غیرت آ گئی[۱]۔

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ الغَيْرَةِ، ر:۵۲۲۵

غیرت کا مطلب یہ ہے کہ محبت کے معاملے میں کسی دوسرے کی شرکت گوارا نہ کی جائے، عورتوں میں یہ مادّہ زیادہ ہوتا ہے۔

عورتوں کی غیرت پر ایک لطیفہ

ایک دوست نے لطیفہ سنایا کہ ایک صاحب کی کسی نے دعوت کی، وہ کھانے کے لیے گئے اور پھر گھر آ کر کے کہا کہ آج تو وہاں بہت اچھی "کڑھی کھچڑی" بنی تھی، بیوی نے سن لیا۔ اس کے بعد گھر میں کڑھی کھچڑی ہی نہیں بن رہی ہے، ایک عرصہ گذر گیا، یہ گجراتی آدمی، آٹھ دس دن تک کڑھی کھچڑی نہ ملے تو بے چین ہو جاتا ہے۔ ایک دن کہنے لگا کہ کیا بات ہے، کڑھی کھچڑی گھر میں نہیں پک رہی ہے؟ تو اس پر بیوی نے کہا کہ جاؤ! اسی گھر میں کڑھی کھچڑی پکوا کر کھالو۔ تب پتہ چلا کہ وہ جملہ کھٹکا تھا۔

تو عورتوں کے مزاج میں غیرت کا مادہ ہوتا ہے۔ آپ اندازہ لگائیے کہ کسی دوسرے کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو وہ اپنی بیوی کے ساتھ کیا سلوک کرتا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پر بس یہ جملہ آیا کہ تمھاری ماں کو غیرت آ گئی اور کچھ نہیں کہا، اس خادمہ کو دوسرا پیالہ دیا؛ تاکہ وہاں بھی پتہ نہ چلے کہ یہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں تحمل کس درجہ کا تھا اور اپنی بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کیسا تھا۔

حسن اخلاق کی معتبر سند

اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي کہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے

ساتھ اچھا سلوک کرے اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں [۱]۔

گویا آپ کو اچھائی کا سرٹیفکیٹ ملنا ہے تو یہاں سے ملنا ہے، ساری دنیا آپ کے اخلاق کی تعریف کرے لیکن بیوی کہے کہ نہیں، میاں صاحب اچھی طرح پیش نہیں آتے تو آپ ناکام ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ یہی ہے، اگر ساری دنیا آپ کو بد اخلاق کہتی ہے لیکن بیوی کہتی ہے کہ آپ حسن اخلاق والے ہیں تو آپ حسن اخلاق کے حامل سمجھے جائیں گے۔

اپنوں کو ڈانٹنا اور غیروں کو بانٹنا

آپ دنیا بھر میں تو حسن اخلاق کا مظاہرہ کریں، دنیا والوں کو حسن اخلاق بانٹتے پھیریں اور گھر کے افراد بیوی، بچے اس سے محروم رہیں، ان کو فائدہ نہیں پہنچ رہا ہے، ان کو آپ کے اخلاق سے راحت نہیں پہنچ رہی ہے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟، یہ تو ایسا ہوا کہ باہر والوں کو دعوتیں کھلا رہے ہیں اور گھر کے بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں، آپ کے اخلاق کی ساری دنیا تعریف کر رہی ہے، آپ کے اخلاق سے ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اور آپ کی بیوی آپ کے اس وصف اور خوبی سے محروم ہے!؟، اس لیے اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی سفارش

قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سفارش فرمائی ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا، بَابُ فِي فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، ر:۳۸۹۵.

کہ: ان عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ [النساء۱۹]

حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عورتوں کی سفارش فرمارہے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بھلائی کے ساتھ زندگی گذاریو۔

اور فرماتے تھے کہ اگر آپ کے شہر کا حکومت کا کوئی بڑا عہدے دار آ کر آپ کی بیوی کے متعلق یوں کہے اور سفارش کرے، آئی، جی، پی: انسپکٹر جنرل آف پولیس آ کر آپ سے یہ کہے کہ دیکھیے! یہ جو آپ کی بیوی ہے، وہ میری بیٹی کی سہیلی ہے، اس کا ذرا خیال رکھنا۔

اگر اس نے آ کر کے یہ کہہ دیا تو آپ اندازہ لگائیں کہ وہ جس کا نکاح ہوا ہے، وہ اس لڑکی کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟، ہر وقت وہ اس لڑکی کے ساتھ بڑی احتیاط کے ساتھ پیش آئے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی ذراسی دل شکنی ہو جائے، اس کے ساتھ ذرا سا نامناسب سلوک ہو جائے اور جی پی صاحب کو اس کی اطلاع ہوگئی تو پھر پتہ نہیں ہمارا کیا کرے گا۔ آدمی ڈرا سہا سا رہتا ہے۔

دنیا کے ایک معمولی منصب دار اور عہدے دار کی قوت اور طاقت کا یہ عالم ہے کہ جس کی وجہ سے اس نے جس کو یہ ہدایت کی ہے، وہ آدمی دن رات کے ۲۴ر گھنٹے ٹینشن میں رہتا ہے۔

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے اور سفارش فرمارہے ہیں:
﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء۱۹] کہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا، یہ ہماری بندی ہے، آپ کی بیوی ہے، اور ہم اس کے ساتھ بداخلاقی کے ساتھ پیش آتے

ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟، اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں، حسن سلوک سے پیش آئیں۔

باہر کا غصہ گھر والوں پر نکالنے کا ظالمانہ اور غیر شرعی مزاج

آج کل اس معاملے میں بڑی کوتاہی برتی جاتی ہے اور کمال تو یہ ہے کہ جہاں ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا چاہیے، ان کی تربیت کا معاملہ ہے، دین کا معاملہ ہے، نماز نہیں پڑھتی تو وہاں تو آپ سختی کر سکتے ہیں لیکن یہاں سختی نہیں کرتے، نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے کبھی غصہ نہیں ہوں گے اور سالن میں نمک کم ہے تو پیالہ اٹھا کر کے ماریں گے۔

ارے بھائی! یہ سالن پکا کر دینے کی ذمہ داری بیوی کی نہیں ہے اور آپ اس بنیاد پر اس کو تنگ کر رہے ہیں۔

کبھی بیوی کے بھائی کے ساتھ جھگڑا ہوا اور یہاں بیوی کے اوپر غصہ نکال رہے ہیں، دکان میں کوئی معاملہ ہو گیا تو گھر آ کر اس کا غصہ بیوی پر نکال رہے ہیں، غصہ کسی پر ہے اور نزلہ اس ضعیف اور کمزور پر اتر رہا ہے۔

ہمارے سماج میں یہ سب عام ہو گیا ہے، شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [فاطر۱۸] کہ: ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرے کے اوپر نہیں ڈالا جا سکتا۔

ضرورت ہے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور اسی پر اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کو بڑا اجر و ثواب دیا جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اولاد کی تعلیم وتربیت

اوراس میں دینی اداروں کا عظیم کردار

اقتباس

اللہ کرے! ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ کرنے والے بنیں۔ یہ جو آج کل ہائی فائی زندگی گزاری جا رہی ہے، یہ ہائی فائی لائف تو بلا ہے، مصیبت ہے، اس ہائی فائی لائف نے تو ہمیں دین کا بھی نہیں رکھا اور دنیا کا بھی نہیں رکھا، کسی کام کا نہیں رکھا۔ ذرا عقل کے ناخن لو، ہوش سنبھالو اور سمجھو کہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہم اپنی نسلوں کو کس راستے پر ڈال رہے ہیں؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم:﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَـٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ ۝٦﴾ [التحريم]

وقال تعالىٰ: ﴿وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ أَزۡوَٰجِنَا وَذُرِّيَّـٰتِنَا قُرَّةَ أَعۡيُنٖ وَٱجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝٧٤﴾[الفرقان]

وقال تعالىٰ:﴿أَمۡ كُنتُمۡ شُهَدَآءَ إِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوبَ ٱلۡمَوۡتُ إِذۡ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعۡبُدُونَ مِنۢ بَعۡدِيۖ قَالُواْ نَعۡبُدُ إِلَـٰهَكَ وَإِلَـٰهَ ءَابَآئِكَ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَـٰعِيلَ وَإِسۡحَـٰقَ إِلَـٰهٗا وَٰحِدٗا وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ۝١٣٣﴾ [البقرة]

وقال النبي ﷺ: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[1].

---

(۱) صحيح البخارى، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، باب المرأة راعية في بيت زوجها، ر: ۵۲۰۰

وقال النبی ﷺ:مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ ⑵ .

وقال النبی ﷺ:لأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ ⑶ .

وقال النبی ﷺ:كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ ⑷ .

وقال النبی ﷺ: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ ⑸ .

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

مجلس کے انعقاد کا سبب

محترم حضرات! آج کی ہماری یہ مجلس یہاں دینی تعلیم کا جو سلسلہ جاری ہے، اس کی کارگزاری پیش کرنے اور اس کے ساتھ ساتھ اس مدرسے میں یہاں آس پاس بسنے والے مسلمان شوق اور رغبت کے ساتھ بڑے اہتمام سے اپنے بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجیں، اس کی ترغیب کے لیے منعقد کی گئی ہے۔

⑵ سنن الترمذی،عن أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہم،باب مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الْوَلَدِ، ر:۱۹۵۲.

⑶ سنن الترمذی،عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ،بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الوَلَدِ، ر:۱۹۵۱.

⑷ صحیح البخاری،عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رضی اللہ عنہ،باب مَا قِيلَ فِي أَوْلاَدِ الْمُشْرِكِينَ، ر:۱۳۸۵.

⑸ صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ،باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ، ر:۱۶۳۱.

یہ برکت ہے دنیا میں محنت کی ساری

کارگذاری تو ہمارے سامنے آگئی کہ چھوٹے چھوٹے بچوں نے جس انداز میں ہمارے سامنے قرآن پڑھا، وہ قابلِ داد ہے۔

دیکھئے! ان پر جب محنت کی جارہی ہے تو اس کے کیسے نتیجے برآمد ہورہے ہیں۔ زمین کیسی ہی کیوں نہ ہو، اس زمین پر جب آدمی محنت کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے اچھے نتائج برآمد کراتے ہیں، اعلیٰ اور عمدہ زمین ہے اور اس پر محنت کی جائے تو اچھے اچھے پھول کھلیں گے اور اس میں اچھے اچھے درخت اُگ کر عمدہ قسم کے پھل لائیں گے اور اس میں اچھے اچھے پودے پیدا ہوں گے اور ہم اس سے مختلف غذائیں حاصل کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی راہ میں کی جانے والی کسی بھی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔

مسلمان مسلمان کا بھائی ہے

یہاں جو حضرات مدرسے کی مالی معاونت کرتے ہیں اور دوسری جہتوں سے بھی اس کا خیال رکھتے ہیں، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک جذبہ عطا فرمایا ہے اور ہر مسلمان کے دل میں ایسا جذبہ ہونا چاہیے۔ ان حضرات کو یہاں پڑھنے والوں کے ساتھ کوئی نسبی رشتہ داری نہیں ہے، اگر کوئی رشتہ ہے تو وہ اسلامی اُخوّت اور بھائی چارگی کا۔

قرآن میں باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ [الحجرات:۱۰] ایمان والے آپس میں بھائی ہیں۔ اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ: مسلمان مسلمان کا بھائی

ہے [۱]۔ اور اپنے بھائی کے لیے بھی وہی بھلائی اور خیر چاہنی چاہیے جو آدمی اپنے لیے چاہا کرتا ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چاہے جو اپنے لیے چاہتا ہے [۲]۔ ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ ہماری اولاد نیک بنے، اچھی تعلیم اور تربیت پاوے۔

جہاں دیکھئے فیض اسی کا ہے جاری

اسی جذبۂ اُخوت کے بل بوتے پر مدارسِ دینیہ کا یہ نظام قائم ہے اور لوگ ان میں تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کی ہر طرح سے معاونت کر رہے ہیں اور اس معاونت ومحنت کے کچھ نتائج ہمارے سامنے نمونے کے طور پر پیش کیے گئے، ویسے بھی نمونے کے طور پر چیزیں زیادہ مقدار میں پیش نہیں کی جاتیں۔ اصل تو یہ ہے کہ اندر آویں، دیکھیں، پتہ چلاویں کہ ان کی محنت کیا رنگ لا رہی ہے۔

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں

ہم تو دنیا کے مختلف علاقوں میں آتے جاتے رہتے ہیں، وہاں بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں جو حال ہے، اس کے پیشِ نظر یہاں ہمارے سامنے جو کارگزاری

---

(۱) صحيح البخاری، عن عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، باب لَا يَظْلِمُ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ، وَلَا يُسْلِمُهُ، ر:۲٤٤۲.

(۲) صحيح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ، باب مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، ر:۱۳

آئی، وہ بہت ہی بہتر ہے اور ہمیں اس سے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ ہیں۔ اگر یہاں کے اور آس پاس رہنے والے مسلمان اس کام میں تعاون کریں گے اور ہاتھ بٹائیں گے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ سلسلہ آگے بڑھے گا، اور زیادہ ترقی کرے گا اور اس کے نتیجے میں آپ کی پوری آبادی میں اِن شاء اللہ تعالیٰ ایک ایسا ایمانی انقلاب آئے گا کہ جس کو دیکھ کر ہر مؤمن کا دل خوش ہوسکتا ہے۔

مدرسہ اور اہلِ مدرسہ آپ سے کیسا تعاون چاہتے ہیں؟

آپ کا تعاون اس سلسلے میں کیا ہونا چاہیے؟ مجھے بتایا گیا ہے کہ اس وقت یہاں بچوں کے اولیا سب جمع ہوئے ہیں تو دیکھئے! آپ سے مانگا جانے والا بنیادی تعاون یہ ہے کہ آپ اپنے بچوں کو بڑے اہتمام، توجہ اور پوری سعی کے ساتھ یہاں مدرسے میں بھیجیں اور پھر ان کی جو تعلیم ہورہی ہے، اس تعلیم کو آگے بڑھانے کے سلسلے میں بھی بھرپور کوشش کریں۔

زباں سے کہہ بھی دیا ''لااِلٰہ'' تو کیا حاصل ہے

دیکھیے! ہم لوگوں کا معاملہ بڑا عجیب وغریب ہے: دنیوی تعلیم کے سلسلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے اور دینی تعلیم کے سلسلے میں ہمارا طرزِ عمل کیا ہے، اس کو ذرا دیکھ لیں، جائزہ لے لیں، تب پتہ چلے گا کہ ہم اپنے ایمان کو بڑا قیمتی مایہ کہتے ہیں، یہ محض زبانی دعوی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کو قیمتی مایہ سمجھتے نہیں ہیں، اگر حقیقت میں ہم اس کو قیمتی مایہ سمجھتے تو اس کی حفاظت کے لیے اور اس میں ترقی کے لیے ہم اس سے زیادہ

کوشش کرتے، جتنی کوشش ہم دنیا کے لیے کیا کرتے ہیں۔

کتنی محنت کریں؟

کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کتنے عمل کریں؟ تو جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کے لیے اتنی محنت کرے، جتنا دنیا میں رہنا ہے اور آخرت کے لیے اتنی محنت کرے، جتنا آخرت میں رہنا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آخرت میں کتنا رہنا ہے، ہر مسلمان اس کو جانتا ہے اور اس کے مقابلے میں دنیوی زندگی کی حیثیت کیا ہے؟[۱]۔

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا

یہاں اگر ہزاروں سال گذارے، تب بھی کل قیامت کے دن آدمی یہی کہے گا: ﴿لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ﴾[المؤمنون ۱۱۳] کہ: ہم دنیا میں ایک دن رہے یا ایک دن بھی نہیں، دن کا کچھ حصہ ہی رہے۔ وہاں جائیں گے تو یہاں جو زندگی اور اس کے اوقات گذارے ہیں، اس کی کمی کا احساس ہوگا۔

اس لیے ضرورت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں جو موقع اور فرصت دی ہے، اس سے فائدہ اٹھائیں۔ دنیا کے لیے آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر تکلیف اور مشقت اٹھا کر کوشش کرتا ہے۔

---

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول تو مجھے نہیں ملا؛ البتہ حضرت سفیان ثوریؒ کا ایسا ہی قول حلیۃ الاولیاء میں مذکور ہے: اعْمَلْ لِلدُّنْيَا بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيهَا، وَلِلْآخِرَةِ بِقَدْرِ بَقَائِكَ فِيهَا، وَالسَّلَامُ.(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، ٥٦/٧، وَمِنْهُمُ الْإِمَامُ الْمَرْضِيُّ وَالْوَرِعُ الدُّرِّيُّ أَبُو عَبْدِ اللهِ سُفْيَانُ بْنُ سَعِيدٍ الثَّوْرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ)

انگلش میڈیم کے دیوانے

بہت سے لوگ ہیں جو اپنے بچوں کو انگلش میڈیم اسکول (english medium school) میں پڑھانے کے لیے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرتے ہیں اور بڑی بڑی فیس ادا کرتے ہیں بلکہ نفسِ داخلہ ہی کے لیے بہت بڑی رقم ادا کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور اب تو سنا ہے کہ بچہ ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہے اور یہاں اس کے نام کا اندراج کروایا جارہا ہے، اس کے لیے ریزرویشن (reservation) ہورہا ہے، اس کے لیے اتنا اہتمام ہورہا ہے کہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوا اور بُکنگ (booking) کرانی پڑتی ہے اور پھر وہاں ڈونیشن (donation) کے نام سے مزید رقمیں بھی حاصل کی جاتی ہیں، ڈونیشن کے نام سے بلینک چیک (blank cheque) دیا جاتا ہے، آپ حضرات جانتے ہیں۔

پھر جب داخلہ ہوگیا تو بچوں کو اسکول بھیجنے کا اہتمام کیسا ہوتا ہے: خود بھی اٹھ جاتے ہیں اور ان کو بھی صبح سویرے اٹھا دیتے ہیں، نہلاتے، دھلاتے ہیں، تیار کرتے ہیں، اسکول کا جو یونیفارم (uniform) ہے، اس کا اہتمام کرتے ہیں، اس کو لانے کے لیے پیسے خرچ کیے جاتے ہیں، روزانہ نہلا کر دھلے ہوئے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور ابھی تو اسکول پہنچانے والا گاڑی یا رکشا لے کر آیا نہیں، اس کو آنے میں ابھی تو پندرہ، بیس منٹ دیر ہے، اس سے پہلے ہی اس کو تیار کر کے ماں اس کو لے کر دروازے کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے۔

نہ خدا ہی ملا، نہ وصالِ صنم

پھر وہ اسکول پہنچانے والے رکشے والے کو کرایہ دیا جاتا ہے اور درمیان میں مہینے دو مہینے کی چھٹی آتی ہے، اس کا کرایہ بھی وہ وصول کرتا ہے اور لوگ دیتے بھی ہیں اور شوق سے دیتے ہیں اور اس کے لیے جو بھی طلب کیا جائے، پیسے خرچ کر کے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے بعد نتائج کیا آتے ہیں؟۔

میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اتنی ساری مشقتیں اٹھانے اور اتنا پیسہ خرچ کرنے کے بعد جہاں جہاں جو جو بچے بھیجے گئے تھے، آج ان کی عمر پندرہ سال ہوگئی، بیس سال ہوگئی۔ ذرا ان کو بلا کر پوچھ لیجیے کہ اس کو جس غرض سے انگلش میڈیم میں بھیجا گیا تھا، اس کے پاس کیا سرمایہ ہے؟ کتنی انگلش جانتا ہے؟ اس پر جو خرچ کیا گیا تھا، اس سے اس کو زندگی میں کتنا فائدہ پہنچا؟ اور کیا اس کی وجہ سے اس کو سرکاری سروس میں کوئی اونچا درجہ مل گیا کہ جس کی وجہ سے وہ ہزاروں لاکھوں روپے کما رہا ہو؟ کچھ بھی نہیں، لوگوں کے سر کے اوپر ایک سودا سوار ہے اور اس کے لیے ہزاروں، لاکھوں روپے خرچ کیے جا رہے ہیں!!۔

آپ کے دین وایمان کا فکر کرنے والے

اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام سکھانے کے لیے اللہ کے یہ بندے آپ کے گھروں پر آتے ہیں، آپ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ آپ اپنے بچوں کو بھیجئے۔ کیوں؟ ان کو فکر ہے کہ آپ کے بچوں کا ایمان سلامت رہے، آپ کے گھر میں اسلامی

اور ایمانی ماحول پیدا ہو، آپ کی آنے والی نسلیں ایمان کے اوپر قائم رہیں۔ اسی فکر کی وجہ سے یہ حضرات آپ کے گھروں پر آتے ہیں اور آپ سے درخواستیں کرتے ہیں کہ آپ اپنے بچے مدرسے میں داخل کرو۔

دینی تعلیم کی طرف سے امت کی بے اعتنائی

اب ان کی درخواست پر اگر ہم اپنے بچے ان کے حوالے کرتے بھی ہیں تو پابندی سے ان کی حاضری کا کوئی اہتمام نہیں، ہر جگہ سے یہ شکایتیں موصول ہوتی ہیں کہ بچے دیر سے آتے ہیں۔

پھر مدرسہ بھیجتے ہوئے ان کی تیاری کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟ وہ بچہ خود اٹھ کے آئے تو آئے، ماں باپ تو سوئے ہوئے ہیں، ان کو مدرسے میں بچہ بھیجنے کا فکر نہیں ہے کہ بچہ وقت پر مدرسہ جاوے۔ بعض ماں باپ ایسے ہوتے ہیں جو اس کا اہتمام کرتے ہیں، ورنہ از خود بچہ آوے، اس کو شوق ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ تو مدرسہ بھیجنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

بچوں کو جلدی اٹھا کر مدرسے میں بھیجنے کا اہتمام نہیں ہے، ان کی صفائی، ستھرائی کا کوئی انتظام نہیں، ان کو سبق یاد کرانے کا کوئی فکر نہیں اور اِدھر اسکول کے معاملے میں اتنا پیسہ خرچ کرنے کے باوجود گھر آنے کے بعد بھی ٹیوشن (tuition) کے سلسلے اور ٹیوشن کے اوپر مزید ٹیوشن، ٹیوشن در ٹیوشن اور اس کو جو چاہیے ہوتا ہے، سب گوارا کرلیا

جاتا ہے اور یہاں صرف دو گھنٹے کی تعلیم ہے، اس میں بھی بچہ آیا اور ابھی تو آ کے بیٹھا نہیں کہ انھوں نے کسی اور بچے کو استاذ کے پاس بلانے کے لیے بھیج دیا!! کاہے کو؟ تو کہتے ہیں کہ گھر مہمان آنے والے ہیں۔ ارے بھائی! مہمان کے لیے تم اس کی تعلیم کیوں خراب کرتے ہو؟ مہمانوں کی تم مہمان نوازی کرتے رہو، بچے کی کیا ضرورت ہے؟۔

جس سے تعمیر ہو آدم کی، یہ وہ گل ہی نہیں

بچوں کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں ہم نے جو اپنا مزاج بنا رکھا ہے، یہ ان قوموں کا مزاج نہیں ہے جو ترقی یافتہ ہیں یا جو ترقی کرنا چاہتی ہیں، اقوامِ عالم میں اپنا ایک مقام بنانا چاہتی ہیں، اس کے لیے تو بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔

تربیتِ اولاد کے سلسلے میں غیروں کی محنتیں

آپ غیروں کے یہاں چلے جایئے اور دیکھئے کہ وہ اپنے بچوں پر کیسی محنتیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس آخرت تو ہے نہیں، صرف دنیا ہے، اس کے باوجود ان کے پیچھے کیسی محنتیں کی جاتی ہیں، مشقتیں برداشت کی جاتی ہیں! اس لیے ہمیں اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے پیچھے خاص طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ایمان واسلام کی عظیم دولت سے نوازا ہے، اس دولتِ ایمان کی حفاظت کے لیے اور ہماری آئندہ نسلوں میں یہ سلسلہ جاری رہے، اس کے لیے ہم خاص توجہ دیں۔

تربیتِ اولاد کی اہمیت

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی چیز کی اہمیت کو بتانے کے لیے ایک

بڑے جلیل القدر نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ جو آیتیں میں نے پڑھیں، ان میں ایک آیت یہ تھی: ﴿أَمۡ كُنتُمۡ شُهَدَآءَ إِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوبَ ٱلۡمَوۡتُ﴾ کہ: جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو کیا تم موجود تھے؟۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا مختصر تعارف

پہلے ذرا یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں کون؟ حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں۔ یہ بنی اسرائیل جو ہیں، ان کے بارہ خاندان تھے، یہ درحقیقت حضرت یعقوب علیہ السلام ہی کے بارہ بیٹے تھے، ان سے جو نسل چلی، ان کو ''بنی اسرائیل'' کہا جاتا ہے۔ حضرت یعقوب کا اصل نام تو یعقوب ہی تھا لیکن اسرائیل ان کا لقب تھا، ان ہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہتے ہیں، یہ اللہ کے نبی تھے اور ان کے ابّا حضرت اسحاق علیہ السلام، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، ان کے چچا تھے: حضرت اسماعیل علیہ السلام، وہ بھی اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے، ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ: اللہ کے خلیل، وہ بھی اللہ کے نبی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جتنے بھی نبی دنیا میں آئے، سب کے ابا یعنی ابوالانبیاء، پورا گھرانہ اور فیملی نبوت کا گھرانہ تھا، جیسے شاہی گھرانہ ہوتا ہے نا، روئل فیملی، یہ گویا نبوت فیملی ہے، نبیوں کا گھرانہ! تین پشتوں سے، تین پیڑھیوں سے نبوت کا سلسلہ چل رہا ہے۔

قرآن کا دل نشیں انداز

لیکن ان ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے

اس واقعے کو اس آیت کے اندر بیان فرمایا ہے اور بیان کرنے کے لیے اندازِ بیاں بھی عجیب و غریب استعمال فرمایا: ﴿أَمۡ كُنتُمۡ شُهَدَآءَ إِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوبَ ٱلۡمَوۡتُ﴾ کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم موجود تھے؟۔

جیسے آپ کے شہر ''سورت'' میں کوئی اہم واقعہ پیش آیا جو پورے شہر میں موضوعِ بحث بنا ہوا ہے، ''ٹاپک اِن ٹاؤن'' (in town topic) بنا ہوا ہے، پورے شہر میں اس پر چرچا ہو رہا ہے اور جب وہ واقعہ پیش آیا، اس وقت آپ وہاں موجود تھے، جب لوگ واقعے کا چرچا کر رہے ہوں، اس پر بات چیت ہو رہی ہو، آپ وہاں ہوں تو آپ کیا کہیں گے؟ آپ کہیں گے کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، تم لوگ وہاں موجود تھے؟ لوگ کہیں گے کہ موجود نہیں تھے۔ آپ کہیں گے کہ میں وہاں موجود تھا، وہاں کیا ہوا، میں بتاؤں؟۔

بوقتِ وفات حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں کو اپنے پاس جمع کرنا

یہاں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کر کے فرماتے ہیں: ﴿أَمۡ كُنتُمۡ شُهَدَآءَ إِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوبَ ٱلۡمَوۡتُ﴾ کہ: جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت آیا، کیا تم وہاں موجود تھے؟۔ ظاہر ہے یہ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے کا واقعہ ہے، اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہیں تھے۔

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تھے، ہم بتائیں کہ کیا ہوا تھا؟: ﴿إِذۡ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعۡبُدُونَ مِنۢ بَعۡدِيۖ﴾: جب ان کی موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، قرآن ہی

میں ہے کہ ان کے ۱۲/ بیٹے تھے اور ان ۱۲/ بیٹوں میں ایک اللہ کے نبی تھے: حضرت یوسف علیہ السلام۔ ان سب بیٹوں کو موت کے وقت جمع کر کے اپنے پاس بٹھاتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔

اِس زمانے میں مرنے والے کی آخری چاہت

آپ تصور کریں، ذرا سوچیں: آج اگر کسی کو آثار، قرائن اور نشانیوں سے یہ اندازہ ہو جائے کہ اب میں زیادہ رہنے والا نہیں ہوں، میری آخری گھڑی آ گئی ہے، اس کی بیماری اور حالت ایسی ہے کہ ڈاکٹروں نے جواب دے دیا تو کیا کرے گا؟ کہے گا: ارے بھائی! میرے سب بچوں کو بلاؤ، فلاں بیٹا ممبئی میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں احمد آباد میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، فلاں بیٹی فلاں جگہ ہے، اس کو بھی بلاؤ، سب کو بلا کر کے باپ اپنے پاس بٹھائے گا، نصیحت کرے گا، وصیت کرے گا یعنی آخری اہم باتیں کرے گا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا اپنے بیٹوں سے سوال

یہاں بھی حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو جمع کیا اور جمع کر کے کیا پوچھتے ہیں؟ سوال کیا کرتے ہیں؟ کس بات کی وصیت کرتے ہیں؟ ﴿مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِیۖ﴾ اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے، کس کی عبادت کرو گے؟۔

اپنے بیٹوں کے بارے میں ایک نبی کا فکر

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ بیٹے کون ہیں؟ کن بیٹوں کو یہ نصیحت کی جا رہی ہے؟

ان بیٹوں کو جن کے باپ نبی، جن کے چچا نبی، جن کے دادا نبی، جن کے پردادا نبی اور ان بیٹوں میں بھی خود ایک نبی موجود ہیں۔ ان بچوں سے پوچھا جارہا ہے کہ تم میرے بعد کس کی پوجا کروگے، کس کی عبادت کروگے؟ جن کی پرورش، جن کا نشوونما، جن کی اُٹھان نبوت کے گھرانے میں ہوئی، جن میں تین تین، چار چار پشتوں سے نبوت چلی آرہی ہے، جو ساری دنیا کو ایمان واسلام کی دعوت دیتے ہیں، اس گھر میں جن بچوں کی پرورش ہوئی، بھلا ان بچوں کے متعلق کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں؟ پھر بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اگر کوئی فکر ہے تو کیا فکر ہے؟ کہ میرے بیٹے میرے بعد کس کی عبادت کریں گے؟ میرے بعد ایمان پر قائم رہیں گے یا نہیں؟ ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں گے یا نہیں؟۔

اس واقعے کو قرآن میں بیان کرنے کا مقصد

یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سینکڑوں سال پہلے پیش آیا تھا لیکن قرآن میں اللہ نے اس واقعے کو اس لیے نازل فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، صحابہ کو اور ان کے واسطے سے قیامت تک آنے والے ہر مسلمان کو مخاطب کر کے متنبہ کیا، اس واقعے کو بیان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہمیں یہ سبق دینا مقصود ہے، یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک مسلمان جب دنیا سے جارہا ہو تو اس کو اپنی اولاد کے متعلق کیا فکر ہونا چاہیے۔ یہ فکر ہونا چاہیے کہ ان کے ایمان کا کیا ہوگا، وہ کس کی عبادت کریں گے؟ میرے بعد ایمان پر قائم رہے گی یا نہیں؟ ایمان کے تقاضوں کو پورا کرے گی یا نہیں؟ اور یہ تو اس زمانے کی بات ہے۔

اس پُرفتن دور میں اپنی اولاد کے ایمان کا فکر کیجیے

ہمارے اِس زمانے میں جب کہ ایمان اور اسلام سے برگشتہ کرنے والی، ایمان اور اسلام سے نکالنے والی چیزوں کی بے انتہا کثرت ہوگئی ہے، پوری دنیا اس پر محنت کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے بچے اسلام سے نکل جائیں، ایمان سے محروم ہوجائیں۔ ہر طرف محنت ہورہی ہے، بھرپور کوششیں ہورہی ہے اور اس زمانے کے جتنے ذرائعِ ابلاغ ہیں، پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو، پوری قوت کے ساتھ استعمال کیے جا رہے ہیں، ایسے زمانے میں ہمیں اپنی اولاد کے ایمان کی کتنی زیادہ فکر کرنی چاہیے، اس کا آپ حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں۔

عظیم اسلامی مملکت اندلس کی تباہی

یہ ہمارے مدارس اور مکاتب بڑے اہم ہیں، یہ مکتب بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ جو حضرات اسلامی تاریخ سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یوروپی ممالک میں ایک ملک ہے اسپین۔ اس ملک میں ۸۰۰ر سال تک بڑے جاہ وجلال کے ساتھ مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اور اس کے بعد عیسائیوں نے اس پر اپنا تسلط جمالیا اور اسلامی حکومت ختم ہوگئی۔ اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد ایسا وقت آیا کہ وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہیں رہا۔ بہت سے ہجرت کر کے دوسرے ممالک میں چلے گئے اور بہت سوں کو قتل کر دیا، وہاں مسلمانوں کی نسل ختم ہوگئی۔

جتنے اسلامی علوم ہیں: تفسیر، قرأت، حدیث، فقہ وغیرہ، ان اسلامی علوم میں اسپین

کے علماء کا بہت بڑا حصہ ہے، ان کی بہت ساری کتابیں ہیں، اہلِ علم اس کو جانتے ہیں لیکن وہاں اسلام کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ ہزاروں مسجدوں کو گرجا گھر بنا دیا گیا، اب تھوڑے تھوڑے مسلمان وہاں جا رہے ہیں لیکن وہاں سے اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد وہاں سے اسلام کو بالکل مٹا دیا گیا۔

مکاتب اور اس میں کام کرنے والوں کی اہمیت علامہ اقبال کی نگاہ میں

شاعرِ مشرق علامہ اقبال کہا کرتے تھے کہ ان مدارس ومکاتب کو اسی حال پر رہنے دو کسی نے ان مدارس ومکاتب میں پڑھانے والے مولویوں اور ملاؤں کے متعلق علامہ اقبال سے پوچھا تھا، پوچھنے والے کا مقصد ان پر تنقید کرنا تھا کہ اس طرح یہ مولوی لوگ بچوں کو بے کار کر دینا چاہتے ہیں تو علامہ اقبال نے کہا تھا کہ ان کو رہنے دو اور اپنی جگہ پر کام کرنے دو، اگر یہ نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟ وہ میں اسپین میں دیکھ کر آیا ہوں۔

ہندوستان کو دوسرا اسپین بنانے کا خواب اور ہمارے اکابرین

اور یہ واقعہ ہے کہ لوگوں نے اور خصوصًا انگریز نے یہاں حکومت کرنے کے دوران اس کی بھرپور کوشش کی اور یہ چاہتے تھے کہ ہندوستان کو بھی اس کا نمونہ بنا دیا جائے اور اسلام کو یہاں سے بالکلیہ ختم کر دیا جائے لیکن ہمارے اکابر نے مدارس اور مکاتب کا یہ سلسلہ یہاں شروع کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ان کوششوں کی برکت سے ان کی محنتوں کی لاج رکھ لی اور اس کی بدولت آج ہم اور ہماری نسلیں ایمان اور

اسلام پر قائم ہیں۔

بچوں کی تربیت کی طرف سے ہماری غفلت

مکاتب کا یہ سلسلہ بہت ضروری ہے، بچوں کو بنیادی اسلامی تعلیم سے واقف کرانے کے لیے یہی ایک ذریعہ ہے جو ہمارے پاس ہے۔ بچوں کو اسلامی تعلیم سے آراستہ کرنے کی فرصت ماں باپ کے پاس ہے؟ آج تو باپ کے پاس اپنے بیٹے کو لے کر بیٹھنے کی، اس کے ساتھ بات کرنے کی، اس کو کچھ سکھلانے کی، تعلیم وتربیت کی فرصت نہیں ہے!۔

صبح جب گھر سے نکلتا ہے تو بیٹا سویا ہوا ہوتا ہے اور پھر رات کو بارہ بجے آئے گا، اس وقت بھی بیٹا سویا ہوا ہوگا، وہ کب اُٹھا، کہاں گیا، کس کی صحبت میں رہا کیا سیکھا؟ باپ کو کچھ معلوم نہیں ہے۔

ہاں! اپنے باپ ہونے کا حق ادا کرنے کے لیے سنیچر اتوار کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیسے دئے ہیں، گاڑی دی ہے تو سب بچوں کو اس میں بھر کر کے لے جائے گا تو اولاد کے واسطے پیسہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہے لیکن وہ بھی دنیا کے واسطے۔ دین کے لیے کوئی پیسہ مانگنے آئے گا تو بخل سے کام لے گا۔

مکتب والوں کا احسان مانیے

لیکن تعلیم وتربیت کے لیے ان کو لے کر بیٹھنے کی فرصت نہیں ہے، تم میں سے کتنے ہیں جو روزانہ بچوں کو لے کر بیٹھتے ہوں کہ بیٹا! کلمہ سناؤ، قرآن پڑھ کر سناؤ۔ اسلامی

آداب، اسلامی دعائیں، اسلامی طور وطریق، اسلام کی تعلیمات سکھانے کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ یہ ذمہ داریاں آپ کی تھیں لیکن یہ مکتب والے ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ آپ ان کا احسان مانیں، شکریہ ادا کریں اور آپ اپنے بچوں کو اہتمام کے ساتھ، توجہ کے ساتھ یہاں بھیجنے کی کوشش کریں۔

بچوں کی تعلیم کا مطلب

اب اولاد کی تربیت کیسے کریں؟ دیکھیے! ایک تو تعلیم ہے اور دوسری چیز تربیت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اوامر اور نواہی یعنی جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کرائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کرائیں۔ اس کا نام تعلیم ہے۔ اس میں پہلے خود بھی سیکھنا ضروری ہے؛ اس لیے یہاں جو حضرات ایسے ہیں جنھوں نے ابھی تک سیکھا نہیں ہے تو وہ طے کر لیں کہ ہم إن شاء اللہ تعالیٰ سیکھیں گے۔ آپ پہلے سیکھیں گے تبھی تو اپنی اولاد کو سکھا سکتے ہیں۔

بچوں کی تربیت کا مطلب

تربیت کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو خود بھی بجالاؤ اور اپنی اولاد کو بھی ان کا عادی بناؤ، نماز کا حکم دیا تو خود بھی نمازی بنو اور اولاد کو بھی نمازی بناؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی بچیں اور اپنی اولاد کو بھی ان سے بچانے کا اہتمام کریں: شراب اور جوئے

سے بچنے کا حکم دیا ہے تو خود بھی بچو اور اولاد کو بھی اس سے بچنے کا عادی بناؤ تو یہ جو اولاد کو اس پر ڈالا جا رہا ہے، عادی بنایا جا رہا ہے، اسی کا نام تربیت ہے۔

مکتب تعلیم گاہ ہے اور گھر تربیت گاہ ہے

بچے مکتب میں آتے ہیں، نماز سیکھتے ہیں، اساتذہ نماز تو سکھائیں گے لیکن وہ آپ کے بچوں کو نمازی نہیں بنا سکتے، نمازی تو ماں باپ بنا سکتے ہیں، وہ تو ماں باپ کے ساتھ گھر میں رہے گا۔

یہ اساتذہ آداب سکھا تو سکتے ہیں کہ کھانے کا یہ ادب ہے: ہاتھ دھو کر کھاؤ، داہنے ہاتھ سے کھاؤ، بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، اس طرح لقمہ لو، اس طرح بیٹھو، کھانے کے بعد یہ پڑھو، دستر خوان بچھاؤ۔

یہ ساری چیزیں یہاں مکتب میں سکھائیں گے لیکن اس پر عمل کہاں ہوگا؟ یہاں مکتب میں؟ نہیں، عمل تو گھر میں ہوگا، عمل تو آپ کو کرانا ہے، اگر یہ سکھا دیا گیا تو بچے اس وقت تک عادی نہیں بنیں گے، جب تک کہ آپ اس پر محنت نہیں کریں گے۔

ہمارے گھر بھی ہوٹل کا نمونہ بن کر رہ گئے ہیں

اس زمانے میں ہمارے گھروں کا حال کیا ہو گیا؟ ہمارے ایک دوست بڑی معقول بات کہتے ہیں کہ آج ہمارے گھر ہوٹل بن گئے ہیں، بڑی فائیو اسٹار ہوٹلیں ہوتی ہیں نا، وہاں کیا ہوتا ہے؟ وہاں علیحدہ کمرے بنے ہوئے ہوتے ہیں، ہر آنے والے کا اپنا کمرہ ہوتا ہے، بازو والے کمرے میں کون ہے؟ کچھ پتہ نہیں، مجھے تو اپنے کمرے سے لینا

دینا ہے، یہاں ضرورت کی سب چیزیں ہیں: کھانا یہاں کچن سے وقت پر مل جائے گا، میں نے آرڈر دے رکھا ہے، آجائے گا۔

گھروں میں کیا ہوگیا ہے؟ جتنے بھی بڑے بڑے گھرانے ہیں، بڑی بڑی بلڈنگیں، بڑے بڑے بنگلے ہیں، ان میں باپ کا کمرہ الگ ہے، ماں کا کمرہ الگ ہے، بیٹی کا کمرہ الگ ہے، بیٹے کا کمرہ الگ ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے کمرے میں اپنے اپنے وقت پر آکر سوئے گا: باپ بارہ بجے آکر سوئے گا، بیٹا ایک بجے آکر سوئے گا۔ باپ کو پتہ نہیں کہ بیٹا کب گیا، کب آیا، کس طرح سویا! کچن میں کھانا ہے، آنے والا اپنے وقت پر آکر کھانا گرم کر کے کھالے گا۔

اپنوں سے پرائے پن کا عجیب فیشن

ہوٹلوں میں بھی یہی ہوتا ہے نا؟ وہاں کیا ہوتا ہے؟ لوگ آتے ہیں، پیسے دے کر روم لیتے ہیں، کھانا ان کے کمروں میں پہنچا دیا جاتا ہے یا جہاں ان کو بتا دیا کہ یہاں ریسٹورنٹ ہے، وہاں جا کر کھا لیتے ہیں، ہر کمرے والا اپنے وقت پر آتا ہے، کھاتا ہے اور سوتا ہے، دوسرے کمرے والے سے کوئی لینا دینا نہیں۔

ہمارے گھروں کا بھی یہی حال ہوگیا ہے: اولاد کو ماں باپ سے کوئی لینا دینا نہیں ہے اور اولاد کے ساتھ ماں باپ کو کوئی تعلق نہیں رہا، بڑے چھوٹے کا لحاظ اور آداب کچھ بھی باقی نہیں رہا، سب ختم ہوگیا اور ہم اس پر خوش ہیں۔ اللہ کرے! ہمیں اپنی کمزوریوں کا احساس ہو اور اپنے بچوں کی تربیت کی طرف توجہ کرنے والے بنیں۔

ہائی فائی اور پرتعیش طرزِ زندگی نے ہمیں تباہ کردیا

یہ جوآج کل ہائی فائی زندگی گذاری جارہی ہے، یہ ہائی فائی لائف تو بلا ہے، مصیبت ہے، اس ہائی فائی لائف نے توہمیں دین کا بھی نہیں رکھا اور دنیا کا بھی نہیں رکھا، کسی کام کا نہیں رکھا۔ ذرا عقل کے ناخن لو، ہوش سنبھالو اور سمجھو کہ ہم کہاں جارہے ہیں؟ ہم اپنی نسلوں کو کس راستے پر ڈال رہے ہیں؟۔

یہ اولاد کے حقوق کی صحیح ادائیگی نہیں ہے

آج ماں باپ اولاد سے بے گانہ بنے ہوئے ہیں، بہت بہت تو سنیچر یا اتوار کو بچوں کے ساتھ وقت گذارنے کا موقع ملتا ہے، اس فرصت کے وقت کو بھی اِدھر اُدھر گھومنے میں ضائع کردیا جاتا ہے: سنیچر کی شام اپنے بچوں کو گاڑی میں بھر کر کسی گارڈن (garden) میں یا کسی بیچ (beach) کے اوپر، ساحلِ سمندر کے اوپر یا ہِل اسٹیشن (hill station) پر یا اپنے شہر ہی کے اندر کسی گارڈن میں یا کسی کھانے پینے کی یا تفریح کی جگہ لے جائے گا۔ وہاں اچھا سا کھانا کھلائے گا اور گھوم پھر کر رات کو آئیں گے پھر دو بجے تک ٹی وی دیکھا اور سو گئے۔

کل تو اتوار ہے، نہ فیکٹری جانا ہے، نہ دوکان جانا ہے، نہ دفتر میں حاضری دینی ہے؛ اس لیے خوب سولو۔ نماز کا کیا ہوگا؟ اس کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس کا تو کوئی فکر ہی نہیں، ظہر تک، عصر تک سو گئے۔

میں نے ذمہ داروں سے کہا تھا کہ میرے پاس وقت تو ہے نہیں، آپ ساڑھے

سات بجے کا اعلان کریں۔ یہ کہنے لگے کہ لوگ کیسے آئیں گے! میں نے کہا کہ میں بھی کیا کروں! میرے پاس بھی وقت نہیں ہے۔ سب تو اس وقت میں سوتے نہیں ہیں کیوں کہ ہماری دوسری ذمہ داریاں بھی ہیں۔

میں تو آپ حضرات کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ باپ اپنے بچوں کو لے گیا اور رات میں دیر سے آیا اور سو گیا تو کیا اس سے باپ ہونے کا حق ادا ہو گیا؟ باپ کی جو دوسری ذمہ داری ہے: اولاد کی تربیت کی، ان کو اخلاق وآداب سکھانے کی۔ کیا اس نے یہ ذمہ داری پوری کی؟ نہیں! اسی طرح پوری زندگی گذر جاتی ہے۔ اپنی اولاد کو دینی تعلیم اور تربیت سے آراستہ کرو۔

دنیوی تعلیم ممنوع نہیں ہے

یہ مولوی حضرات لوگوں کو دنیوی تعلیم سے منع نہیں کرتے، ہم تو بے دینی سے منع کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بناؤ، مسلمانوں کو ڈاکٹروں کی بہت ضرورت ہے۔ وکیل بناؤ، مسلمانوں کو وکیلوں کو ضرورت ہے۔ انجینیر بناؤ لیکن وہ ڈاکٹر بننے کے ساتھ مسلمان بھی بننا چاہیے۔ آئی ایس (i.s) آفیسر بناؤ لیکن وہ آئی ایس آفیسر مسلمان ہونا چاہیے۔

دین کو قربان کر کے دنیوی تعلیم نہیں دی جاسکتی

آج کیا ہو گیا ہے؟ اگر کوئی مسلمان بڑے عہدے پر پہنچتا ہے تو کسی غیر سے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچتا، جتنا اس سے پہنچتا ہے تو اس کو تعلیم دلانے سے حاصل کیا ہوا؟ دنیوی تعلیم دو لیکن دین کو قربان کر کے دنیوی تعلیم نہیں دی جاسکتی۔ دین کو

قربان کر کے تو کوئی چیز حاصل نہیں کی جا سکتی، یہ سودا تو بڑا مہنگا، بڑا خطرناک اور ہلاک کرنے والا ہے، ہم اس سودے کی اجازت نہیں دے سکتے۔

اگر آپ اپنی اولاد کو دنیوی تعلیم دے رہے ہیں تو آپ کو ان کی برابر نگرانی رکھنی ہے کہ ذرّہ برابر دین سے ہٹنے نہ پائے۔ ڈاکٹر بناؤ، مسلمانوں کو ڈاکٹروں کو ضرورت ہے لیکن کیسے ڈاکٹروں کی؟ مسلمان ڈاکٹروں کی! اب یہ ڈاکٹر تو بن گیا لیکن مسلمان نہیں رہا تو پھر جو غرض تھی، وہ تو پوری نہیں ہوئی۔ جس ضرورت کے لیے اس کو ڈاکٹر بنایا تھا، وہ ضرورت تو پوری نہیں ہوئی، مسلمان ایسی صورت میں پیسے دے کر دوسرے ڈاکٹروں سے ضرورت پوری کریں گے۔

عالم بنانا ضروری نہیں، دین دار بنانا ضروری ہے

ہمیں اپنے دین کے اوپر قائم رہنے کی اور اللہ اور اس کے اس کے رسول کی تعلیمات کو اپنی زندگی کے اندر اتارنے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ اپنے بچوں کو مدرسوں کے اندر بھیج کر مولوی اور عالم بنائیں، ان کو مسلمان بنانا ہے، دین دار بنانا ہے۔ اگر عالم بنایا اور عمل نہیں ہے تو عالم بنانا بھی کام کا نہیں ہے۔ بس! اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی طرف توجہ کریں اور انھیں مسلمان بنانے اور دین دار بنانے کا فکر کریں۔

بچوں کی تربیت کے لیے خون کے گھونٹ بھی پینے پڑتے ہیں

یاد رکھنا! بچوں کو مدرسوں کے اندر بھیجنا انھیں دین دار بنانے کی گارنٹی نہیں ہے، اتنا

ہے کہ کالجز اور اسکولوں میں جتنی خرابیاں ہیں، یہاں اتنی خرابیاں نہیں ہیں، باقی تربیت تو کرنی پڑے گی، بیٹھے بٹھائے کچھ ہونے والا نہیں ہے، ہم یہ چاہیں کہ تیار مل جائے تو یہ ناممکن ہے، بچوں کی تربیت کے لیے ماں باپ کو خون کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں، اس کے لیے بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔

قیامت کے دن اولاد کے متعلق پوچھا جانے والا سوال

اور یہی وہ مرحلہ ہے جو بڑی اہمیت کا حامل ہے اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں متوجہ کیا: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ: تم میں سے ہر آدمی نگران ہے: بڑا ہے، بزرگ ہے تو اس کے ماتحت میں جو لوگ ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں ان کے متعلق اس سے سوال کیا جائے گا، پوچھا جائے گا کہ تم نے اپنی بیوی، بچوں کی کیسی تربیت کی؟ ان کو دین سے کتنا واقف کیا؟ دین پر عمل کرنے کی کتنی عادت ڈالی؟ گناہوں سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا؟ دنیا میں ان کو دین کے اعتبار سے کس حال میں چھوڑ کر آئے؟ یہ نہایت ہی اہم سوال ہے جو قیامت کے دن ہر ایک سے ہوگا اور ہر ایک کو اس کا جواب دینا پڑے گا۔

اولاد کے دنیوی امور کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوگا

قرآن کی کسی آیت میں یا کسی حدیث میں یہ نہیں آیا ہے کہ قیامت کے دن یہ پوچھا جائے گا کہ آپ اپنی اولاد کے لیے کیا مال وجائداد چھوڑ کر آئے۔ اگر ایسی کوئی حدیث ہو تو مہربانی کر کے مجھ کو بتاؤ کہ باپ سے یہ پوچھا جائے گا کہ تمھارے چار بیٹے

تھے، تم نے ہر ایک کے لیے الگ الگ بنگلہ کیوں نہیں بنایا؟ ہر ایک کے لیے الگ الگ کار کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ ہر ایک کے لیے اتنا بینک بیلنس کیوں نہیں چھوڑا؟ ہر ایک کے لیے الگ الگ دوکان اور فیکٹری کیوں نہیں چھوڑی؟ ایسا کسی روایت میں نہیں ہے۔

آپ کو تو یہ پوچھا جائے گا کہ بچوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کیا تھا یا نہیں؟ جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا، ان کاموں کی عادت ڈالی تھی یا نہیں؟ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا، ان کاموں سے واقف کرانے کے بعد ان کاموں سے بچنے کی عادت ڈالی تھی یا نہیں؟۔

بچوں کو غلطیوں پر محبت سے سمجھائیں

آج تو باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو غلط کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو بھی کچھ کہتا نہیں، اس کی ایمانی غیرت بچے کی یہ حرکت دیکھ کر ذرّہ برابر بھی جوش میں نہیں آتی کہ اس کو روکے، منع کرے۔ مارنے کی ضرورت نہیں ہے، محبت سے سمجھائے، چاہے چھوٹی سی بات ہو لیکن روکے۔

تربیتِ اولاد کا نبوی انداز

مسلم شریف میں روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نواسے اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے صاحب زادے چھوٹے تھے، دوڈھائی سال

کے ہوں گے۔ گھر میں کھجوروں کا ایک ڈھیر تھا، صدقے کی کھجوریں الگ رکھی جاتی تھیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس میں سے کھجور کا ایک دانہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ نہیں چلا کہ انھوں نے کھجور کا دانہ منہ میں رکھ لیا ہے۔ چھوٹا بچہ جب کوئی میٹھی چیز کھاتا ہے نا تو منہ سے رال ٹپکتی ہے۔ ان کے منہ سے بھی رال ٹپکنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا کہ انھوں نے کھجور منہ میں رکھی ہوئی ہے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کھجور منہ میں سے نکلوائی اور فرمایا: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّا لاَ نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، ہمارے واسطے صدقہ جائز نہیں ہے۔

دیکھئے! حضرت حسن رضی اللہ عنہ دو ڈھائی سال ہی کے بچے تھے۔ صدقہ کیا ہے؟ ہدیہ کیا ہے؟ انھیں اس کا کچھ علم نہیں ہے، صدقے کی حقیقت سے ایک چھوٹا سا بچہ واقف بھی کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے باوجود یہ جملہ ارشاد فرمارہے ہیں کہ تمھیں معلوم نہیں کہ ہم صدقہ نہیں کھاتے ؟!۔

بچپن میں کی ہوئی نصیحت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھا رہے ہیں، مار نہیں رہے ہیں، اس سے ہم کو سمجھایا جارہا ہے کہ بچے کو مارومت، اس کو اچھی طرح سمجھاؤ۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عمر کی جس منزل سے گذر رہے تھے، ان میں یہ جملہ سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی لیکن یہ عمر کا وہ مرحلہ ہے کہ جب ایسی بات کہی جاتی ہے تو بچے کے دل ودماغ میں نقش ہوجاتی ہے، ریکارڈ ہوجاتی ہے، بچہ اس جملے کا مطلب نہیں سمجھتا لیکن یاد ہوجائے گی۔ بڑے ہونے کے بعد یاد آئے گا

کہ ابّا نے کہا تھا اور اس کا مطلب بھی اس وقت سمجھ میں آ جائے گا، اس مرحلے میں کی ہوئی نصیحت ایسی اثر کرتی ہے کہ زندگی بھر کام دیتی ہے۔ یہ ہے تعلیم کا اثر اور فائدہ۔

اس لیے ضرورت ہے کہ بچوں کو ان چیزوں سے آگاہ کیا جائے، محبت اور شفقت سے بتایا اور سمجھایا جائے، لاڈ پیار کے ساتھ غلط حرکتوں سے روکا جائے۔

ٹی وی کی تباہ کاریاں

اب تو لوگ اپنے گھر کے اندر ٹی وی لا کر ڈال رہے ہیں، یہ تو ہم خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی اولاد کو بگاڑنے کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ ٹی وی پر کیا آتا ہے؟ اس پر کیسے مناظر دکھلائے جاتے ہیں؟ بچے اس سے کیا سیکھ رہے ہیں، ان پر اس کا کیا اثر پڑ رہا ہے۔ ہر ایک کو معلوم ہے، کچھ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اشتہارات جس کو آپ خطرناک نہیں سمجھتے، اب چیزوں کے ان ہی اشتہارات کو دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر بچہ کے دل میں ان چیزوں کے استعمال کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، بچہ ہی کیا! بڑوں کو بھی اس کی خواہش ہو جاتی ہے۔

اب ماں باپ کی مالی پوزیشن (position) ایسی نہیں ہے تو اس چیز کو حاصل کرنے کے لیے بچہ کیا کرے گا؟ چوری کرے گا۔ اپنے گھر چوری کرے گا اور اگر اس سے ضرورت پوری نہیں ہوئی تو آگے بڑھ کر دوسروں کے گھروں سے چوری کرے گا، آگے اس کے لیے اور تدبیریں کرے گا۔ یہ تو ان مناظر کی بات ہے جو بظاہر بے ضرر معلوم ہوتے ہیں۔ باقی ان مناظر کو دیکھ کر بچوں پر کیا اثر مرتب ہوتا ہوگا جس کو سبھی ضرر

رساں سمجھتے ہیں۔

اس لیے بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کرنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اولاد: اللہ تعالیٰ کی نعمتِ عظمیٰ
اور بندوں کی طرف سے اس کی ناشکری

اقتباس

اور آج کل اسی کے لیے سب کچھ ہو رہا ہے کہ اولاد کو انگلینڈ اور پناما بھیج دو، کناڈا اور بارباڈوس بھیج دو جہاں اس کی بہترین تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے، اگر ان سے پوچھو کہ بھائی! ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے تو جیسے تیسے زندگی گذار دی، وہاں جا کر کم از کم ان کی دنیا تو بن جائے! لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہماری وہ اولاد جو وہاں گئی تھی، ان کی نئی نسلیں دین کے اعتبار سے، اخلاق و آداب کے اعتبار سے کس سطح پر پہنچ گئی ہیں؟ اور اس کے بعد آنے والی نسلوں کا کیا ہوا؟ کیسی پیدا ہوئیں اور کیسی پیدا ہوں گی؟ اور وہ دین کا کیا ذوق رکھے گی؟ اخلاق و آداب کی حامی ہوگی؟ اس کے متعلق آپ خود سوچ سکتے ہیں۔ سوچ کر کے کچھ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اسی کو ہم مستقبل اور ''بھوِشیہ'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی کو بجائے باجرے اور جوار کی روٹی کے گیہوں کی روٹی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی کو ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا بھوِشیہ سدھر گیا، اس کا مستقبل بن گیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم:﴿وَإِن تَعُدُّواْ نِعۡمَةَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآۗ﴾[النحل۱۸]

وقال تعالىٰ:﴿ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ ٱلنَّعِيمِ ۝٨﴾ [التكاثر]

وقال تعالىٰ:﴿لَئِن شَكَرۡتُمۡ لَأَزِيدَنَّكُمۡۖ وَلَئِن كَفَرۡتُمۡ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٞ ۝٧﴾

[ابراهيم]

وقال تعالىٰ: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ ۝٦﴾ [التحريم]

وقال تعالىٰ: ﴿وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ أَزۡوَٰجِنَا وَذُرِّيَّٰتِنَا قُرَّةَ أَعۡيُنٖ وَٱجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝٧٤﴾[الفرقان]

وقال تعالیٰ: ﴿أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ ٱلْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِى ۖ قَالُوا۟ نَعْبُدُ إِلَـٰهَكَ وَإِلَـٰهَ ءَابَآئِكَ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ إِلَـٰهًا وَٰحِدًا وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٣﴾﴾ [البقرة]

وقال النبی ﷺ: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ①

وقال النبی ﷺ: مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ②

وقال النبی ﷺ: لأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ③.

وقال النبی ﷺ: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ④.

وقال النبی ﷺ: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ⑤.

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار ممکن نہیں ہے

میرے قابلِ احترام بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو بے شمار مختلف

---

① صحيح البخارى، عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما، باب المرأة راعية في بيت زوجها، ر: ۵۲۰۰.

② سنن الترمذى، عن أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہم، باب مَا جَاءَ فِى أَدَبِ الْوَلَدِ، ر: ۱۹۵۲.

③ سنن الترمذى، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضی اللہ عنہ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الوَلَدِ، ر: ۱۹۵۱.

④ صحيح البخارى، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا قِيلَ فِي أَوْلاَدِ الْمُشْرِكِينَ، ر: ۱۳۸۵.

⑤ صحيح مسلم، عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ، ر: ۱۶۳۱.

نعمتوں سے نواز رکھا ہے، اس کائنات کی تخلیق ہی انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے کی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا یہ سلسلہ دن رات بارش کی طرح جاری وساری ہے، بقول حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے: بارش کے قطروں کو شمار کیا جا سکتا ہے، صحرا کی ریت کے ذرّوں کو شمار کیا جا سکتا ہے، آسمان کے ستاروں کو شمار کر سکتے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ﴿وَإِن تَعُدُّواْ نِعۡمَةَ ٱللَّهِ لَا تُحۡصُوهَآ﴾ اگر تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت کو شمار کرنا چاہو تو اس کا احصاء، اس کا شمار نہیں کر سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت متعدد نعمتوں پر مشتمل ہوتی ہے

نِعۡمَةَ ٱللَّهِ واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''اکابر کا رمضان'' میں ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، اس واقعے کے ضمن میں اپنے شیخ اور مرشد حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، مہاجرِ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک نعمت کے اندر اتنی بے شمار نعمتیں چھپی ہوئی ہیں کہ آدمی اس کو شمار نہیں کر سکتا۔

ایک روٹی کے پیچھے لگنے والی بے شمار محنتیں

آپ حضرات فضائلِ صدقات تو سنتے ہیں، اس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی کسی اللہ والے کے یہاں مہمان ہوا اور انھوں نے اس کے سامنے روٹیاں لا کر کے رکھیں۔ اب وہ روٹیوں کو اُلٹ پُلٹ کر دیکھ رہا ہے کہ

کچی پکی، جلی بھنی ہیں۔ ان بزرگ نے کہا کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ روٹی تیار ہو کر میرے اور آپ کے سامنے آئی، وہاں تک اس کے اوپر ۳۶۰/ محنتیں لگی ہیں، اللہ کی ۳۶۰/ مخلوق نے اس روٹی کے تیار کرنے میں اپنی اپنی محنتوں کو لگایا ہے۔

شرط انصاف نبود کہ تو فرمان نبری

پھر انھوں نے ان محنتوں کو شمار کرایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نعمتوں کی تقسیم کے لیے ایک فرشتے حضرتِ میکائیل علیہ السلام کو مقرر فرمایا ہے، اس کے بعد محنتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند		تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

کہ: بادل اور ہوا، سورج اور چاند، آسمان، اللہ کی یہ ساری مخلوقیں محنت اور کام میں لگی ہوئی ہیں، کاہے کے واسطے؟ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری: تا کہ تم روٹی حاصل کر کے اس کو غفلت سے نہ کھاؤ، اللہ سے غافل ہو کے تم اس کو استعمال نہ کرو۔

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمان بردار		شرط انصاف نبود کہ تو فرمان نبری

اللہ کی یہ ساری مخلوق تیرے لیے چکر کاٹ رہی ہے، محنت کر رہی ہے اور تیری اطاعت اور فرماں برداری میں لگی ہوئی ہے، یہ کوئی انصاف کی بات نہیں ہے کہ تم اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری نہ کرو۔

ہم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو ہماری خدمت میں لگا رکھا ہے، ﴿وَأَسْبَغَ

عَلَيْكُمْ نِعَمَهُۥ ظَٰهِرَةً وَبَاطِنَةً ﴾[لقمان۲۰] باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس نے تمھیں اپنی نعمتوں سے ڈھانپ رکھا ہے، ظاہری نعمتیں بھی اور باطنی نعمتیں بھی۔ جب اتنی ساری نعمتیں ہیں تو بھلا اس کا شکر کون ادا کرسکتا ہے؟۔

انسان کی ہر سانس اپنے اندر دو نعمتیں لیے ہوئے ہے

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ عجیب جملہ ارشاد فرمایا ہے، غالبًا گلستاں کے شروع ہی میں ہے: ہر نفسے کہ بیروں می رود، مُمِدِّ حیات است و چوں برمی آید، مُفرّحِ ذات۔ پس در ہر نفسے دو نعمت موجود و بر ہر نعمتے شکرے واجب است، کہ: ہر وہ سانس جو اندر جاتی ہے، وہ آدمی کی زندگی کو بڑھانے والی ہے- ظاہر ہے کہ اندر سانس نہیں جائے گی تو آدمی کی زندگی کیسے باقی رہے گی- و چوں برمی آید، مُفرّحِ ذات: اور جب وہ سانس باہر آتی ہے تو آدمی کو ایک فرحت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے- اس لیے کہ اگر اندر کی سانس اندر رہ جائے تو آدمی گھُٹن محسوس کرتا ہے، تنگی محسوس کرتا ہے، جب باہر آتی ہے تو اس کو فرحت اور مسرت کا احساس ہوتا ہے- پس ہر در نفسے دو نعمت موجود: ہر سانس کے اندر دو نعمتیں پوشیدہ ہیں: اس کا جانا بھی نعمت ہے اور باہر آنا بھی نعمت ہے۔ و بر ہر نعمتے شکرے واجب است: اور اللہ کی ہر نعمت کے اوپر شکر واجب ہے۔ بندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کہاں ادا کرسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ممکن نہیں ہے

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿ ٱعْمَلُوٓا۟ ءَالَ دَاوُۥدَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ

ٱلشَّكُورُ﴿۱۳﴾ [سبأ]: اے داود کے گھرانے والو! - یا پھر یہ کہ خود حضرت داود علیہ السلام کو خطاب ہے کہ اے داود! - اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ میرے بندوں میں سے بہت کم شکر گذار ہیں۔ حضرت داود علیہ السلام نے عرض کیا: أيْ رَبِّ كَيْفَ أشْكُرُكَ، وَشُكْرِي لَكَ نِعْمَةٌ مُجَدَّدَةٌ مِنْكَ عَلَيَّ کہ اے باری تعالیٰ! آپ کی نعمتوں کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؛ اس لیے کہ آپ کا شکر ادا کریں گے تو آپ کا شکر ادا کرنا یہ بھی آپ کی ایک نعمت ہے، اب پھر اس کا شکر ادا کیا جائے گا تو ہم تو آپ کا شکر کیسے ادا کر سکتے ہیں؟ ہم آپ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہیں تو باری تعالیٰ نے فرمایا: يَا دَاوُدُ الْآنَ شَكَرْتَنِي کہ: اے داود! اب جا کر تم نے شکر ادا کیا، تم یہ سمجھ گئے کہ میرا شکر ادا نہیں ہوسکتا، یہی کافی ہے[1]۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع تعلیمات پر قربان

قربان جایئے نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر اور آپ کی تربیت پر کہ آپ نے ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے بتلانے سے ایسی ایسی دعائیں تعلیم فرمائی کہ ان کو پڑھ لینے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا ہوجاتا ہے۔ ان دعاؤں کو گویا شکر کے قائم مقام قرار دے دیا گیا۔

بے شمار نعمتوں کی شکر گذاری کا آسان نبوی نسخہ

ایک آدمی اگر صبح کے وقت کہتا ہے: اللّٰهُمَّ مَا أَصْبَحَ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَو بأحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ: اے اللہ! آج

(۱) تفسیر القرطبی، تحت قوله تعالیٰ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ ۹/ ۳۴۳.

صبح کے وقت تیری جتنی بھی نعمتیں مجھے یا تیری دوسری مخلوق کو ملی ہیں، وہ تیری ہی طرف سے ہیں، اس لیے ساری تعریفیں، سارا شکر تیرے ہی لیے ہے۔ کوئی بندہ اگر صبح کے وقت یہ پڑھ لے تو گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کر دیا۔

شام کو اگر کہے: اللَّهُمَّ مَا أَمْسىٰ بِي مِنْ نِعْمَةٍ أَو بأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لاَ شَرِيكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ، أَصْبَحَ کی جگہ أَمْسىٰ کہا جاتا ہے: اے اللہ! آج شام کے وقت تیری جتنی بھی نعمتیں مجھے یا تیری دوسری مخلوق کو ملی ہے، وہ تیری ہی طرف سے ہیں، اس لیے ساری تعریفیں، سارا شکر تیرے ہی لیے ہے تو گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا حق ادا کر دیا[1]۔

ہماری غفلت اور کوتاہی کی انتہا

بندہ تو کیا شکر ادا کرتا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ احسان فرمایا کہ نبیٔ کریم ﷺ کے صدقے اور طفیل میں اس دعا کی برکت سے یوں سمجھا جائے گا کہ اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کر دیا لیکن ہمیں ایسی دعائیں یاد کرنے اور پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ ہمیں نبیٔ کریم ﷺ نے تو بتلا دیا لیکن ہم ان چیزوں کو سیکھ کر عمل میں لانے کا کتنا اہتمام کرتے ہیں؟۔

انسان کو راہِ راست سے بھٹکانے کا شیطانی عہد

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکر عجیب وغریب چیز ہے، اسی راستے سے شیطان

---

① سنن أبی داود، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ غَنَّامٍ الْبَيَاضِيِّ رضی اللہ عنہ، باب مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ، ر:۵۰۷۳.

انسان کا راستہ مارتا ہے، وہ انسان کو اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنے سے دور رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے شیطان کو جب اپنی بارگاہ سے مردود کیا تو اس وقت شیطان نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مہلت مانگی: ﴿رَبِّ فَأَنظِرۡنِيٓ إِلَىٰ يَوۡمِ يُبۡعَثُونَ ۝٧٩﴾ [ص] کہ: مجھے لوگوں کو موت کے بعد دوبارہ پیدا کیے جانے کے دن تک مہلت دیجیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت کے دن تک کے لیے مہلت عطا فرمائی۔

اس وقت شیطان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑی جرأت کے ساتھ یہ دعوی کیا تھا: ﴿ثُمَّ لَأٓتِيَنَّهُم مِّنۢ بَيۡنِ أَيۡدِيهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ أَيۡمَٰنِهِمۡ وَعَن شَمَآئِلِهِمۡۖ وَلَا تَجِدُ أَكۡثَرَهُمۡ شَٰكِرِينَ ۝١٧﴾[الأعراف] کہ: اے باری تعالیٰ! تیرے ان بندوں کو، انسانوں کو گمراہ کرنے کے لیے میں ان کے آگے سے، ان کے پیچھے سے، ان کے دائیں سے، ان کے بائیں سے ان کے اوپر حملہ کروں گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ﴿لَا تَجِدُ أَكۡثَرَهُمۡ شَٰكِرِينَ﴾ اے باری تعالیٰ! تو ان بندوں میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم سے بڑا ناشکرا کوئی نہیں ہے۔

لاکھوں نعمتوں کی ناشکری اور ایک زحمت پر شکایتیں!

ہم ہر لمحہ، ہر گھڑی اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں استعمال کرتے ہیں لیکن ذرا سی کوئی تکلیف آگئی تو شکایات کا دروازہ کھل جاتا ہے: کوئی بیماری آگئی، پیٹ میں درد ہو رہا ہے تو کہتے ہیں کہ بہت تکلیف ہو رہی ہے۔

عین اس وقت جب پیٹ میں درد ہو رہا ہے، وہ سانس لے رہا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہوا کو اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اللہ کی ایک اور نعمت آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کانوں سے سن رہے ہیں۔ عین اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار نعمتیں استعمال کر رہے ہیں، بس ایک تکلیف پہنچ گئی پیٹ درد کی تو شکایتوں پر اتر آتا ہے۔

تکلیف اور بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے

اور اس میں بھی آدمی غور کرے اور دیکھے تو یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا عجیب نظام ہے کہ آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو بیماری کے وقت سب لوگ قریب آ جاتے ہیں: بیٹے کہتے ہیں: ابّا بیمار ہو گئے؟ سب بیٹے اپنا کام کاج چھوڑ کر باپ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، بیٹیاں اپنے گھر کے کام کاج چھوڑ کر باپ کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں، بیوی خدمت میں لگی ہوئی ہے، دوست فون کر رہے ہیں کہ سنا ہے کہ آپ کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔

آدمی کو اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ اس سے محبت کرنے والے اور اس کو چاہنے والے کتنے ہیں، جب تک یہ بیماری کی کیفیت طاری نہیں ہوئی تھی، اس کا اندازہ کہاں ہونے والا تھا؟، اس کا بھی احساس اور ادراک ہونا چاہیے کہ یہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ ہر کس و ناکس کو عطا نہیں فرماتے۔

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بیماری ظاہر کرنے کا عجیب انداز

ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی

رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں جو ''حضرت میاں صاحب'' کے نام سے مشہور ہیں، دیو بند ہی کے رہنے والے تھے، ان کے متعلق حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کا مزاج عجیب وغریب تھا اور تربیت کا انداز بھی عجیب وغریب تھا۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب وہ بیمار ہوئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ حضرت! کیا حال ہے؟ تو فرمایا: الحمد للہ! میری آنکھیں سلامت ہیں، میں اس سے دیکھنے کا کام لے رہا ہوں، میری زبان سلامت ہے، میں اس سے بولنے کا کام لے رہا ہوں، میرے کان سلامت ہیں، میں اس سے سننے کا کام لے رہا ہوں۔ دیر تک مختلف چیزیں شمار کراتے رہے پھر فرمایا: بس ذرا سا بخار ہے۔

دیکھو! بخار کو کس طرح بیان کر رہے ہیں! اگر ہم اور آپ ہوتے تو اس بخار کو اس انداز سے پیش کرتے کہ اللہ کی ساری نعمتوں کو پسِ پشت ڈال دیتے۔

تعبیر اور سوچ کا فرق

ہر ایک کی سوچ کا، اس کے دیکھنے کا انداز الگ ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک گلاس ہے جو آدھا دودھ سے بھرا ہوا ہے تو ایک آدمی یوں کہے گا کہ آدھا خالی ہے۔ اس کی تعبیر دیکھو کہ اس میں جو دودھ ہے، اس کو بیان نہیں کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ آدھا خالی ہے اور ایک دوسرا آدمی یوں کہے گا کہ آدھا گلاس دودھ سے بھرا ہوا ہے۔

بہر حال! آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا ہر وقت ادراک اور احساس ہونا

چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں مجھ پر ہیں۔

روٹی میں لگنے والی محنتوں کا مختصر خاکہ

ان بزرگ نے اس مہمان سے فرمایا کہ کیا دیکھ رہے ہو؟ یہ روٹی تیار ہو کر کے آئی، وہاں تک اس میں ''۳۶۰'' محنتیں لگی ہوئی ہیں۔اس کے بعد محنتیں گنوائیں کہ کھیت جوتنے میں بیل کی محنتیں ہیں، ہل کی محنت لگی، ہل بنانے والا بڑھئی ہے، اس کی محنت لگی، ہل میں جو لوہا لگا ہوا ہے تو لوہار کی محنت لگی۔اگر آپ کہیں کہ آج کل تو ٹریکٹر کا زمانہ ہے تو میں کہوں گا کہ اس میں محنتوں کی تعداد اور بھی بڑھ گئی۔ہل تو ایک ہی لوہار یا بڑھئی بناتا تھا اور ٹریکٹر کو تو ۳۰۰-۴۰۰ مزدور فیکٹری کے اندر بناتے ہیں تو اب تو ۳۶۰ر کے بجائے کہہ سکتے ہیں کہ ہزاروں محنتیں لگی ہوئی ہیں۔

بہر حال! دانہ کو زمین کے اندر ڈالا گیا، اس کے بعد اس کے اوپر بارشیں برسیں اور پھر سورج نے اپنی کرنوں کے ذریعہ اس کو فائدہ پہنچایا، چاند کے ذریعہ اس کو فائدہ پہنچا، پھر وہ تیار ہوا، کاٹا گیا، گاہا گیا پھر اس کو لایا گیا، پیسا گیا، آٹا گوندھا گیا پھر روٹی پکائی گئی، پتہ نہیں کس کس نے اس میں اپنی محنتیں لگائیں۔

الغرض! اللہ تعالیٰ کی ایک ایک نعمت میں بے شمار نعمتیں چھپی ہوئی ہیں، اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ہم پر واجب ہے۔

شکرِ لسانی اور شکرِ حقیقی

اب شکر کیا ہے؟ ایک تو زبان سے شکر ادا کرنا ہے کہ آدمی کہے کہ اے اللہ! تیرا شکر

اور احسان ہے کہ تو نے یہ نعمت مجھے عطا فرمائی۔ یہ زبانی شکر ہے اور ایک ہے حقیقی شکر: اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ نعمت جس مقصد کے لیے عطا فرمائی، اس نعمت کو اس مقصد میں استعمال کرنا، اس نعمت کی نسبت سے جو احکام اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں دئے ہیں، جو ذمہ داریاں ہم پر ڈالی ہیں، ان کو پورا کرنا۔

نعمتِ مال اور اس کا شکرِ حقیقی

جیسے مال کی نعمت ہے، ایک آدمی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال دیا ہے، اب وہ روزانہ یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! تیرا شکر اور احسان ہے کہ تو نے مجھے بہت دولت دی ہے، تیرا شکر کیا ادا کر سکتا ہوں: اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

روزانہ یہ جملہ بار بار پڑھتا ہے لیکن وہ مال غلط جگہ استعمال کرتا ہے تو زبانی شکر تو ادا کر رہا ہے لیکن اس مال کا جو حق اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے کہ اس مال کو ایسی جگہ پر خرچ کرو، جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اس کو پورا نہیں کرتا۔

اگر وہ اسی جگہ خرچ کرتا ہے جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خرچ کرنے کا اس کو حکم دیا ہے تو یہ اس کا حقیقی شکر کہلائے گا۔ جیسے مال کی اس نعمت کو نیکی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے: مسجد بنواتا ہے، مدرسہ تعمیر کرواتا ہے، کنواں کھدوا دیتا ہے، مسافر خانہ بنواتا ہے۔ ایسے امور میں خرچ کرتا ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے: غریبوں کو کھانا کھلاتا ہے، ننگوں کو کپڑے پہناتا ہے، بیماروں کے علاج معالجے پر خرچ کرتا ہے تو یوں سمجھا

جائے گا کہ یہ اللہ کی نعمت کا حقیقی شکر ادا کر رہا ہے۔

اور اگر اسی مال کو گناہ کے کاموں میں خرچ کرتا ہے: شراب پیتا ہے، جوا کھیلتا ہے اور اللہ کی دوسری نافرمانیوں میں استعمال کرتا ہے تو یہ مال والی نعمت کی ناشکری کرتا ہے۔ حقیقی شکر وہ ہے یعنی مال کو ایسے کاموں میں خرچ کرنا جہاں خرچ کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

نعمت کی حقیقی شکر گزاری کی ایک مثال

میں ایک مثال دے کر اس کو سمجھاتا ہوں: دیکھو! آپ حج کے لیے گئے، عمرے کے لیے گئے، وہاں سے اپنے رشتہ داروں کے لیے، دوست واحباب کے لیے ہدایا اور تحائف لائے، وہاں آپ نے یہ سوچا کہ امام صاحب کے لیے بھی ایک عمدہ قسم کا رومال لے جاؤں، ان کے پیچھے پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہوں تو ان کا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ اب ان کے لیے آپ وہاں سے ایک عمدہ قسم کا عربی رومال لائے۔ آپ کے دل میں یہ تمنا ہے کہ امام صاحب اس کو جمعہ کے دن عمامے کے طور پر سر پر لگائیں گے یا سر پر ڈال کر کے آئیں گے تو میرا دل خوش ہو جائے گا۔ یہ عربی رومال کا گویا صحیح استعمال ہے۔

اب آپ حج یا عمرے سے فارغ ہو کر آئے تو سب لوگ ملنے کے لیے آئے، امام صاحب بھی آئے۔ آپ نے ان کی خدمت میں یہ ہدیہ پیش کیا، انھوں آپ کا ہدیہ قبول کرتے ہوئے دیر تک آپ کا زبانی شکر ادا کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کا حج عمرہ قبول فرمائے، نفقات کا نعم البدل عطا فرمائے۔ سب کچھ کہا۔

لیکن آپ کے دل میں تو یہ تھا کہ امام صاحب اس کو جمعہ کے دن عمامے کے طور پر سر پر لگائیں گے یا ڈال کر کے آئیں گے اور جمعہ کی نماز پڑھائیں گے۔ چناں چہ آپ کے حج سے واپس آنے کے بعد جو سب سے پہلا جمعہ آیا تو آپ اپنی عادت کے خلاف سب سے پہلے مسجد کے اندر پہنچ کر منبر کے قریب بیٹھ گئے کہ آج تو امام صاحب میرے والا رومال سر پر باندھ کر خطبہ دینے کے لیے آئیں گے لیکن جب امام صاحب آئے تو آپ نے دیکھا کہ انھوں نے وہ رومال نہ تو عمامے کے طور پر باندھ رکھا ہے، نہ تو یوں ہی ڈال رکھا ہے۔

آپ نے اپنے دل کو تسلی دے دی کہ اس جمعہ کو نہ سہی، دوسرے جمعہ کو باندھ کر آئیں گے۔ دوسرے جمعہ کو بھی آپ منبر کے قریب جا کر بیٹھ گئے لیکن اس مرتبہ بھی آپ کو مایوسی ہوئی اور اس کے بعد تو آپ نے یہ دیکھنا بھی چھوڑ دیا کہ پتہ نہیں باندھ کر آتے بھی ہیں یا نہیں۔

اب آپ کا بچہ ان امام صاحب کے پاس پڑھتا تھا، آپ اپنے بچے کی تعلیم کے سلسلے میں امام صاحب سے بات چیت کرنے کے لیے ان کے گھر چلے گئے۔ ابھی گھر میں قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ آپ نے دیکھا کہ جہاں پاؤں صاف کرنے کے لیے پاپوش ہوتا ہے، وہاں آپ کا وہ رومال رکھا ہوا ہے۔ آپ جب اس منظر کو دیکھیں گے تو اپنے دل میں کہیں گے: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ، میں نے کہاں اس آدمی کو یہ رومال دے دیا، آئندہ کبھی ان کو کوئی ہدیہ نہیں دوں گا۔

اب دیکھئے کہ امام صاحب نے زبانی شکر ادا کرنے میں کوئی کمی نہیں کی لیکن آپ

کے دل ودماغ میں اس کا جو حقیقی مقصد تھا، انھوں نے اس کو پورا نہیں کیا تو آپ نے فوراً فیصلہ کرلیا کہ آئندہ کبھی اس کو کوئی چیز ہدیہ نہیں کروں گا۔

نعمتوں کی ناقدری پر عذابِ شدید کی وعید

باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾: تم میری نعمتوں کا شکر ادا کروگے، اس کی قدردانی کروگے، وہ نعمتیں جس مقصد کے لیے دی ہیں، وہ مقصد پورا کروگے تو نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور اگر ناشکری کروگے، ناقدری کروگے، ان نعمتوں کا جو حق میں نے تم پر لازم کیا ہے، اس کو ادا نہیں کروگے تو میری گرفت، میرا عذاب بڑا سخت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایک عظیم نعمت: اولاد

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان ہی نعمتوں میں ایک بہت بڑی اور عظیم نعمت اولاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی اور اولاد والی یہ نعمت بڑی عظیم نعمت ہے۔ اس کی قدر وہ لوگ جانتے ہیں جن کے گھر میں کوئی بچہ نہیں۔ بہت سے لوگ تو اس نعمت کو حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان کو داؤ پر لگا دیتے ہیں: پتہ نہیں کہاں کہاں جاتے ہیں اور کیسی کیسی کفریہ، شرکیہ حرکتیں کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ایمان سے محروم ہوجاتے ہیں تو یہ اولاد والی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

حضراتِ انبیاءؑ نے بھی اللہ تعالیٰ سے اولاد طلب کی ہے

اور یہ تو ایسی عظیم نعمت ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے بھی

اس کے لیے دعائیں کیں، قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان نبیوں کی دعاؤں کو نقل کیا ہے: حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی دعا: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِنَ ٱلصَّـٰلِحِينَ ۝١٠٠﴾ [الصافات]، حضرتِ زکریا علیہ السلام کی دعا: ﴿رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً﴾ [آل عمران ۝٣٨]۔

ان حضرات نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے نیک اولاد مانگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اپنے ان بندوں کو جب اولاد سے نوازنا چاہا تو فرشتوں کو بھیج کر ان حضرات کو خوش خبریاں سنائیں۔ خوش خبری اچھی اور قیمتی چیز ہی کی تو سنائی جاتی ہے۔ خوش خبری کون سنا رہا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ سنا رہے ہیں! کس کو بھیج رہے ہیں؟ فرشتوں کو! فرشتے آ کر کے نبیوں کو خبر دیتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اب آپ کو بیٹا دیں گے! معلوم ہوا کہ یہ اولاد والی نعمت اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت عظیم نعمت ہے۔

اولاد کی نسبت سے انسان پر عائد ہونے والی ذمہ داریاں

اولاد والی اس نعمت کی نسبت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم پر کچھ ذمہ داریاں ڈال رکھی ہیں۔ اب ان میں سے بعض ذمہ داریاں تو وہ ہیں جن کو ہر آدمی سمجھتا ہے، اگرچہ وہ اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم سمجھ کر ادا نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر اولاد اور گھر والوں کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے کھانے پینے کی ذمہ داری ہم پر ہے، ان کے لباس پہننے، اوڑھنے کی ذمہ داری ہم پر ہے، ان کے رہنے کے لیے مکان کا انتظام کرنے کی ذمہ داری ہم پر ہے، مختصر طور پر روٹی، کپڑا اور مکان یہ تین چیزیں، تین حقوق تو وہ ہیں جن کو ہر آدمی یہ سمجھ رہا ہے کہ میرے اوپر یہ ذمہ داریاں ہیں۔

اولاد کے لیے کی جانے والی تگ ودو میں نیت کی کوتاہی

جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ یہ ذمہ داریاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کی گئی ہیں لیکن جس وقت آدمی ان ذمہ داریوں کو ادا کر رہا ہوتا ہے تو دل میں یہ نیت نہیں ہوتی، دور دور تک ہمارے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میں اپنی اولاد کو کھانا کھلا کر یا ان کو کپڑے پہنا کر یا ان کے لیے مکان کا انتظام کر کے اللہ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں، اگر یہ نیت ہو تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْر، بہت اچھا، اللہ کا حکم بھی پورا ہو رہا ہے، ان کی ضرورتیں بھی پوری ہو رہی ہیں اور اس پر ثواب بھی ملے گا لیکن عام طور پر جس وقت انسان یہ سب کر رہا ہوتا ہے تو دور دور تک اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا کر رہا ہوں، پھر ثواب کہاں سے ملے گا، ثواب تو احتساب پر ملتا ہے۔

ثواب حاصل ہونے کا مدار احتساب پر

کوئی بھی عبادت اور اللہ کے کسی بھی حکم کو پورا کرنے پر ثواب حاصل ہونے کا مدار احتساب پر ہے۔ بخاری شریف کی روایت ہے: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ[۱]: رمضان کے روزے، رمضان کا قیام، لیلۃ القدر کا قیام، ان سب میں ایمان کے ساتھ احتساب ضروری ہے۔

احتساب کا مطلب

احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کے دل میں یہ تصور اور نیت ہو کہ میں اللہ کے حکم

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، باب صَوْمُ رَمَضَانَ احْتِسَابًا مِنَ الإِيمَانِ، ر:۳۸.

کو پورا کر رہا ہوں اور میرے اللہ کے حکم کو پورا کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مجھے اجر وثواب مل رہا ہے۔ جب تک یہ احتساب نہیں ہوگا، ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ ذمہ داری پوری ہوگی لیکن ثواب نہیں ملے گا۔ کل کو قیامت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ ہم نے آپ کی اولاد کے کھانے پینے کی ذمہ داری، پہننے اوڑھنے اور رہائش کی ذمہ داری آپ کے اوپر ڈالی تھی، وہ آپ نے پوری نہیں کی، لیکن یہ ذمہ داری یہ سمجھ کر پوری نہیں کی تھی کہ یہ اللہ کا حکم ہے؛ اس لیے ثواب نہیں ملے گا۔

اجر وثواب کا ترتّب اخلاصِ نیت پر

اس لیے کہ اگر آپ کسی کے لیے کام کر رہے ہیں تو اگر اس نے آپ کو اس کام کا حکم دیا ہے؛ اس لیے آپ کر رہے ہیں تو وہ آپ کو آپ کے کام کا معاوضہ دے گا لیکن اگر اس کے حکم کو سمجھ کر نہیں کیا ہے تو اس صورت میں آپ کو اس کام کا معاوضہ نہیں ملے گا۔

نماز جیسی نماز بھی اگر آپ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر اس کو راضی کرنے کے لیے پڑھیں گے تو ہی اجر ملے گا لیکن اگر کسی اور غرض سے نماز پڑھتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے تو اچھا کہیں گے تو اس صورت میں اجر وثواب تو کیا ملتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت اور پکڑ ہو جائے گی۔

دین کے جتنے بھی کام ہیں، فقہاء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر اللہ کے لیے اس کو انجام دیا گیا ہے، اللہ کا حکم سمجھ کر کے کیا گیا ہے، تب تو اس پر اجر وثواب ملے گا اور اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں کیا گیا ہے تو اس پر اجر وثواب نہیں ملے گا۔ نماز اللہ کو راضی کرنے کے لیے

نہیں پڑھی ہے تو ثواب نہیں ملے گا، ذمہ بری ہو جائے گا، آپ کے اوپر نماز کا جو فریضہ تھا، وہ ساقط ہو جائے گا۔

حقوق کو حکمِ الٰہی سمجھ کر انجام دینے کا فائدہ

دوسری بات یہ ہے کہ اگر آدمی کسی حق کو اللہ کا حکم سمجھ کر انجام دیتا ہے تو اس حق کو ادا کرنے کے معاملے میں اس کی طرف سے افراط وتفریط کا صدور نہیں ہوتا یعنی وہ اس حق کی ادائیگی میں نہ تو حد سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سلسلے میں کسی کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس حکم کو ادا کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو حدود اور اس کی ادائیگی کے لیے جو طریقے بیان کیے گئے ہیں، انہی طریقوں کو سامنے رکھ کر اس حکم کو انجام دیتا ہے۔

جیسے ایک آدمی کی چند بیویاں ہیں تو آدمی کو اپنی بیوی کے ساتھ محبت ہوتی ہے؛ اس لیے وہ اپنی بیوی کے کھانے پینے کا، رہائش کا انتظام کرے گا لیکن اگر اللہ کا حکم سمجھ کر کر رہا ہے تو ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں بھی ان کے حقوق کی ادائیگی میں وہ کسی طرح کی افراط وتفریط کا، کمی بیشی کا مرتکب نہیں ہوگا، چاہے کسی ایک بیوی کے ساتھ محبت زیادہ ہو؛ اس لیے کہ محبت کا تعلق دل سے ہے اور دل آدمی کے اختیار میں نہیں ہے۔

ازواجِ مطہرات کے حقوق کی مساویانہ ادائیگی اور آپ ﷺ کی دعا

جیسے حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان

شب باشی اور دوسرے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں برابری اور عدل وانصاف سے کام لیتے تھے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے: اللَّهُمَّ هَذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ فَلاَ تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلاَ أَمْلِكُ: اے اللہ! میری یہ تقسیم ان چیزوں میں ہے جو میرے اختیار میں ہے، جو چیز تیرے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں نہیں ہے، اس میں میری گرفت مت فرما[۱]۔

ایک سے زائد بیویوں میں برابری

محبت، دل کا کسی ایک طرف ڈھلنا آدمی کے اختیار میں بالکل نہیں ہے۔ اگر کسی کے نکاح میں ایک سے زائد بیویاں ہیں تو شریعت نے ان کے حقوق کی ادائیگی میں برابری کا حکم دیا ہے کہ ایک کے یہاں ایک رات گذارتا ہے تو دوسری کے یہاں بھی ایک رات گذارے، ایک کے یہاں دو راتیں گذارتا ہے تو دوسری کے یہاں بھی دو راتیں گذارے، ایک کو جس طرح کا لباس پہناتا ہے، دوسری کو بھی اسی طرح کا لباس پہنائے، ایک کو جس طرح کا کھانا دیتا ہے، دوسری کو بھی اسی طرح کا کھانا دے۔

بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کا عجیب قصہ

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دو بیویاں تھیں، حضرت نے اپنے گھر میں باقاعدہ ترازو رکھی تھی، جب کوئی چیز دونوں بیویوں میں تقسیم کرنی ہوتی تو ترازو سے تول کر نصف نصف دونوں گھر بھجواتے تھے۔

---

(۱) سنن أبي داود، عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، باب فِي الْقَسْمِ بَيْنَ النِّسَاءِ.

ایک مرتبہ ایک آدمی حضرت کے لیے دو تربوز لے کر آیا اور کہا کہ حضرت! میں جانتا ہوں کہ آپ دونوں بیویوں کے درمیان کس طرح برابری کا معاملہ کرتے ہیں؛ اس لیے میں برابر وزن والے دو تربوز لے کر آیا ہوں؛ تاکہ تقسیم میں آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ وزن کے اعتبار سے تو برابری ٹھیک ہے لیکن کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک تربوز زیادہ میٹھا ہو اور دوسرا کم میٹھا ہو تو اس میں تو برابری نہیں ہو سکے گی۔ چناں چہ حضرت نے دونوں تربوز کے دو دو برابر حصے کر کے آدھا آدھا دونوں کے یہاں بھیج دیا۔

کہنے کا حاصل یہ ہے کہ حقوق کو اللہ کا حکم سمجھ کر ادا کرنے والا اس کے حدود کی پوری رعایت کرے گا اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس پر اس کو اجر و ثواب بھی ملے گا اور کسی کے ساتھ زیادتی کا مرتکب بھی نہیں ہوگا۔

محبت ایک غیر اختیاری جذبہ

اب دیکھئے! اولاد کے معاملے میں بھی کیا ہوتا ہے؟ ایک آدمی کے ایک سے زیادہ مثلاً چار بیٹے ہیں، اب ایسا ہوسکتا ہے کہ کسی ایک کے ساتھ زیادہ محبت ہو، اس سے انکار نہیں، جیسا کہ ابھی میں نے کہا کہ محبت کا تعلق دل سے ہے اور دل کا ڈھلنا سامنے والے کے اوصاف اور کمالات کی وجہ سے ہوا کرتا ہے: ایک لڑکا ہے، وہ زیادہ ہوشیار ہے، پڑھنے میں زیادہ محنت کرتا ہے، نیک ہے، نماز کا اہتمام کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں دوسرا ان خوبیوں کا مالک نہیں ہے۔

ایک لڑکا ہے جو والدین کی خدمت کرتا ہے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آتا ہے اور دوسرے کے اندر یہ بات نہیں ہے؛ اس لیے ظاہر سی بات ہے کہ پہلے والے لڑکے کے ساتھ باپ کو جو محبت اور قلبی تعلق ہوگا، دوسرے کے ساتھ وہ تعلق نہیں ہوگا۔ دل دل ہے، وہ آدمی کے اختیار میں نہیں ہے؛ اس لیے شریعت اس پر کوئی گرفت نہیں کرتی۔

اولاد کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے میں ہمارا غیر شرعی رویہ

لیکن جب اولاد کے ساتھ کوئی احسان کا معاملہ کریں گے تو شریعت یہ کہتی ہے کہ سب کے ساتھ برابری کا معاملہ کیا جائے۔ بہت سی مرتبہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے گھروں کے اندر ایک کے ساتھ تو بہت اچھا سلوک ہو رہا ہے، دوسرے کے ساتھ بالکل کالعدم جیسا معاملہ ہے، ایک کو خوب کھلا پلا رہا ہے اور دوسرے کی ضرورتوں کی طرف دھیان بھی نہیں دیتا، حالاں کہ اولاد کی نسبت سے تمام ذمہ داریاں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے لاگو کی گئی ہیں، وہ برابر ہیں۔

بعض اولاد کو کچھ دینا اور بعض کو نہ دینا ظلم

حدیث میں آتا ہے، حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ترمذی شریف میں ان کی روایت موجود ہے، فرماتے ہیں کہ ان کی ماں تھی: حضرت عمرہ بنتِ رواحہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں جو غزوۂ موتہ کے اندر شہید ہوئے، شاعرِ اسلام تھے، یہ ان کی بہن تھیں۔ ان کے مطالبے پر ان کے والد نے

ان کو ایک غلام ہدیے میں دیا، ماں کا تقاضا تھا کہ میرے بیٹے کو غلام ہدیہ دیا جائے، ان کی دوسری بیوی تھی، اس سے بھی اولاد تھی، اس ماں نے تقاضا کر کے ہدیہ دلوا دیا، ہدیہ تو دلوا دیا- اب عورتیں ہیں، ان کی ڈیمانڈ (demand) بھی ایسی ہوتی ہے- اس نے پھر مطالبہ کیا کہ اس پر حضور ﷺ کو گواہ بنایا جائے، ہدیہ تو دیا لیکن ساتھ میں کہا کہ حضور ﷺ کے سامنے یہ کہو کہ میں نے اس کو ہدیہ دیا ہے، آپ اس کے گواہ رہیے۔

چناں چہ یہ کہتے ہیں کہ میرے ابا مجھے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور یوں کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنے اس بیٹے کو جو میری فلانی بیوی سے ہے، یہ غلام ہدیے میں دیا ہے اور ان کا تقاضا یہ ہے کہ میں آپ کو اس پر گواہ بناؤں، آپ اس پر گواہ رہیے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری اور اولاد بھی ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں! ہے، حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم نے ان کو بھی اسی طرح غلام ہدیے میں دیا ہے تو انھوں نے کہا کہ نہیں دیا ہے تو نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسی ظلم کی بات پر میں گواہ بنتا نہیں ہوں- اس کو ظلم فرمایا- اور تم اپنی اولاد کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ تمہاری ساری اولاد تمہاری مطیع اور فرماں بردار رہے؟[۱]۔

اولاد کے ساتھ یکساں سلوک کرنے کا فائدہ

دیکھو! ہر باپ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ اس کے چار بیٹے ہیں تو اس کے چاروں کے

(۱) صحیح البخاری، باب الإشهاد في الهبة.

چاروں بیٹے اس کی خدمت کریں، ایک بیٹا خدمت کررہا ہوتو اگرچہ اس کی ضرورتیں پوری ہورہی ہیں پھر بھی اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ چاروں اس کی خدمت کریں، چاروں اس کا حکم بجالائیں، حالاں کہ کام تو ایک سے چل رہا ہے لیکن پھر بھی وہ چاہتا ہے کہ اس کے چاروں بیٹے فرماں برداری میں برابر ہوں۔

تو جس طرح تم یہ چاہتے ہو کہ تمھاری ساری اولاد تمہاری فرماں بردار ہوں، تمہاری خدمت گذار ہوں، تمہارا حکم مانیں، اس طرح تم بھی ان سب کے ساتھ یکساں طور پر محبت کا معاملہ کرو، جب تم یہ چاہتے ہو کہ تمھاری سب اولاد تمہاری فرماں بردار بن کر رہیں تو تم پر لازم ہے کہ تم سب کے ساتھ برابر کا سلوک کرو۔

اولاد کی طرف سے والدین کے ساتھ زیادتی کی ایک وجہ

بہت سی مرتبہ اولاد کی طرف سے زیادتی کا جو معاملہ ہوتا ہے تو اس میں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ باپ ہی شروع سے اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے کرتے اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ اس کی خدمت کرنے کے لیے تیار نہیں، یہ سب کیوں ہوا؟ اس لیے کہ یہ جو کچھ کررہا ہے، وہ اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں بلکہ اپنے دل اور محبت کے تقاضے سے کررہا ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر کرتا تو سب کے ساتھ یکساں معاملہ کرتا۔

تحائف دینے میں والدین کے لیے لڑکے لڑکی کا فرق ناجائز ہے

اسی لیے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی اپنی اولاد کو کوئی چیز ہدیہ کرنا چاہتا ہے تو تمام کو یکساں دے، یہاں تک کہ لڑکے اور لڑکی میں بھی فرق نہیں کرنا چاہیے، جتنا لڑکے

کو دے رہے ہیں، اتنا ہی لڑکی کو بھی دیا جائے گا۔

ویسے کسی کی وفات کے بعد بطورِ میراث جو ملتا ہے، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم یہ دیا ہے کہ لڑکے کو دوہرا اور لڑکی کو اِکہرا۔ یہ تو آدمی کی موت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو تقسیم کیا ہے، اس کی بات ہے لیکن تم جو دینا چاہتے ہو تو تم کو یہ حکم ہے کہ تمھاری اولاد ہونے میں تو سب برابر ہے، جیسا بیٹا تمھاری اولاد ہے، بیٹی بھی تمھاری اولاد ہے، تم کیوں کم زیادہ دیتے ہو، تم کو اس طرح بانٹنے کی اجازت نہیں، تم کو تو اولاد کے درمیان برابری کرنے کا حکم ہے۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ اولاد کے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں بھی شریعت نے ہمیں جو طریقے بتلائے ہیں اور اس کے لیے جو حدود مقرر کیے ہیں، ان ہی کی پابندی کرے؛ تاکہ اس میں کسی کے معاملے میں زیادتی نہ ہو۔

حقوقِ ثلاثہ کی ادائیگی میں دو مختلف قسم کی ذہنیت رکھنے والے لوگ

بہرحال! ہر آدمی یہ تو جانتا ہے کہ اپنی اولاد کے کھانے پینے، لباس اور اس کی رہائش کے لیے مکان کا انتظام اسے کرنا ہے اور کرتا بھی ہے لیکن اس سلسلے میں لوگ دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو اللہ کا حکم سمجھ کر نہیں کرتے، وہ یوں سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہمیں کرنا ہی کرنا ہے، اس سے اس پر جو حقوق عائد ہیں، وہ تو ادا ہو جائیں گے لیکن اس پر اسے جو اجر و ثواب ملنا چاہیے، وہ نہیں ملے گا۔

دوسرا آدمی وہ ہے جو اللہ کا حکم سمجھ کر ان حقوق کو ادا کرتا ہے لیکن وہیں سمجھ کر یہ ذمہ

داریاں پوری کرتا ہے کہ اولاد کی نسبت سے بس یہی تین چیزیں ہمارے ذمے ہیں اور اسی میں اس کی زندگی کا پورا چکر چل رہا ہے، گویا کولھو کا بیل بن کر زندگی گذارتا جاتا ہے، صبح اٹھا اور گیا، شام کو آیا اور سو گیا۔ یہ تین کام کر کے انسان یوں سمجھتا ہے کہ میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر لی۔

امورِ ثلاثہ کی ادائیگی میں انسان اور دیگر حیوانات میں زیادہ فرق نہیں

میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ یہ جو ہم مسلمان ہیں، دنیا میں ہمارے علاوہ دوسرے لوگ بھی ہیں جو مسلمان نہیں ہیں، ایمان واسلام کی دولت سے محروم ہیں، کیا وہ اپنی اولاد کے ان حقوق کو ادا نہیں کرتے؟ وہ اپنی اولاد کے کھانے پینے اور رہائش کا انتظام نہیں کرتے؟ بلکہ ہم سے زیادہ اچھے طریقے سے کرتے ہیں، پھر آپ کی کیا خصوصیت ہے؟۔

بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر ایک سوال میں آپ سے کرتا ہوں کہ دنیا میں انسانوں کو چھوڑ کے جانوروں کو لے لیجیے، زمین پر رہنے والے چرندے اور درندے اور ہوا میں اڑنے والے پرندے کیا اپنی اولاد کے کھانے پینے کا، ان کی رہائش کا، ان کو گرمی سردی سے بچانے کا انتظام نہیں کرتے؟ ایک چڑیا نہیں کر رہی ہے؟ ایک شیر اپنے بچے کے لیے اس کا انتظام نہیں کرتا؟ کرتا ہے۔

اگر ہم نے بھی اپنی اولاد کے لیے انتظام کیا ہے تو ہم نے کون سا تیر مار لیا! ہمارا لیول (LEVEL) ہماری سطح جانوروں سے اوپر نہیں بڑھی۔ ہم جو کر رہے ہیں، وہ بھی

کررہے ہیں۔بس اتنا ہے کہ ہم انسان ہیں، اللہ تعالیٰ نے جانوروں کے مقابلے میں ہمیں عقل وسمجھ زیادہ دی ہے؛اس لیے ہم اپنی اولاد کی ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے معاملے میں جتنا دوراندیشی، دوررسی سے کام لیتے ہیں، اتنا یہ جانور نہیں کرتے، نفسِ ضرورت کو پورا کرنے میں تو برابر ہیں، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

روٹی کپڑا مکان کے ساتھ دین بھی اولاد کو دیں

لیکن کیا اتنی ہی ضرورت ہے جتنی ہم نے سمجھ رکھی ہے کہ آج ہم نے اپنی اولاد کے لیے یہ طے کررکھا ہے کہ جب ہم دنیا سے جاویں تو ان کے پاس بہترین مکان ہو، بہترین کاروبار ہو، دوکان، اسٹور ہو، فیکٹری ہو، تجارت ہو، کاریں ہوں، بینک بیلنس (bankbalance) ہو اور ان کی ظاہری ضرورتیں پوری ہورہی ہوں لیکن وہ اللہ کے مطیع وفرماں بردار بنیں، اللہ کے حقوق کو پورا کریں، اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائیں، اس کا ہمیں کوئی اہتمام اور کوئی پروانہیں ہوتی، اس کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا، ہمارے اوپر باپ ہونے کی حیثیت سے جو بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، وہ یہی ہے، ہم ایک جاندار ہونے کی حیثیت سے ایک جاندار کو ضرورت ہوتی ہے، اس کو پورا کرنے کی محنت کرتے ہیں۔

لیکن ہم جاندار ہونے کے ساتھ انسان بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسانی صفات اور کمالات سے نوازا ہے تو اپنی اولاد کے لیے دنیا کے اندر یہ خوبیاں پیدا کرنی چاہئیں۔ ہم ان انسانی خوبیوں کو پیدا کرنے کے لیے کیا کررہے ہیں؟

ہم انسان ہونے کے ساتھ مسلمان بھی ہیں

اور انسان ہونے کے ساتھ ساتھ ہم مسلمان بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان اور اسلام کی نعمت عطا فرمائی اور ایمان اور اسلام کی نسبت سے یہ جو کمالات اور خوبیاں ہیں، الإِيمَانُ بِضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً[۱] یا الإِيمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً: ایمان کے ساٹھ یا ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ جو کمالات ہمیں بتائے گئے، کیا ان کمالات کو اپنی اولاد کے اندر پیدا کرنے کی ہم کوشش کرتے ہیں؟ اس کی طرف کوئی توجہ دیتے ہیں؟ حالاں کہ یہی وہ چیز ہے جس کی طرف خاص طور سے توجہ دینے کی ضرورت ہے ان کو بھی اپنی اولاد کے اندر پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اس کی کوشش کرنا چاہیے۔

اہل وعیال کو نارِ جہنم سے بچانے کا قرآنی حکم

یہی وہ چیز ہے جس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں مکلف بنایا ہے، یہ ہماری ذمہ داریوں میں سے ہے۔ قرآن میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو، اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

جہنم کی آگ سے بچانے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ تعالیٰ نے شریعت کی شکل میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان کاموں سے خود بھی واقفیت حاصل کرو اور اپنی اولاد کو بھی واقف کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان کاموں سے

---

[۱] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، باب شُعَبِ الإِيمَانِ.

خود بھی واقفیت حاصل کرو اور اپنی اولاد کو بھی واقف کرو۔

اور آگے اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو خود بھی بجالاؤ اور اپنی اولاد کو بھی ان کا عادی بناؤ، نماز کا حکم دیا تو خود بھی نمازی بنو اور اولاد کو بھی نمازی بناؤ، شراب اور جوئے سے بچنے کا حکم دیا ہے تو خود بھی بچو اور اولاد کو بھی اس سے بچنے کا عادی بناؤ۔

تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا اہتمام بھی ضروری

تو یہ جو اولاد کو سکھایا جارہا ہے، یہ تو تعلیم ہے اور ان کو اس پر ڈالا جارہا ہے، اسی کا نام تربیت ہے، ہم تربیت تربیت تو بہت بولتے ہیں۔ بھائی! بچوں کو جب یہ بتادیا کہ نماز کیا ہے؟ فرائض بتلادیے، واجبات بتلادیے، طریقہ بتلادیا، خوب سکھلادیا، یہ تعلیم ہے لیکن نہیں، خالی اتنا کافی نہیں، ان کو نمازی بنانا یہ بھی باپ کی ذمہ داری ہے۔ بچہ جب سات سال کا ہو تو آپ اس سے کہیے کہ بیٹا! اب تم کو نماز پڑھنی ہے۔

لیکن اب تو اولاد کی نماز کے معاملے میں حال یہ ہے کہ خود نمازی ہے اور صبح میں تلاوت کے بغیر مسجد سے نکلتا نہیں، اشراق پڑھ کر جاتا ہے اور تسبیحات کا بڑا اہتمام کرتا ہے، رمضان کے مہینے میں اعتکاف بھی ماشاء اللہ شاندار طریقہ سے ہوتا ہے، لیکن اولاد کی طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ آپ یہ سب کام کرتے ہیں اور آپ کے نزدیک اس کی اہمیت ہے۔

اگر یہ اچھا ہے تو پھر آپ کی اولاد کو ایسا آپ نے کیوں نہیں سکھایا؟ اور اگر یہ چیز

اچھی نہیں ہے تو آپ کیوں اس کو لیے بیٹھے ہیں؟ اگر آپ اس کو اپنے لیے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں، اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں، آخرت کی کامیابی کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو آپ اپنی اولاد کو یہ چیز کیوں نہیں سکھاتے؟ آدمی تو جو چیز اچھی سمجھتا ہے، اس میں اولاد کو شریک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ اندازِ مسلمانی نہیں ہے!

اور کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ مولانا کیا کریں، میں نے بہت کہا کہ نماز پڑھو لیکن وہ تو مانتا ہی نہیں۔ آخر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی ایسا ہی تھا، اس نے بھی اپنے باپ کی بات نہیں مانی تھی، یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔

لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے نماز پڑھنے کے معاملے میں کتنی مرتبہ کہا؟ کیسا انداز اختیار کیا؟ ایسا ہی جیسے قرآن نے اختیار کیا کہ بڑی خطرناک قسم کی آگ جل رہی ہو اور آپ کا چار پانچ سال کا بچہ جس نے ابھی چلنا سیکھا ہے اور وہ آگ کی چمک دمک دیکھ کر اس کی طرف بڑھ رہا ہے، آپ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے نصیحت کر رہے ہیں کہ بیٹا! دیکھو وہاں مت جانا، اگر جاؤ گے تو آگ تم کو جلا کر رکھ دے گی، تم بالکل راکھ بن جاؤ گے، بڑی خطرناک ہے۔ یہ بات کہے اور وہ بچہ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا ہے، اس کے باوجود آپ اپنی جگہ پر اطمینان سے نصیحت کے یہ کلمات نکال رہے ہیں تو ایسے باپ کے متعلق تم بھی کہو گے کہ اگر یہ حقیقی باپ ہوتا تو ایسا نہ ہونے دیتا۔ آپ چھلانگ لگا کر دونوں بازوؤں کو پکڑ کر اس کو لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تو جو رویہ وہاں اختیار کیا جاتا ہے؛ برے اخلاق اور بری عادات اور جن برائیوں میں ہماری اولاد مبتلا ہے اس سے ان کو نکالنے کے لئے بھی اسی رویہ کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے، اپنی پوری طاقت استعمال کر کے اپنی اولاد کو جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرنا ہے۔

جہنم کی آگ اور اس پر مسلط فرشتے

جہنم کی آگ کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے: ﴿وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلْحِجَارَةُ﴾ کہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔ دنیا کی آگ کا ایندھن تو لکڑیاں ہیں اور جہنم کی آگ کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

اگر کوئی آدمی یہ سمجھتا ہو کہ وہاں سے بھاگ کر نکل جاؤں گا۔ نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿عَلَيْهَا مَلَـٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝٦﴾: اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو اور بڑے سخت مزاج ہیں، وہ ذرا بھی رحم نہیں کھائیں گے، ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو حکم دیا، اس میں ذرّہ برابر اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے یعنی کسی کو وہاں سے نکلنے نہیں دیں گے۔

جہنم کا داروغہ جیلوں کے سنتریوں کی طرح رشوت خور نہیں

دنیا کی جیلوں میں ''سنتری'' کیسے ہوتے ہیں، وہ آپ جانتے ہیں، روزانہ سنتے ہیں، اخباروں میں پڑھتے ہیں کہ پچاس روپے دے دیے، سو روپے دے دیے تو چلو

موبائل کے استعمال کی بھی اجازت مل گئی، کھانا بھی آرہا ہے، دوسری سہولتیں بھی فراہم کی جارہی ہیں۔ وہاں ایسا کچھ چلنے والا نہیں ہے، وہاں خرچ کرنے سے راستہ کھلنے والا نہیں ہے، وہاں تو اوپر سے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملا، اس میں ذرّہ برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں کرتے۔

اولاد کی تعلیم وتربیت

اب اپنی اولاد اور گھر والوں کو جہنم کی آگ سے کیسے بچائیں گے تو تمام صحابہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرتِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے اس سلسلے میں جو روایات منقول ہیں، ان میں صاف کہہ دیا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اوامر اور نواہی یعنی جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے، ان سے خود بھی واقفیت حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی واقف کریں۔ اس کا نام تعلیم ہے۔

تربیت کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن کاموں کو کرنے کا حکم دیا ہے، ان کو خود بھی بجالاؤ اور اپنی اولاد کو بھی ان کا عادی بناؤ۔

بچوں کو پابندِ صلاۃ بنانے کا شرعی طریقہ

حدیث میں ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمھارے بچے جب سات سال کے ہوں تو ان کو نماز کا حکم دو، نماز پڑھنے کے لیے کہو اور دس سال کے ہوجائیں تو نماز نہ پڑھنے پر ان کی پٹائی کرو۔ نماز نہ پڑھنے پر باقاعدہ مارنے اور پیٹنے تک کا حکم دیا گیا

ہے[۱]۔

اللہ کے مخصوص بندوں کی ایک خوبی قرآنی آیت کی روشنی میں

قرآنِ پاک میں باری تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کی کچھ خوبیاں اور کمالات بیان فرمائے ہیں: ﴿وَعِبَادُ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلَّذِينَ يَمۡشُونَ عَلَى ٱلۡأَرۡضِ هَوۡنًا﴾، اس میں ہے: ﴿وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ أَزۡوَٰجِنَا وَذُرِّيَّٰتِنَا قُرَّةَ أَعۡيُنٍ وَٱجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝٧٤﴾ [الفرقان]: رحمٰن کے وہ بندے اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہماری بیبیوں اور ہماری اولاد کی طرف سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔

آنکھوں کی ٹھنڈک کا مطلب

آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا مطلب ہے؟ بخاری شریف میں ہے کہ آدمی جب اپنی اولاد کو اور اپنے ماتحتوں کو اللہ کے احکام کو پورا کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کا جی ٹھنڈا ہوتا ہے، اس کو خوشی ہوتی ہے[۲]۔ ﴿وَٱجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾: اے اللہ! تو ہمیں متقیوں اور نیک لوگوں کا امام بنائیو! نیک لوگوں کے سردار ہم کب بنیں گے؟ جب ہماری یہ اولاد، اہل وعیال نیک بنیں گے۔ اگر ہماری اولاد نیک نہیں بنی تو ہم نیک لوگوں

---

① سنن الترمذی، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ، باب مَا جَاءَ مَتَى يُؤْمَرُ الصَّبِيُّ بِالصَّلاَةِ، ر:۴۰۹.

② صحیح البخاری، وَقَالَ الْحَسَنُ {هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا} فِي طَاعَةِ اللهِ وَمَا شَيْءٌ أَقَرَّ لِعَيْنِ الْمُؤْمِنِ أَنْ يَرَى حَبِيبَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ، سورة الْفُرْقَانُ.

کے سردار بھی نہیں بنیں گے۔

آپ ہمارے باپ ہیں

جیسا کہ ایک مرتبہ ایک آدمی نے اپنے بیٹوں سے ناراض ہو کر کہا: اے گدھو! تو بیٹوں نے کہا کہ آپ ہمارے ابّا ہیں! یعنی اگر ہم گدھے ہیں تو آپ گدھوں کے باپ ہیں۔ صحیح بات ہے۔ قُرَّةَ أَعْيُنٍ کا مطلب یہی ہے کہ ہم اپنی اولاد کو خوبیوں اور کمالات سے آراستہ کریں گے تو یہی اولاد ہماری ماتحت ہے اور یہی ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، یہی ہمارے لیے زینت ہے اور یہی ہمارے لیے فخر کا سبب ہے، یہی ہمارے لیے صدقۂ جاریہ ہے۔

وہ امور جن کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے، مسلم شریف کی روایت ہے: إِذَا مَاتَ الإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ: انسان جب مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ إِلاَّ مِنْ ثَلاَثَةٍ: البتہ تین چیزیں، تین سلسلے ایسے ہیں جو باقی رہتے ہیں، إِلاَّ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ: کوئی ایسا کام کیا کہ اس کے مرنے کے بعد بھی لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں: کوئی مدرسہ بنا دیا، کہیں مسجد بنا دی جن سے لوگ اس کی وفات کے بعد بھی فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

نیک اولاد صدقۂ جاریہ ہے

أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ: یا کوئی علمی سلسلہ قائم کیا جس سے اس کے مرنے کے بعد بھی

فائدہ اٹھایا جارہا ہے: کسی کو نماز سکھادی، وہ دوسروں کو سکھارہا ہے، وہ بعد والوں کو سکھائیں گے اور سلسلہ جاری رہے گا۔ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ: یا کوئی نیک اولاد چھوڑی جو اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے لیے دعا کرتی رہے [۱]۔

اولاد کو نیک بنانے کے لیے محنتیں ضروری ہیں

بچہ ''ولدِ صالح'' کب بنے گا؟ ماں کے پیٹ سے تو بچہ صالح بن کر نہیں آتا، صلاحیتیں لے کر تو آتا ہے لیکن صالح بن کر نہیں آتا، صالح بنانے کے لیے اس پر محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ جب تک محنتیں نہیں کریں گے، اولاد صالح نہیں بنیں گی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کائنات کا نظام ایسا بنایا ہے کہ جتنی بھی مخلوقات ہیں، ہر مخلوق کے اندر جہاں خیر کا پہلو موجود ہے وہاں شر کا پہلو بھی ہے، جہاں نیکی ہے وہاں بدی بھی ہے، لیکن شر فطری طور پر ہے اور خیر اس میں محنت کرنے سے آتا ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ہماری سوچ بڑی محدود ہے،

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا		ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

آج ہم نے اپنی اولاد کے لیے یہ طے کر رکھا ہے کہ جب ہم دنیا سے جاویں تو ان کے پاس بہترین مکان ہو، بہترین کاروبار ہو، دوکان، اسٹور ہو، فیکٹری ہو، تجارت ہو، کاریں ہوں، بینک بیلنس (bankbalance) ہو اور ان کی ظاہری ضرورتیں پوری

(۱) صحیح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، باب مَا يَلْحَقُ الإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ. ر:۴۳۱۰.

ہو رہی ہوں لیکن ہمارے دل میں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ میں ان کے لیے ایسی محنت کر کے جاؤں کہ جس کی وجہ سے وہ اللہ کے مطیع و فرماں بردار بنیں، اللہ کے حقوق کو پورا کریں، اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائیں، اس کا ہمیں کوئی اہتمام اور کوئی پروا نہیں ہوتی، اس کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا۔

صبح کے تخت نشین شام کو مجرم ٹھہرے

حضرت محمد بن قاسم بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو کوئی نصیحت کا قصہ آنکھوں سے دیکھا ہوا یا سنا ہوا معلوم ہو تو بتاؤ۔ تو انھوں نے کہا کہ دیکھا ہوا ہے کہ جب عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے گیارہ لڑکے چھوڑے تھے اور سترہ دینار چھوڑے تھے، اس میں سے چند دینار تو ان کی تجہیز و تکفین میں گئے اور جتنے بچے تو ہر بچے کے حصے میں چند دینار آئے۔

اس کے بالمقابل ولید بن عبد الملک بھی خاندانِ بنو امیہ کا ایک بادشاہ تھا اور انہی عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا چچا زاد بھائی اور ان کا نسبتی بھائی تھا۔ اُس کا جب انتقال ہوا تو اُس نے بھی گیارہ لڑکے چھوڑے اور ہر ایک کے لیے لاکھوں دینار چھوڑے۔ لیکن میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ ولید کی اولاد لوگوں کے سامنے بھیک مانگتی ہے اور عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہزاروں کا صدقہ کر رہی ہے۔

میں نے لمحوں میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا ہے

دولت تو آنے جانے والی چیز ہے، باقی رہنے والی نہیں ہے۔ خواجہ حسن نظامی کا

ایک رسالہ نکلتا تھا، اس میں انھوں نے ایک قصہ لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد نکلا، ذرا دیر سے نکلا تھا، تو دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی لکڑی کا پیالہ ہاتھ میں لے کر بھیک مانگ رہا ہے۔ اس کی شکل وصورت دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ کسی شریف اوراونچے گھرانے سے یہ آدمی تعلق رکھتا ہے۔ میں نے بھی اس کو بھیک تو دی، لیکن اس سے الگ ہوکراس انتظار میں کھڑا رہا کہ دیکھوں یہ آدمی بھیک مانگنے کے بعد کہاں جاتا ہے۔

جب وہ فارغ ہوکر جانے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے چلا۔ جمنا کے کنارے پر ایک جھونپڑ پٹی تھی، وہ اس میں ایک جھونپڑے میں داخل ہوا تو میں بھی اس کے بعد اس جھونپڑے میں گیا۔ سلام کیا، اس کو مانوس کیا، حالات معلوم کیے۔ مانوس کرنے کے بعد اس کو قسم دے کر پوچھا کہ بتلاؤ! تم کون ہو؟ تو اس نے کہا کہ میں سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر کا نواسہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کو ضائع نہیں کرتا

یہ ہے دنیا کی دولت کا حال! ہم اسی دولت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور ہماری یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہماری اولاد مال دار ہو، ہمارے پاس سب اسباب اور وسائل ہوں۔ یہ دولت کب تک رہے گی؟ اگر آپ ان کو نیک بنا کر کے جاؤ گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نیک لوگوں کو ضائع نہیں کرتا۔ ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى ٱلصَّـٰلِحِينَ ١٩٦﴾ [الأعراف]: اللہ تبارک وتعالیٰ نیک لوگوں کا ولی اور دوست ہے، ان کے کاموں کو بناتا ہے۔

نیکی وتقوی کا فائدہ اللہ تعالیٰ نسلوں تک پہنچاتے ہیں

سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے کہ دونوں حضرات انطاکیہ نامی شہر میں پہنچے تھے، وہاں ایک دیوار جھکی ہوئی تھی، بس گرنے کے قریب تھی۔ ان لوگوں نے ان کی میزبانی بھی نہیں کی لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو ہاتھ لگا کر ٹھیک کر دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اشکال ہوا کہ ایسے بے مروت لوگ جنھوں نے مہمانوں کی میزبانی کا حق بھی ادا نہیں کیا، ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟۔

خیر! جدائی کے موقع پر حضرت خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو درست کرنے کی علت بتلاتے ہوئے فرمایا: ﴿وَكَانَ أَبُوهُمَا صَلِحًا﴾۔ صاحبِ روح المعانی نے ایک قول نقل کیا ہے کہ ان کی ساتویں پیڑھی میں جو باپ تھا، وہ نیک تھا[۱]۔ اندازہ لگاؤ کہ ساتویں پیڑھی والے باپ کی نیکی کی وجہ سے آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس اولاد کی حفاظت فرمائی۔ اگر ہم نیک بنیں گے اور اپنی اولاد کو نیک بنانے کا اہتمام کریں گے تو کیا اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو ضائع کریں گے؟ ہرگز نہیں۔

باپ کی طرف سے اولاد کو دیا جانے والا سب سے قیمتی تحفہ

ضرورت ہے کہ ہم اپنی اولاد کو اچھے اخلاق سے آراستہ کریں، یہی سب سے اعلیٰ اور عمدہ تحفہ ہے جو ایک باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مَا

---

۱ روح المعانی، ۸/ ۳۳۶، تحت قوله تعالیٰ: وَأَمَّا الْجِدارُ فَكانَ لِغُلامَيْنِ يَتِيمَيْنِ الآية

نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ: باپ اپنی اولاد کو اچھے ادب سے بڑھ کر کوئی تحفہ نہیں دے سکتا[①]۔

اپنی اولاد کو اچھے ادب سے آراستہ کرو۔ آپ نے اس کے لیے کروڑوں کی دولت چھوڑی ہے لیکن بداخلاق اور بداعمال ہے، جواری ہے تو یہ دولت کتنے دنوں تک رہے گی بلکہ یہ دولت تو اس کو اور بھی زیادہ بگاڑے گی لیکن نیکی آدمی کو کامیاب بناتی ہے؛ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی اولاد کو اچھے اوصاف اور خوبیوں سے آراستہ کرنے کے لیے محنت کریں۔

باپ کی کمائی اولاد نے یوں اڑائی، ایک قصہ

کسی نواب کا قصہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے پیچھے اتنی زیادہ دولت چھوڑی کہ جس کی کوئی حد نہیں، اس کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ اب لڑکے کا حال یہ تھا کہ اس نے کسی ضرورت سے ماچس منگوائی اور اس کی تلی جلائی۔ جب تلی جلاتے ہیں تو اس میں سے ایک بو آتی ہے، وہ بو اس لڑکے کو پسند آ گئی، اب ماچس منگوائی جارہی ہے اور اس کو جلایا جارہا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔

لڑکی کا حال یہ تھا کہ وہ کپڑا خریدنے کے لیے دوکان گئی، اس کو ایک کپڑا پسند آ گیا۔ اب تھان میں سے دوکان دار اس کی ضرورت کے مطابق کپڑا کاٹ رہا تھا تو

---

① سنن الترمذي، عن أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، باب مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الْوَلَدِ، ر:۱۹۵۲.

کاٹتے وقت ''چرچر'' کی آواز آئی، اس کو یہ آواز اتنی پسند آئی کہ تھان منگوائے جارہے ہیں اور کٹوائے جارہے ہیں، منگوائے جارہے ہیں اور کٹوائے جارہے ہیں، اسی میں نواب کی پوری دولت ختم ہوگئی۔

اخلاق نہ ہوں تو دھرا کیا ہے انسان میں

یہ حال ہوتا ہے مال و دولت چھوڑ کر مرنے کا۔ اگر ان کے لیے آپ ایک پائی بھی نہ چھوڑیں، بینک بیلنس زیرو ہے، بنگلہ نہیں، آپ کے یہاں جھونپڑا ہے، کار نہیں سائیکل ہے، کھانے میں آپ کے یہاں کوئی بڑے بڑے پکوان نہیں پکتے، سادہ روٹی اور دال ہے لیکن آپ نے اپنی اولاد کو اچھے اخلاق اور عادات سے آراستہ کیا ہے، عمدہ تعلیم دی ہے تو یہ وہ دولت ہے کہ دنیا کی کوئی دولت اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ آج اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

بوقتِ وفات حضرت یعقوبؑ کا اپنے بیٹوں سے سوال

قرآنِ پاک میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ان کی موت کا وقت آیا: ﴿أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ ٱلْمَوْتُ﴾: جب ان کی موت کا وقت آیا تو اپنے بیٹوں کو جمع کیا، ۱۲/ بیٹے تھے ان کے، ان سب بیٹوں کو موت کے وقت جمع کر کے کیا پوچھتے ہیں؟ سوال کیا کرتے ہیں؟ ﴿إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِى﴾: اے میرے بیٹو! تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟۔

اولاد کا اپنے والد کو تسلی بخش جواب

حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یہ سوال کیا تو بیٹوں نے کیا جواب دیا: ﴿قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾: اے ابا جان! آپ بے فکر رہیے، آپ جب دنیا سے جائیں گے تو ہم کس کی عبادت کریں گے؟ آپ کے معبود کی! آپ زندگی بھر جس کی عبادت کرتے رہے، کون؟ ﴿وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾: وہی جو آپ کے باپ دادا کا معبود ہے، باپ دادا بھی کون؟ حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق علیہم السلام، ﴿وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾﴾: اور ہم اسی کے حکم کے سامنے سر جھکائیں گے۔ گویا اولاد کی طرف سے بھی یہ اطمینان دلایا گیا، تب باپ اطمینان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوا۔

اس واقعے کو قرآن میں ذکر کرنے کا سبب

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ واقعہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی لیے بیان فرمایا ہے، قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اس پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ ایک مسلمان جب دنیا سے جا رہا ہو تو اس کو اپنے اولاد کے متعلق کا ہے کا فکر ہونا چاہیے؟ کہ میرے بعد اس کا ایمان سلامت ہے یا نہیں؟ اس کے ایمان کا کیا ہوگا؟۔

نبی کی وصیت اور ہماری وصیت میں فرق

آدمی کی ویسے بھی خواہش ہوتی ہے کہ موت کے وقت اس کی اولاد اس کی نگاہوں کے سامنے ہو لیکن ہماری سوچ کتنی بدل گئی ہے، میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ

ہمارے زمانے میں کسی کی موت کا وقت قریب آجائے، اسے اس بات کا یقین ہوجائے کہ اب میرا آخری وقت ہے اور میں اب زیادہ زندہ رہنے والا نہیں ہوں تو وہ کہتا ہے کہ میرا فلانا بیٹا فلاں جگہ ہے، اس کو بلالو، فلانا بیٹا امریکہ میں ہے، اس کو بھی بلاؤ، میرا فلانا بیٹا سعودی میں ہے، اس کو بلالو، فلانی بیٹی فلاں جگہ ہے، اس کو بھی بلالو۔ سب کو بلاتا ہے اور سب کو اپنے سامنے بٹھاتا ہے۔

اگر وہ آدمی کاروباری ہے تو وہ کیا کہے گا؟ اپنے بچوں کو آخر میں یہی کہے گا کہ دیکھو! اس کاروبار کو میں نے بڑی محنت سے جمایا ہے، یہ پورا ایمپائر، کاروبار کا پورا سامراجیہ میں نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے بڑی محنت سے قائم کیا ہے؛ اس لیے تم سب بیٹے مل جل کر رہنا، دشمنوں کو ہنسنے اور خوش ہونے کا موقع مت دینا۔ دیکھو! میں تو ایک فیکٹری چھوڑ کر جارہا ہوں۔ تم ایک کی دو بنائیو، دو کی تین بنائیو۔ ایک دوکان چھوڑ کر جارہا ہوں، تم ایک کی دو اور دو کی تین بنانا، سب مل جل کر رہنا اور اگر کوئی بہت زیادہ دین دار ہوا تو اخیر میں ایک جملہ چاشنی کے طور پر یہ بھی کہہ دے گا کہ ذرا نماز بھی پڑھتے رہیو! ہمارا مزاج اس وقت یہ بنا ہوا ہے۔

ہم پرستارانِ دنیا بنے ہوئے ہیں

ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے دل و دماغ پر دین کو غالب رکھیں۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمارے دل و دماغ پر دنیا ایسی چھائی ہوئی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی اصل مقصود ہے اور موت آنے والی ہی نہیں ہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿بَلۡ تُؤۡثِرُونَ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا ١٦﴾

[الأعلی]: تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو! اولاد کے لیے بھی ہمارے فکر کا محور بس دنیا ہے، ہم اس طرح کی سوچ رکھتے ہیں کہ ان کے لیے اتنی بیگہ زمین اور ایسی باڑیاں چھوڑ کر جاؤں کہ وہ آرام سے کھاتے رہیں، اور ہم اسی کو اپنی کامیابی سمجھتے ہیں۔ گویا اس کی خدائی کا ٹھیکہ ہم نے ہی لے رکھا ہے۔

یہ مستقبل کی تابناکی نہیں، تاریکی ہے

اور آج کل اسی کے لیے سب کچھ ہورہا ہے کہ اولاد کو انگلینڈ اور پناما بھیج دو، کینیڈا اور بارباڈوس بھیج دو جہاں اس کی بہترین تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہیں ہے، اگر ان سے پوچھو کہ بھائی! ایسا کیوں کرتے ہو؟ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے تو جیسے تیسے زندگی گذاردی، وہاں جاکر کم از کم ان کی تو دنیا بن جائے!۔

لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ ہماری وہ اولاد جو وہاں گئی تھی، ان کی نئی نسلیں دین کے اعتبار سے، اخلاق وآداب کے اعتبار سے کس سطح پر پہنچ گئی ہیں؟ اور اس کے بعد آنے والی نسلوں کا کیا ہوا؟ کیسی پیدا ہوئیں اور کیسی پیدا ہوں گی؟ اور وہ دین کا کیسا ذوق رکھے گی؟ کن اخلاق وآداب کی حامل ہوگی؟ اس کے متعلق آپ خود سوچ سکتے ہیں۔ سوچ کر کے کچھ فیصلہ کرسکتے ہیں۔

اپنی آنے والی نسلوں کے ساتھ انصاف کیجیے

اسی کو ہم مستقبل اور بھوِشیہ سے تعبیر کرتے ہیں، اسی کو بجائے باجرے اور جوار کی روٹی کے ''گیہوں کی روٹی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی کو ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا بھوِشیہ سدھر

گیا، اس کا مستقبل بن گیا اور معمولی قسم کے کپڑے کے بجائے ذرا اعلیٰ قسم کا کپڑا پہننے لگ گیا، معمولی مکان میں رہنے کے بجائے فیسلیٹی والے مکان میں رہنا شروع کر دیا۔ اسی کو ہم مستقبل اور بھوشیہ کے سدھرنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ خدارا ذرا سوچئے کہ ہم نے اپنی عقل کو کہاں گروی رکھ دیا ہے! سوچو اور اپنی آنے والی نسلوں کے ساتھ انصاف کرو۔

مسلمِ خوابیدہ! اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو!

ضرورت اس بات کی ہے کہ اولاد کو اسلامی آداب سے مزین کیا جائے اور اس کی طرف خصوصی توجہ کی جائے۔ اگر ہم نے غفلت برتی تو جس طرح ہم سنتے ہیں کہ برازیل کے اندر عربوں کی نسلیں گئی تھیں اور ان کے جو آباء واجداد قبروں کے اندر دفن ہیں وہ مسلمان تھے اور آج جو نسلیں ہیں وہ دوسرے مذہب کو قبول کر چکی ہیں اور ان کو پتہ بھی نہیں۔ خاص کر ہماری نسلوں کو دین سے ہٹانے کی مستقل کوششیں کی جا رہی ہیں اور باقاعدہ نصابِ تعلیم میں ترمیم کی جا رہی ہے اور دوسرے طریقوں سے ہٹانے کے لیے اور دین سے غافل کرنے کے لیے مختلف تدبیریں اپنائی جا رہی ہیں، اس لیے اس زمانے میں اور زیادہ ضرورت ہے کہ اپنی اولاد کو مسلمان باقی رکھنے اور اسلامی اخلاق و آداب سے مزین کرنے کے لیے بہت زیادہ حساس ہو جائیں۔

اولاد کے ساتھ خیر خواہی

ہمارے اسلاف نے ہمارے دین کو، ہمارے اخلاق کو باقی رکھنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، دنیا کے اوپر لات ماری، دنیا کو قربان کیا۔ آج ہم اِسی دُنیا کو

لے کر اپنی اولاد کے بارے میں یہ سوچتے ہیں کہ ہم اس کی خیر خواہی کر رہے ہیں۔ کیا یہ حقیقی خیر خواہی ہے؟ کیا یہی ان کے لیے بھلائی ہے، اور اسی میں ان کا فائدہ ہے؟ اگر ہم سچے دل سے سوچیں گے تو ہمارا دل یقیناً گواہی دے گا کہ ہم ان کے مستقبل کے بارے میں نہیں سوچ رہے ہیں۔

دھوکہ نہ دے مجھے کہیں دنیائے بے ثبات

اس سے انکار نہیں کہ دنیا کی ضرورتیں ہیں اور خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے جائز طریقے کے مطابق دنیا کمانے کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ حکم دیا ہے۔ طَلَبُ كَسْبِ الْحَلَالِ فَرِيضَةٌ بَعْدَ الْفَرِيضَةِ.[۱] کہ: اسلام کے بنیادی فرائض: نماز، روزہ وغیرہ جو ہیں، ان کے بعد ایک فرض یہ بھی ہے کہ آدمی حلال روزی حاصل کرے۔ بلکہ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اپنی اولاد کو حلال روزی کھلانے کے لیے محنت کرتا ہے، وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے[۲] لیکن اس دنیا کو اپنے دل ودماغ پر سوار کرنے کی اجازت نہیں بلکہ ہمارا مقصود آخرت ہو اور ہماری توجہ اپنی اور اولاد کی آخرت درست کرنے کی طرف ہو۔

قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں ہماری اولاد کی فریاد

اگر ہم نے اپنی اولاد کی صحیح تربیت نہیں کی، بس ان کی دنیا بنانے کے چکر میں

---

① شعب الإيمان، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ، ر:۸۳۶۷.

② شعب الإيمان، بَابٌ فِي حُقُوقِ الْأَوْلَادِ وَالْأَهْلِينَ، ر:۸۳۳۸

پڑے رہے تو یہی اولاد کل کو قیامت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے خلاف دعوی دائر کرے گی اور کہے گی کہ باری تعالیٰ! میرے ابّا نے میرے لیے دوکان بھی چھوڑی، مکان بھی چھوڑا، بینک بیلنس بھی چھوڑا، کار بھی چھوڑی۔ لیکن انھوں نے مجھے کلمہ نہیں سکھایا، نماز نہیں سکھائی، مجھے نیکی کے راستے پر نہیں ڈالا۔

میں تو گناہوں میں پڑا رہا، مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا کہ تیری عبادت کس طرح کی جاتی ہے، تیری اطاعت اور فرماں برداری کس طرح کی جاتی ہے، تیری نافرمانیوں سے کس طرح بچا جاتا ہے، انھوں نے مجھے اس کی ٹریننگ نہیں دی۔

اس طرح یہی اولاد ہمیں جہنم میں لے جانے کا باعث بنے گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ اپنی اولاد کی دینی تربیت کی طرف توجہ کی جائے۔

اٹھ مردِ مسلماں! ہوش میں آ

اس زمانے میں جب کہ ہماری آنے والی نسلوں کو ایمان سے محروم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، پوری دنیا اس پر محنت کر رہی ہے اور ان اخباروں نے ایک مہم چلا رکھی ہے۔ یہ جو میڈیا ہے، چاہے پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرونک میڈیا ہو۔ اس نے اسلام کے خلاف پروپگنڈے کا طوفان کھڑا کر رکھا ہے، شعائرِ اسلام کی عظمت اور محبت کو مسلمانوں کے دلوں سے نکالنے کی مہم چلا رکھی ہے، اس محبت وعظمت کو ہمارے دلوں سے ختم کرنے کے لیے روزانہ نت نئے فتنے اور نت نئے شوشے چھوڑے جاتے ہیں۔ ایسے ماحول میں ہمیں اپنی نسلوں کی فکر کرنے اور ان کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ

دینے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

عصری تعلیم گاہوں کی طرف ہماری اندھی دوڑ

آپ کو معلوم ہے کہ اسکولوں اور دنیوی تعلیم گاہوں کا نصابِ تعلیم کیا ہے؟ وہاں ہمارے بچوں کو کیا پڑھایا جا رہا ہے؟ بہت سی اسکولوں میں اسلام کے خلاف باتیں سکھائی جاتی ہیں اور بہت سی اسکولوں کے بارے میں معلوم بھی ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیمات کے خلاف چیزیں سکھائی جاتی ہیں، پھر بھی ہم میں سے بہت سے لوگ ہزاروں لاکھوں روپئے خرچ کر کے ان اسکولوں میں بھیجتے ہیں جہاں ان کو ایمان سے محروم کرنے کی محنتیں کی جاتی ہیں۔

ایمان سوز ماحول میں اولاد کو نیک بنائیں

ٹی وی پر بھی جو پروگرام آتے ہیں، ان میں ہمارے بنیادی عقائد کو مجروح کیا جاتا ہے: اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کے متعلق، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے متعلق، قرآنِ پاک، قیامت، حشر ونشر، جنت دوزخ وغیرہ بنیادی عقائد کے بارے میں شکوک وشبہات کے اندر مبتلا کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، ایسے حالات میں اگر ہم اپنی اولاد کی صحیح تربیت کی طرف توجہ نہیں کریں گے تو آئندہ آنے والی نسلوں کے ایمان کی کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بچپن ہی سے اسلام، اس کے احکام، اس کے شعائر، تعلیمات اور اچھے اخلاق سے آراستہ کرنے کی محنتیں کریں، انھیں نیک

اعمال کا عادی بنائیں۔ ہم خود بھی نیک بنیں، اگر ہم خود ہی نیک نہیں بنیں گے تو اپنی اولاد کو کیا نیک بنا سکیں گے!۔

صالح معاشرے کی اہمیت اور ضرورت

اس کے لیے صالح معاشرے اور ماحول کو وجود میں لانا ضروری ہے، اگر ماحول نیکی اور صلاح والا ہوگا تو اولاد کو نیک بنانا آسان ہوگا اور اگر ماحول برائی کا ہوگا تو آپ جتنی چاہیں محنت کریں لیکن ماحول غالب آکر اولاد کے اندر برائی کے اثرات لائے گا؛ اس لیے ماحول کی اصلاح بہت زیادہ ضروری ہے؛ اس لیے دعوت وتبلیغ کی نسبت سے جو یہ سلسلے جاری ہیں، اس کے ساتھ ساتھ تعلیمی سلسلوں کو بھی بڑھاوا دیا جائے، خود بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق ہو اور اس کو مضبوط کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے جو سلسلے جاری ہیں، ان سارے سلسلوں کو زندہ کر کے انھیں اپنانے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق اور سعادت عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اولاد کی تعلیم وتربیت
عصرِ حاضر کا ایک اہم مسئلہ

اقتباس

پہلے زمانے میں ہمارے معاشرے وسماج اور ہماری سوسائٹی کے کچھ قوانین اور کچھ قیدیں تھیں جو ایسی محفوظ تھیں کہ کوئی کھلے سر بھی نکلنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، اگر کوئی بڑا سامنے آتا تو سلام کرتا تھا، کوئی بھی بڑا اگر کسی چھوٹے کو غلط بات پر تنبیہ کر دیتا تھا تو وہ اس کو سنتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ برائیوں میں پڑنے کے راستے بہت کم تھے، گویا پورے معاشرے کا ایک انتظام تھا، اس کی وجہ سے بچے باز آ جاتے تھے۔ اور اب تو معاشرے میں سب بڑے مربی ہی اس طرف سے غافل ہیں۔ ہم نے خود ہی اپنے گھروں میں ٹی، وی لا کر رکھ دیا ہے، بچے اس کو دیکھتے ہیں اور جو دیکھتے ہیں وہی پہنتے ہیں، وہی بولتے ہیں، وہی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اگر مَیں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ ہی بتائیے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ بچے کی تربیت ہم نہیں کرتے، یہ ٹی وی ان کی تربیت کرتا ہے۔ ہر بچہ ٹی وی کے مطابق زندگی گذار رہا ہے اور اسی کی باتیں بتلاتا ہے تو ہم دیکھ کر بجائے اس پر افسوس کرنے کے اور بجائے اس پر غم کرنے کے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ بہت زیادہ مہذب ہو گیا ہے۔ جو چیز رونے کی تھی اُس کو ہم اچھا سمجھتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم:﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قُوٓاْ أَنفُسَكُمۡ وَأَهۡلِيكُمۡ نَارٗا وَقُودُهَا ٱلنَّاسُ وَٱلۡحِجَارَةُ عَلَيۡهَا مَلَـٰٓئِكَةٌ غِلَاظٞ شِدَادٞ لَّا يَعۡصُونَ ٱللَّهَ مَآ أَمَرَهُمۡ وَيَفۡعَلُونَ مَا يُؤۡمَرُونَ ۝٦﴾[التحريم]

وقال تعالىٰ: ﴿وَٱلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبۡ لَنَا مِنۡ أَزۡوَٰجِنَا وَذُرِّيَّـٰتِنَا قُرَّةَ أَعۡيُنٖ وَٱجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝٧٤﴾[الفرقان]

وقال تعالىٰ:﴿أَمۡ كُنتُمۡ شُهَدَآءَ إِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوبَ ٱلۡمَوۡتُ إِذۡ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعۡبُدُونَ مِنۢ بَعۡدِيۖ قَالُواْ نَعۡبُدُ إِلَـٰهَكَ وَإِلَـٰهَ ءَابَآئِكَ إِبۡرَٰهِـۧمَ وَإِسۡمَـٰعِيلَ وَإِسۡحَـٰقَ إِلَـٰهٗا وَٰحِدٗا وَنَحۡنُ لَهُۥ مُسۡلِمُونَ ۝١٣٣﴾ [البقرة]

وقال النبی ﷺ:مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ[1].

[1] سنن الترمذی، عن أَيُّوبَ بْنِ مُوسَى عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہم، باب مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الْوَلَدِ، ر:۱۹۵۲.

وقال النبی ﷺ: لأَنْ يُؤَدِّبَ الرَّجُلُ وَلَدَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِصَاعٍ [۱].

وقال النبی ﷺ: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ [۲]. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

ایک پیچیدہ اور اہم مسئلہ

میرے قابلِ احترام بھائیو! اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ فکرمندی اور پریشانی کا جو مسئلہ ہے جس میں بڑی بڑی حکومتیں سرگرداں ہیں، عقلاء، دانش منداور سمجھ دار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس کا حل کیا ہے؛ وہ نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ ہے کہ ہم اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کیسے کریں؟ یہ ایک نہایت ہی پیچیدہ اور اہم مسئلہ ہے اور بڑے بڑے ادارے اور بڑی بڑی حکومتیں اور ان کے مستقل افراد اس سلسلے میں غور وفکر کر رہے ہیں۔ ہر سال اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نصابوں کی تبدیلی اسی نیت سے کی جاتی ہے کہ آنے والی نسل کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ حل ہو، لیکن ان ساری کوششوں کے باوجود کوئی صحیح تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے، اور خود اسلام نے اس مسئلے کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو اس طرف خصوصیت کے ساتھ متوجہ فرمایا اور اگر دیکھا جائے تو اولاد کی نسبت سے جو ذمہ داریاں والدین پر عائد ہوتی ہیں

---

۱ سنن الترمذی، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ مَا جَاءَ فِي أَدَبِ الوَلَدِ، ر:۱۹۵۱.

۲ صحيح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب مَا قِيلَ فِي أَوْلَادِ الْمُشْرِكِينَ، ر:۱۳۸۵.

ان میں سب سے اہم ذمہ داری اولاد کی تربیت کی ہے۔

انسان اور جانور میں فرق

اولاد کی تربیت کیوں ضروری ہے اور ہم اپنی اولاد کی تربیت کیسے کریں؟ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو خوبیاں رکھی ہیں، انسان کی فطرت میں ان خوبیوں کے جو بیج رکھے ہیں، وہ تربیت کے نتیجے میں پھل لاتے ہیں، اس میں محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔ انسان اور جانور میں یہی فرق ہے کہ جانور میں جو چیز رکھی ہوئی ہوتی ہے، اسے وہ سکھانا نہیں پڑتا، محنت نہیں کرنی پڑتی، پیدا ہوتے ہی وہ اس چیز کو کرنے لگتا ہے۔

بطخ ہے، وہ تیرتی ہے۔ بطخ کا بچہ پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے، اس کو اس کے ماں باپ تیرنا سکھاتے نہیں، اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے جن جن جانوروں کے اندر جو جو چیزیں رکھی ہیں، وہ ان جانوروں کے اندر قدرتی طور پر اس انداز سے ہوتی ہیں کہ بچہ پیدا ہوتے ہی ان چیزوں کو کرنے لگ جاتا ہے۔ ماں باپ کی طرف سے اس پر کوئی محنت نہیں کی جاتی اور نہ سکھلایا جاتا ہے۔

فطری کمالات کو نمایاں کرنے کے لیے محنت

اس کے برخلاف اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کے اندر جو کمالات رکھے ہیں، وہ ایسے ہیں کہ ان پر محنت کرنی پڑتی ہے، جب محنت کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے اندر جو بیج رکھے ہیں، ان بیجوں کے مطابق پانی، کھاد ملتا ہے تو پھل لاتے ہیں،

اگر اچھا پانی ملا، اچھا ماحول ملا، اچھا موسم ملا تو اس کے مطابق پھل لاتے ہیں اور اگر برا ماحول ملا، برا موسم ملا تو اس کے مطابق اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔

انسان کے اندر جو خوبیاں ہوتی ہیں، وہ آپ ہی آپ نمایاں نہیں ہوتیں، ان خوبیوں کو باہر نکالنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے اور جتنی زیادہ محنت کی جائے گی، اس کے اعتبار سے اس کے اندر سے ان خوبیوں کا ظہور ہوگا۔

ایمان ہے، ایمانی صفات ہیں، سچائی ہے، امانت داری ہے، دیانت داری ہے، تواضع وانکساری ہے، یہ جتنی بھی خوبیاں ہیں، ان پر جب تک کہ محنت نہیں کی جائے گی، وہاں تک وہ نمایاں نہیں ہوں گی۔

ہو خاکِ تن سے ظاہر مخفی کوئی خزانہ

جیسے کوئی بچہ جب برے ماحول میں پہنچ جاتا ہے تو برائیوں کے بیج پرورش پاکر برائیوں کا اس سے ظہور ہوتا ہے اور اگر اچھے ماحول میں پہنچ جائے تو اچھائیوں کے بیج پرورش پاکر اچھائیوں کا اس سے ظہور ہوتا ہے تو اچھائیوں کے ظہور کے لیے اچھے ماحول کی ضرورت ہے اور اچھے ماحول کو پیدا کرنے کے لیے ہمیں محنت کرنی پڑے گی، بغیر محنت کے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی۔ اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ بغیر محنت کے یہ اچھائیاں بچوں کے اندر آجائیں گی تو یہ ناممکن ہے بلکہ بچے پر اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔

نیک عورت سے نکاح کا اثر اولاد میں

ہم اپنی اولاد کے بچپن میں اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، حالاں کہ اسلام نے تو

ہمیں بچوں کی تربیت کے لیے بہت پہلے سے تنبیہ فرمائی ہے: چناں چہ سب سے پہلے مرحلے میں یہ حکم دیا کہ اگر نیک اولاد حاصل کرنا چاہتے ہیں تو نیک عورت سے نکاح کریں لیکن ہم لوگ اس پہلے مرحلے ہی میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ ہمارا نوجوان ظاہری خوب صورتی اور حسن و جمال کے پیچھے ایسا دیوانہ ہو جاتا ہے کہ سیرت کی خوب صورتی اس کی نگاہوں میں آتی ہی نہیں ہے اور اسی میں پھنس کر کے چند دنوں کے اندر سارا معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

پھر بچہ جب ماں کے پیٹ میں حمل پاتا ہے، اس زمانے میں بھی اس کی بڑی نگرانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ماں کے پیٹ میں بچے کے ہونے کے زمانے میں ماں کے اندر اگر کوئی غلط چیز ہوتی ہے تو اس کے اثرات بچے کے اندر آتے ہیں۔

یہ تھے ہمارے اسلاف!

حضرت شیخ مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ ان کے والد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص تھے، جب پیدا ہوئے تو پاؤ پارہ حفظ تھا؛ کیوں کہ ان کے حمل کے زمانے میں ان کی والدہ جو قرآن پڑھتی تھیں، وہ یاد ہو گیا تھا۔ آج بچوں کے اندر جو برائیاں پائی جاتی ہیں تو حمل کے زمانے میں ماں جو غلط حرکتیں کرتی ہے، اس کے اثرات ان کے اندر آتے ہیں۔

شیطان ضلالت و گمراہی کا ٹھیکے دار

بچہ پیدا ہوتے ہی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فرماتے ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہوتے ہی شیطان اس کے دل کو چھوتا ہے [۱]۔ شیطان اپنے کام میں بڑا ماہر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو نظام چلائے ہیں: ایک ضلالت وگمراہی کا نظام جس کا پورا ٹھیکہ شیطان نے لے رکھا ہے اور دوسرا ہدایت اور راہِ راست پر چلنے کا نظام جو انبیائے کرام علیہم السلام کا ہے، شیطان کے ہر داؤ کو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام نے بتلایا ہے۔

اپنے مشن کو کامیاب بنانے کی شیطانی حرص اور اس کی فعّالیت

شیطان کی محنت انسان کے دل کے اوپر ہوتی ہے۔ بچہ جب تک کہ ماں کے پیٹ میں ہے، وہاں تک اس پر شیطان کا کوئی داؤ چل سکتا نہیں ہے۔ حالاں کہ دیکھو! اس بچے کی ماں کے قلب کے اوپر وہ اثر ڈال سکتا ہے، کیوں کہ ماں اس دنیا کی چیز ہے، لیکن بچہ چوں کہ ابھی اس دنیا میں نہیں آیا ہے؛ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس بچے پر تصرف کرنے کا شیطان کو کوئی اختیار اور طاقت نہیں دی۔ ہاں! بچہ جب باہر آئے گا، تب وہ اس دنیا کی چیز بنے گا، اب شیطان کو اس پر اثر انداز ہونے کی طاقت بھی مل جائے گی، چناں چہ شیطان اپنے کام میں اتنا ایکٹو (active) اور اتنا فعّال ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی فوراً وہاں پہنچ جاتا ہے اور اس کے دل کو چھوتا ہے۔

میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ جیسے آپ کے شہر میں کوئی نیا ڈاکٹر آئے اور اپنی

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، باب قَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا}

کلینک (clinic) شروع کرے تو کسی بھی دوائی بنانے والے کمپنی کا ایجنٹ (agent) ہوگا، وہ اس کے پاس فوراً اپہنچ جائے گا کہ نیا ڈاکٹر آیا ہے، ہمیں اس کے اوپر محنت کرنی ہے، اسے اپنا کلائنٹ (client) بنانا ہے۔

بوقتِ پیدائش بچے کے رونے کا سبب

شیطان بھی اپنے کام میں ایسا ہی متحرّک اور ماہر ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اور روتا ہے، وہ شیطان کے اس کے دل کو ٹٹولنے کی وجہ سے ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ چیز بچے نے آج تک کبھی دیکھی نہیں تھی تو اس کے ساتھ جو یہ سلوک اور معاملہ کیا جا رہا ہے، وہ ایک اجنبی اور نیا معاملہ ہے۔

نومولود کے کانوں میں اذان واقامت کہنے کا شرعی حکم

اب اسی کے اثر کو دور کرنے کے لیے ہمیں شریعت نے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعہ سے، حضور ﷺ کے ذریعہ سے یہ تعلیم دی کہ بچہ کے پیدا ہوتے ہی اس کو نہلا دھلا کر، ماں کے پیٹ سے جن آلائشوں کو لے کر آیا ہے، ان کو صاف کر کے دائیں کان کے اندر اذان کے کلمات اور بائیں کان کے اندر اقامت کے کلمات کہے جائیں[1]۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اذان واقامت سنتے سنتے ہماری زندگیاں گذر گئیں: چالیس سال، پچاس سالوں سے سن رہے ہیں لیکن کتنے ہیں جو اذان واقامت کا مفہوم

(۱) شعب الإيمان، بَابٌ فِي حَقِّ السَّادَّةِ عَلَى الْمَمَالِيكِ، ر:۸۲٥٤.

جانتے ہیں؟ اور یہی اذان واقامت کے کلمات اس بچے کے کانوں میں جس کو ابھی پیدا ہوئے پانچ، دس منٹ ہوئے ہیں، کہلوائے جارہے ہیں! اس سے کیا فائدہ ہوگا؟۔

بچے کا لوحِ قلب کوری سلیٹ کی طرح

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بچے کا دل کوری سلیٹ کی طرح ہوتا ہے، جیسے ہمارے سامنے ٹیپ ریکارڈر رکھا ہوا ہو، جو آدمی اس کی حقیقت سے ناواقف ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ کوئی بے کار سی چیز ہے لیکن جو اس کی حقیقت سے واقف ہے، وہ جانتا ہے کہ اس کے سامنے جو کچھ بولا جائے گا، بٹن دبانے سے یہ سب اپنے اندر محفوظ کرلے گا یا کسی کے سامنے کیمرہ رکھا ہوا ہو تو جو ناواقف ہوتا ہے، اس کو پتہ نہیں لیکن جو واقف کار ہوتا ہے، وہ جانتا ہے کہ جو بھی اس کے سامنے آئے گا، یہ اس کی تصویر لے لے گا۔

چھوٹے بچوں کے سامنے ناشائستہ حرکات انجام دینے سے بچیے

اسی طرح بچے کے دل ودماغ میں جو چیز کان کے راستے سے پہنچتی ہے، وہ بھی محفوظ ہوجاتی ہے اور جو چیز آنکھ کے راستے سے پہنچتی ہے، وہ بھی محفوظ ہوجاتی ہے، اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر آپ کا چھوٹا بچہ آپ کے قریب لیٹا ہوا ہے اور بیدار ہے تو اس کے دیکھتے ہوئے آپ بیوی کے ساتھ صحبت نہ کریں۔

بہت سے لوگ اس سلسلے میں بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کیا سمجھے گا۔ نہیں، وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور اس کی آنکھ کے راستے سے یہ سارا منظر اس کے دل کے اندر محفوظ ہورہا ہے، اپنا وقت جب آئے گا تو اس کا ظہور ہوگا۔

بہر حال! بچے کے کانوں میں اذان واقامت کے جو الفاظ کہلوائے جاتے ہیں، وہ اسی شیطانی اثر کو ختم کرنے کے لیے ہے۔ آج اس کا کتنا اہتمام ہوتا ہے؟ کتنے بچے ہوں گے کہ جن کے کانوں میں اذان واقامت کہی جاتی ہوگی؟

دشمنانِ اسلام کی مسلمانوں کے خلاف سازش

ہمارے یہاں جو ہندو تنظیمیں کام کرتی ہیں، ایک مرتبہ آر ایس ایس کا ایک پوسٹر کسی نے لاکر مجھے دیا تو اس کے اندر یہ چیز بھی لکھی ہوئی تھی، ان کے جو کارندے ہسپتالوں کے اندر کام کرتے ہیں، اس پوسٹر میں ان کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ جب بھی کوئی عورت زچگی کے لیے وہاں آئے اور وہ مسلمان ہو تو اس کے پیدا ہونے والے بچے کے کان میں چپکے سے ''اوم'' کہو۔ حالاں کہ ان کے مذہب میں تو ایسا کچھ نہیں ہے۔

بہر حال! شریعت نے ہمیں بچپن ہی سے اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ کیا ہے، اس کے بچپن میں بھی اس کے سامنے کوئی ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیے جو اس کے اخلاق کے اوپر اثر انداز ہو سکتی ہو۔

بچوں کی تربیت کے سلسلے میں پائی جانے والی ایک عام کوتاہی

اب ہوتا کیا ہے؟ بچہ کچھ بڑا ہو جاتا ہے اور کھانا کھا رہا ہے اور بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے تو اب کوئی ٹوکے گا تو کیا کہیں گے کہ مولوی صاحب! ابھی تو یہ بچہ ہے، یہ ابھی سے کیا سیکھے گا؟ بسم اللہ نہیں پڑھی، اس پر تنبیہ کی جائے تو یہی جواب ملتا ہے۔ ارے بھائی! ٹھیک ہے، ہم کہاں کہتے ہیں کہ اس کو مارو، اس کو محبت سے سمجھا تو سکتے ہو کہ

دائیں ہاتھ سے کھایا جاتا ہے، بسم اللہ پڑھ کر کھانا چاہیے۔

بچوں کی تربیت کا نبوی اہتمام

حضرت عمر بن ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش میں تھے، چوں کہ ان کی والدہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئی تھیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب کسی عورت سے نکاح ہوتا ہے اور اس کے پہلے سے بچے ہوتے ہیں تو وہ عورت اپنے بچوں کو لے کر آتی ہے۔

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کھانا کھا رہا تھا اور میرا ہاتھ پلیٹ میں گھوم رہا تھا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: يَا غُلَامُ سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ: اے بچے! پہلے بسم اللہ پڑھو، داہنے ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد بخاری شریف میں خود ان کے الفاظ ہیں: فَمَا زَالَتْ تِلْكَ طِعْمَتِي بَعْدُ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد میرے کھانے کا طریقہ ہمیشہ کے لیے ایسا ہو گیا[1]۔

حضراتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اندر بچہ بچہ ایسا تھا کہ ان کو کوئی ہدایت دی جاتی تھی، اس میں پے ھر کبھی غفلت نہیں برتتے تھے۔

العلم في الصغر كالنقش في الحجر

ہم یوں سمجھتے ہیں کہ بچہ کیا سمجھتا ہے؟ بچہ چاہے نہ سمجھے لیکن جب ٹوکا جاتا ہے تو وہ

---

① صحيح البخاري، كتاب الأطعمة، ر:۵۳۷۳.

اس کے ذہن میں نقش ہو جاتا ہے۔ بچے کو جب آپ کوئی جملہ کہیں گے تو وہ جملہ چاہے اس کی سمجھ میں نہ آئے لیکن وہ الفاظ اس کے دل میں نقش ہو جاتے ہیں اور بڑے ہونے کے بعد بھی اس کو یاد رہتے ہیں کہ میرے بچپن میں میرے ابّا نے یہ کہا تھا اور وہ ایسی تعلیم ہو جاتی ہے، جیسے آپ نے پتھر کے اوپر لکیر کھینچ دی ہو؛ اس لیے بچوں کی تربیت کے سلسلے میں بہت زیادہ ایکٹو، فعال اور محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

حضرت شیخ کی ان کے والد کے ہاتھوں مثالی تربیت

حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تربیت کے واقعات اپنی ''آپ بیتی'' میں لکھے ہیں، ان کے والد حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ صاحب بڑے سخت تھے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ہر چیز کے اندر میری نگرانی اور گرفت ہوتی تھی، یہاں تک کہ نمازوں کے معاملے میں بھی کہ بچے تھے، نماز میں جب آتے تھے تو تحقیق کرتے تھے کہ پیچھے کس بچے کے ساتھ نماز پڑھی؟ حضرت فرماتے ہیں کہ اگر کوئی بچہ میرے ساتھ ظہر کی نماز میں ہوتا اور وہی بچہ عصر کی نماز میں بھی میرے ساتھ کھڑا ہوتا تو میں بہانہ کر کے، نیت توڑ کے دوسری جگہ کھڑا ہو جاتا؛ کیوں کہ مجھ سے مواخذہ ہو جاتا کہ ظہر میں بھی تیرے ساتھ تھا اور عصر میں بھی! اس قدر زیادہ نگرانی ہوتی تھی۔

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جو لوگ سہارنپور مظاہر میں گئے ہیں، وہاں مدرسہ قدیم ہے اور اس کا دفتر ہے، وہاں سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مکان زیادہ دور نہیں ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جب وہاں

سے گھر جاتے تھے تو ان کے والد صاحب با قاعدہ اوپر سے دیکھتے تھے کہ بیچ میں کسی سے ملاقات تو نہیں کر رہے ہیں!!۔

بیٹے کی تربیت کے خاطر سفر سے گریز

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب ان کی تربیت کی وجہ سے سفر بھی نہیں کرتے تھے۔ حالاں کہ حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کی تھی؛ اس کی وجہ سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے سب خلفاء: حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، بڑے حضرت رائے پوری شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ الغرض حضرت گنگوہیؒ کے تمام ہی خلفاء حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے۔

اب اس کی طرف سے مجھے الحمد للہ اطمینان ہو گیا ہے

بڑے حضرت رائے پوری شاہ عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو رائے پور میں رہتے تھے، ان کا ہمیشہ یہ مطالبہ رہتا تھا کہ ہمارے یہاں آؤ، لیکن حضرت والد صاحب جاتے نہیں تھے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں بڑا ہو گیا تو والد صاحب نے میرے ہاتھ سے ہی حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط لکھوایا کہ: زکریا کی بیڑی میرے پاؤں میں پڑی ہوئی تھی، اب اس کی طرف سے مجھے الحمد للہ! اطمینان ہو گیا ہے؛ اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ آپ کے یہاں آ کر دو ماہ قیام کروں۔ اور اس کے بعد تشریف بھی لے گئے۔

فانی دنیا کے خاطر قربانی

بچے کو اپنے لیے ''بیڑی'' کہا۔ آپ اندازہ لگائیے کہ آپ کی ایک دوکان ہے اور وہ چل رہی ہے تو آپ اس دوکان کو چھوڑ کر کہیں جائیں گے؟ کوئی سفر کریں گے؟ کسی کی شادی میں جائیں گے؟ نہیں۔ کیوں کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر میں وہاں جاؤں گا تو میری دوکان کا کیا ہوگا؟ اس لیے حقیقت تو یہ ہے کہ آج ہم نے اپنے بچوں کو وہ حیثیت بھی نہیں دی جو دیہات میں رہنے والی عورت اپنی بھینس کو دیتی ہے۔

بچوں کی حیثیت بھینس سے بھی کم!

میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ آپ جانتے ہیں کہ دیہاتوں کے اندر عورتیں بھینس پالتی ہیں، جب بھینس کے دودھ دینے کا زمانہ ہوتا ہے، اس زمانے میں اگر خاندان میں کوئی تقریب یا شادی ہوتی ہے یا کوئی ایسا موقع ہوتا ہے کہ سب خاندان کے لوگ وہاں جائیں، تو گھر والے تمام لوگ وہاں جاتے ہیں لیکن وہ عورت نہیں جاتی۔ اس لیے کہ وہ جانتی ہے کہ اگر میں وہاں جاؤں گی تو میری بھینس دوسرے دن دودھ نہیں دے گی! اللہ اکبر! دیہات کی ایک عورت بھینس کی خاطر ساری قربانیاں دینے کے لیے تیار ہے لیکن ہم اپنی اولاد کے لئے ان چیزوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ ضرورت ہے کہ اس بات کی طرف خصوصی توجہ دی جائے۔

خیر! ہمیں اپنی اولاد کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے اپنی خواہشات کی قربانی دینی چاہیے، دیکھئے! جب ہماری سیزن کا وقت ہوتا ہے تو ہم اپنے دوستوں کی محفل کی اور

اپنے کھانے پینے کے اوقات کی کیسی قربانی دیتے ہیں، ہم دھندے کاروبار کے لیے قربانی دیں گے اور اولاد کی خاطر کیوں نہیں؟۔

والد صاحب کے نام حضرت شیخ کا خط اور اُن کا چشم کُشا جواب

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والد صاحب کے وہاں جانے کے بعد میں روزانہ ایک کارڈ لکھتا تھا، حالاں کہ سہارنپور سے رائے پور زیادہ دور نہیں لیکن روزانہ ایک کارڈ لکھتا تھا اور اس میں والد صاحب کی جدائی کے افسوس کا اظہار کرتا تھا کہ ابّا جان! آپ کی یاد بہت آرہی ہے۔ تو اس کے جواب میں والد صاحب نے لکھا کہ بڑوں کی نگرانی کی ضرورت اُس وقت تک رہتی ہے جب تک کہ دل میں اللہ کا خوف پیدا نہ ہو جائے، جب اللہ کا خوف پیدا ہو گیا تو اب ضرورت نہیں۔

صرف اولاد کی تربیت کے لیے ہمارے پاس وقت نہیں ہے

اصل تربیت کا خلاصہ بس یہی ہے کہ بچوں کے اندر تقوی پیدا ہو جائے، آج تو ہمارے اندر ہی تقوی نہیں ہے تو اپنی اولاد کو کیا دیں گے؟ اس لیے پہلے اپنے اندر تقوی پیدا کیجیے۔ آج اولاد کی تربیت کی طرف بہت زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ آج ہمارے پاس ہر چیز کے لیے وقت ہے: دوستوں کے پاس بیٹھنے کے لیے ہمارے پاس وقت ہے، اخبار پڑھنے کے لیے ہمارے پاس وقت ہے، کلب میں جانے کے لیے ہمارے پاس وقت ہے، ٹی وی دیکھنے کے لیے ہمارے پاس وقت ہے۔ سب چیزوں کے لیے وقت ہے لیکن ''۲۴'' گھنٹوں میں سے ''۲۴'' منٹ، ایک گھنٹے میں سے ایک

منٹ کے اعتبار سے بھی ہم اپنی اولاد کے لیے نکالتے نہیں ہیں۔

بچے بڑوں سے سیکھتے ہیں

ضرورت ہے کہ ہم اپنی اولاد کے لیے نمونہ بنیں، ہم نمازوں کا اہتمام کریں اور ان سے نمازوں کا اہتمام کروائیں۔ ہم گناہوں سے بچنے کا اہتمام کریں اور ان سے گناہوں سے بچنے کا اہتمام کروائیں۔ یہ سارے کام ہم کریں گے تو ہمارے بچے بھی کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بچوں کو ایسا بنایا ہے کہ وہ اپنے بڑوں کو دیکھ کر ان کی نقل کرتے ہیں۔

تم پر تمھاری ماؤں کا اثر تھا اور ان بچوں پر تمھارا اثر ہے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ بیتی'' کے اندر واقعہ نقل کیا ہے کہ میری بچیاں جب چھوٹی تھیں تو کبھی باہر ہندوؤں کا شادی وغیرہ کا کوئی جلوس ولوس ہوتا، بینڈ باجا ہوتا تو بینڈ باجے کی جب آواز آتی تھی تو بچیاں کانوں کے اندر انگلیاں دے کر کہتی تھیں کہ ''شیطان آ گیا، شیطان آ گیا'' پھر ماں وغیرہ بڑی عورتوں سے پوچھتیں کہ وہ شیطان گیا کہ نہیں، شیطان گیا کہ نہیں۔ جب جواب ملتا کہ گیا تو کانوں میں سے انگلیاں نکالتی تھیں۔

حضرت فرماتے ہیں کہ آج میں ان بچیوں کی اولاد کو دیکھتا ہوں کہ جب ایسا کوئی بینڈ باجے والا آتا ہے تو وہ اس کو دیکھنے کے لیے باہر نکل جاتے ہیں اور دوسروں سے کہتے ہیں کہ آ جاؤ، آ جاؤ دیکھنے کے لیے۔ یہ دیکھ کر میں اپنی بچیوں سے کہتا ہوں کہ تم پر تمھاری ماؤں کا اثر تھا اور ان بچوں پر تمھارا اثر ہے۔

آج ہماری اولاد میں جو برائیاں آرہی ہیں، وہ ہماری بے احتیاطی کا نتیجہ ہے، ضرورت ہے کہ ہم اپنی اولاد کا مستقبل صحیح بنانے کے لیے ان کی طرف خاص توجہ کریں، یہ بہت قیمتی دولت ہے، اس کی قدر کریں، ان کو مسلمان بنانے کا فکر کریں۔

باپ کے ہوتے ہوئے یتیم

ایک عربی شاعر نے کہا ہے:

لَيْسَ الْيَتِيمُ الَّذِي قَدْ مَاتَ وَالِدُهُ	إِنَّ الْيَتِيمَ يَتِيمُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ

وہ یتیم نہیں ہے جس کے باپ کا انتقال ہوا ہو، بلکہ یتیم تو وہ ہے جو اپنے باپ کی تعلیم و تربیت سے محروم ہو۔

باپ کے ہوتے ہوئے ہماری اولاد آج حق رکھتی ہے کہ انہیں یتیم کہا جائے، اس لیے کہ ان کی طرف جو توجہ ہونی چاہیے وہ نہیں ہو رہی ہے۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دی جائے۔

رونے کی چیز پر فخر

پہلے زمانے میں ہمارے معاشرے وسماج اور ہماری سوسائٹی کے کچھ قوانین اور کچھ قیدیں تھیں جو ایسی محفوظ تھیں کہ کوئی کھلے سر بھی نکلنے کی ہمت نہیں کرتا تھا، اگر کوئی بڑا سامنے آتا تو سلام کرتا تھا، کوئی بھی بڑا اگر کسی چھوٹے کو غلط بات پر تنبیہ کر دیتا تھا تو وہ اس کو سنتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ برائیوں میں پڑنے کے راستے بہت کم تھے، گویا پورے معاشرے کا ایک انتظام تھا، اس کی وجہ سے بچے باز آجاتے تھے۔

اور اب تو معاشرہ میں سب بڑے مربی ہی اس طرف سے غافل ہیں۔ ہم نے خود ہی اپنے گھروں میں ٹی، وی لاکر رکھ دیا ہے، بچے اس کو دیکھتے ہیں اور جو دیکھتے ہیں وہی پہنتے ہیں، وہی بولتے ہیں، وہی کرتے ہیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اگر مَیں غلط کہہ رہا ہوں تو آپ ہی بتائیے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ بچے کی تربیت ہم نہیں کرتے، یہ ٹی وی ان کی تربیت کرتا ہے۔ ہر بچہ ٹی وی کے مطابق زندگی گذار رہا ہے اور اسی کی باتیں بتلاتا ہے اور ہم دیکھ کر بجائے اس پر افسوس کرنے کے اور بجائے اس پر غم کرنے کے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارا بچہ بہت زیادہ مہذب ہو گیا ہے۔ جو چیز رونے کی تھی اُس کو ہم اچھا سمجھتے ہیں۔

بخارا اور سمرقند کا حال

ابھی کچھ عرصہ پہلے ہمارا ازبکستان کا سفر ہوا تھا، وہ بخارا اور سمرقند کہ جہاں سے پورے عالمِ اسلام کو احادیث کے معتبر ذخائر ملے تھے، وہاں آج کے جو جوان ہیں اور آج کے جو بچے ہیں، ان کو کلمہ تک یاد نہیں ہے۔ یاد ہونا تو دور کی بات ہے، ہم جب ان کو پڑھاتے ہیں، ہمارے ایک ساتھی تھے، وہ ان کو بلا کر کہتے کہ پڑھو: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ تو بہت سے تو وہ تھے کہ ان کی زبان سے کلمہ ادا نہیں ہوتا تھا، اور بعض لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰہ تو کسی طرح پڑھ لیتے تھے لیکن مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ ان کی زبان پر چڑھتا بھی نہیں۔

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

وہ ہم کو دیکھ کر پوچھتے تھے کہ کہاں سے آئے، ہندوستان سے؟ ہم ہاں کہتے تو وہ

کہتے تھے: ''نمستے''۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ! آج تک ہم ہندوستان میں رہے لیکن کبھی یہ جملہ نہیں کہا اور ٹی وی دیکھ دیکھ کر ان کا یہ حال ہے! اور ان میں سے کسی کو امام بخاریؒ کون ہیں، یہ معلوم نہیں! لیکن ''راج کپور'' کون ہے اور ''شاہ رخ خان'' کون ہے، یہ سب معلوم ہے! آج ان مناظر کو دیکھ کر خون کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنی اولاد کی تربیت کی طرف توجہ دیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق اور سعادت نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسلام میں عورتوں کا مقام

اور بیویوں کے حقوق

(۱)

اقتباس

ہمارے گھروں میں یہ جو آفتیں اور مصیبتیں نظر آتی ہیں، بے برکتیاں آتی ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا آتا ہے، آدمی کہتا ہے کہ مولوی صاحب! میں تو کچھ نہیں کرتا، پتہ نہیں، یہ مصیبتیں کیوں آتی ہیں اور اسی گھر کا حال دیکھیں تو روزانہ بیوی کی پٹائی کرتا ہے، بیوی کو گالیاں دیتا ہے، طعن وتشنیع کرتا ہے۔ ارے! کوئی ایک طعنہ آپ کو دے گیا ہو تو کئی دنوں تک آپ کو چین نہیں آئے گا اور یہ بے چاری کچھ بولتی نہیں تو تم جس طرح چاہو، اس کو ظلم کا نشانہ بناتے رہو؟ کل کو قیامت میں اللہ کے حضور میں جب جواب دینا ہوگا تو پتہ چلے گا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي: تمھارے اندر سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى اللّٰه بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم اللّٰه الرحمن الرحيم: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ فَإِن كَرِهۡتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـًٔا وَيَجۡعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيۡرًا كَثِيرًا ١٩﴾ [النساء]

وقال النبی ﷺ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي[۱].

وقال النبی ﷺ: لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ[۲].

وقال النبی ﷺ: الْمُسْلِمُ إِذَا كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الْمُسْلِمِ الَّذِي لاَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَلاَ يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ[۳].

---

① سنن الترمذي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهَا، بَابٌ فِي فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، ر:۳۸۹۵.

② صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ، بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ، ر:۱۴۶۹.

③ سنن الترمذى، عَنْ يَحْيَى بْنِ وَثَّابٍ، عَنْ شَيْخٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، أُرَاهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، ر:۲۵۰۷

وقال النبی ﷺ: اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ ①.

وقال النبی ﷺ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ ②.

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

شریعتِ مطہرہ نے انسانی زندگی کے جن مختلف شعبوں سے متعلق ہدایت اور رہنمائی فرمائی ہے، ان میں ایک شعبہ معاشرت کا ہے۔

انسانی طبیعت اور فطرت اور اس کی رشتہ داریاں

معاشرت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے طبعی طور پر انسان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ اکیلا زندگی نہیں گذار سکتا، اس کو اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے اپنی زندگی کے اندر واسطہ پڑتا ہے۔

بچہ پیدا ہوتا ہے، ماں باپ اس کے موجود ہوتے ہیں، ان ہی سے وہ پیدا ہو کر وجود میں آتا ہے، پہلے سے اگر ان ماں باپ کی کوئی اولاد وجود میں آچکی ہے تو وہ اس کے بھائی بہن ہیں جو گھر میں موجود ہیں، ان ماں باپ کے ماں باپ یعنی دادا، دادی، نانا، نانی۔ ان ماں باپ کے بھائی بہن یعنی چچا اور پھوپھی، ماموں اور خالہ، ان کی اولادیں: چچا زاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بھائی بہن اور ایک سلسلہ ہے، یہ تو رشتہ داریوں کا سلسلہ ہے۔

---

① صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، بَابٌ: المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، ر:۱۰.

② صحیح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابٌ: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، ر:۱۳.

معاشرت کا مطلب

اس کے علاوہ وہ گھر سے باہر نکلے گا تو پڑوسی ہیں، دکان پر بیٹھے گا تو خریدار ہیں، گاہک ہیں جو اس کے پاس آئیں گے، جائیں گے۔ بہر حال! ایک انسان ہونے کے ناطے وہ تنہا اور اکیلے زندگی نہیں گذار سکتا ہے، اس کو اپنی زندگی میں اپنے جیسے دوسرے بہت سے انسانوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

اب اس کو جن انسانوں سے اپنی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے، ان انسانوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا ہے، ان کے ساتھ کیسے سلوک کرنا ہے، اسی کے متعلق نبیٔ کریم ﷺ نے جو ہدایتیں اور جو رہنمائی انسان کو عطا فرمائی ہے، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں معاشرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

میاں بیوی کا تعلق معاشرت کی بنیاد

ویسے جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان کی ایک بڑی فہرست ہے، ان میں سے کچھ ابھی میں نے آپ کے سامنے بیان کیے، سب کے متعلق بیان کرنا مقصود نہیں ہے، جن لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے، ان میں ایک شخصیت وہ ہے جس کو آدمی اپنی بیوی کے نام سے یاد کرتا ہے اور یہ جو میاں بیوی کا تعلق ہے، وہ معاشرت کی بنیاد ہے۔

حضرت آدمؑ کی بائیں پسلی سے حضرت حوّاؑ کی تخلیق

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو وہ اکیلے اور تنہا تھے، ان کی انسیت اور دل بہلانے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت حوّا علیہا السلام

کو ان ہی کی بائیں پسلی سے پیدا فرمایا اور پھر ان ہی دونوں کے سنگم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوری انسانیت کو وجود عطا فرمایا[1]۔

حضرت آدمؑ سے حضرت حواؑ کی تخلیق کی دلیل

قرآنِ پاک میں سورۂ نساء کی پہلی آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس چیز کو بتلایا ہے:﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُواْ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ﴾: اے لوگو! ڈرو اپنے اس پروردگار سے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے۔﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾: اور ان ہی سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا جوڑا بھی بنایا،﴿وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً﴾: اور ان دونوں کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پیدا کر کے پوری دنیا کے اندر پھیلا دیا، ﴿وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝١﴾ اور ڈرو تم اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور رشتہ داریوں کو ضائع کرنے سے بھی ڈرو۔

اللہ کے واسطے سے ایک دوسرے سے حقوق طلب کرنے کی تفسیر

اللہ تبارک وتعالیٰ کا واسطہ دے کر ہم اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، کسی کا کسی کے اوپر کوئی حق ہے، جس کا حق ہے، وہ دبنگ ہے، طاقت ور ہے اور جس کے اوپر حق ہے، وہ کمزور ہے، وہاں تو حق کے ضائع ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں، وہ کمزور اس طاقتور

[1] تفسیر القرطبی ۱/ ۳۰۱، تحت قوله تعالیٰ:وَقُلْنا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ.

کے چہرے اور ابرو کو دیکھتے ہی اس طاقت ور کا حق وقت سے پہلے ادا کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن جہاں معاملہ برعکس ہو کہ جس کا حق ہے، وہ کمزور ہے اور جس کے اوپر حق ہے، وہ طاقت ور ہے تو عام طور پر انسان کی فطرت، اس کی نفسیات یہ ہے کہ وہ حق والے کا حق ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے تو ایسے موقع پر وہ کمزور کہ جس کے پاس اور تو کچھ ہے نہیں، اس کو اللہ کا واسطہ دیتا ہے کہ بھائی! اللہ سے ڈر، میرا حق ادا کر، تجھے اور مجھے سب کو مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے تو اس طرح اللہ کا واسطہ دیا جاتا ہے، ﴿وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ٱلَّذِى تَسَآءَلُونَ بِهِۦ وَٱلۡأَرۡحَامَ﴾: ڈرو تم اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔

ون سائیڈ ٹرافک اسلام میں معتبر نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تمھارا حق کسی طاقت ور پر ہوتا ہے تو تم اس طاقتور سے اپنا حق وصول کرنے کے لیے اللہ کا ڈر اس کو دکھلاتے ہو تو تمھارے اوپر اگر کسی کمزور کا حق ہے تو تم بھی تو اللہ سے ڈرو، یہ ون سائیڈ ٹرافک (one side traffic) تو نہیں چلا کرتی، اپنا حق وصول کرنے کے لیے تو سامنے والے کو اللہ کے ڈر کا واسطہ دیتے ہو اور سامنے والے کے حق کو ادا کرنے کا وقت آتا ہے تو اللہ کو بھول جاتے ہو، یہ کیسی بات ہے!! اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ڈرو تم اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔

وَٱلۡأَرۡحَامَ اور رشتہ داروں کے حقوق کو ضائع کرنے سے بھی ڈرو، ﴿إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ

عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿۱﴾: بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے اوپر نگران ہیں، تمھارے تمام حالات سے اللہ تبارک وتعالیٰ بخوبی واقف ہیں۔

خطبۂ نکاح میں آیاتِ تقوی کے انتخاب کی حکمت

یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جو بوقتِ نکاح خطبے میں پڑھی جاتی ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے خطبۂ نکاح کا جو انتخاب فرمایا، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ خطبۂ نکاح میں پڑھی جانے والی ان آیتوں کو دیکھیں تو سب میں اللہ کے ڈر کا حوالہ دیا گیا ہے، حالاں کہ قرآنِ پاک میں نکاح کے موضوع اور نکاح کے سبجیکٹ (subject) سے تعلق رکھنے والی بہت ساری آیتیں تھیں، اگر نبیٔ کریم ﷺ چاہتے تو خطبۂ نکاح میں ان آیتوں کو شامل کر سکتے تھے لیکن ان میں سے کسی آیت کو نبیٔ کریم ﷺ نے شامل نہیں فرمایا بلکہ جن آیتوں کو شامل فرمایا، ان تمام میں ایک چیز قدرے مشترک ہے، تقوی اور اللہ کا ڈر۔

حضرت فرماتے ہیں کہ تقوی ہی وہ چیز ہے اور اللہ کا ڈر ہی ایسی چیز ہے جو آدمی کو دوسرے کے حقوق ادا کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکمِ الٰہی

قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ کہ: تم اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ کون کہہ رہا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ حکم دے رہے ہیں۔

حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حکیمانہ بات

حضرت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو طاقت ور ہیں، ہر چیز پر قادر ہیں، وہ سفارش کر رہے ہیں، کس کی؟ آپ کی بیویوں کی کہ آپ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

حضرت مثال دے کر فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا نکاح ہوا اور نکاح کے بعد دلہن رخصت ہو کر کے اس کے گھر آئی تو اس علاقے کا جو انسپیکٹر، جنرل آف پولیس ہے، اس نے کہا کہ بھائی! تمھارے نکاح میں جو لڑکی آئی ہے، وہ ہماری بیٹی کی سہیلی ہے، ذرا خیال رکھنا۔ بس ایک جملہ ایسا اس انسپیکٹر یا آئی جی نے کہہ دیا تو وہ تو تنہائی میں بھی لرزتا رہے گا کہ اب کیا کریں۔ حالاں کہ اس آئی جی نے اس کو بس ایک بات کہی ہے، پھر بھی اس کا ایسا خوف سوار ہے کہ اب کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ساتھ زیادتی کا معاملہ کرے۔

یہاں تو سفارش کرنے والے اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں جو قادر و توانا ہیں، وہ آپ سے سفارش کر رہے ہیں کہ یہ ہماری بندیاں جو آپ کے نکاح میں ہیں، ہمارے ایک کلمہ کی بنیاد پر تم نے اس کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔

ایجاب وقبول کی تفہیم

دیکھو! ویسے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے، ایسا تو نہیں ہے کہ کوئی لڑکی پیدائشی طور پر کسی لڑکے کے لیے حلال ہو، سب ایک دوسرے کے لیے حرام ہیں لیکن

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک نظام بنایا ہے نکاح کا۔ نکاح کے اس نظام کے اندر جو کلمات کہے جاتے ہیں، اس کو اہلِ علم جانتے ہیں کہ ان کو کیا کہا جاتا ہے۔ پہلا کلمہ دلہن کی طرف سے ہوتا ہے، اس کا وکیل یا اس کا ولی ایک جملہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کو، اپنی بہن کو، اپنی فلاں عزیزہ کو اتنے مہر کے عوض آپ کے نکاح میں دیا۔ اس کے جواب میں وہ دولہا کہتا ہے کہ میں نے اس کو قبول کیا۔

یہ جو پہلا جملہ ہے: ''دیا'' اس کو شریعت کی اصطلاح اور ''پری بھاشا'' میں ''ایجاب'' کہا جاتا ہے اور دوسرا جملہ ''میں نے اس کو قبول کیا'' اس کو شریعت کی اصطلاح اور ''پری بھاشا'' میں قبول کہا جاتا ہے۔ بس نکاح میں یہی دو چیزیں ہیں جو اس کی بنیاد ہے، باقی چیزیں: مہر، گواہ وغیرہ اس کے تابع ہیں۔ یہ رکن ہے، اسی کے اوپر سارے نکاح کا نظام قائم ہے۔

بہت سی مرتبہ ناگوار امور میں بھی خیر مضمر ہوتا ہے

تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم نے میرے کلمے کے ذریعے، میرے اس حکم کے نتیجے میں میری اس بندی کو اپنے لیے حلال کیا ہے تو اب تم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾﴾: باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے تم اس کو ناپسند کرتے ہو، اس کی کوئی بات تم کو اچھی نہیں لگتی، اس کی کسی بات سے تم کو ناراضگی ہے تو ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے لیے بڑی

بھلائی رکھ دے۔

بہت سی مرتبہ آدمی کو زندگی میں تجربہ ہوتا ہے، کچھ واقعات ایسے پیش آتے ہیں کہ جن کو آدمی پسند نہیں کرتا لیکن بعد میں جب انسان کے سامنے اس کا انجام آتا ہے تو وہ خوش ہو جاتا ہے، ایک ناپسند چیز تھی، اللہ نے اس کے اندر ایسی بھلائی ڈال دی کہ وہ خود حیرت کرتا ہے۔

ناپسند ہونے کی وجہ سے بیوی کو ایک کونے میں کر دینا جائز نہیں ہے

باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ تم کو وہ ناپسند ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس کو ایک کونے میں ڈال دو بلکہ یوں سوچو کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ذریعے سے ایسی اولاد دیوے جو ہمارے لیے نجات کا ذریعہ بن جاوے، اس کے ذریعہ سے بہت سے فوائد پہنچ سکتے ہیں۔

مرد کو بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک پر آمادہ کرنے والا نکتہ

یعنی بیوی کے ساتھ حسنِ سلوک کی جو تاکید کی گئی ہو، اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کے اندر اور نبیٔ کریم ﷺ نے اپنے ارشادات کے اندر ایک ایسے نکتہ اور ایسے پوائنٹ (point) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس پوائنٹ کو آدمی اپنے دماغ کے اندر رکھے تو اس کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرے گا۔

وہ پوائنٹ کیا ہے؟ تو خطبے میں ایک حدیث میں نے یہ بھی پڑھی تھی: لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ: کوئی ایمان والا یعنی شوہر کسی ایمان والی

سے یعنی اپنی بیوی سے نفرت نہ کرے، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا: اگر اس کی کوئی بات اس کو ناپسند ہو تو رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ: تو ہوسکتا ہے کہ دوسری بات اس کو پسند آئے گی۔

ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کی ''ماسٹر کی''

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی گذارنے کا ایک طریقہ بتلایا، ماسٹر کی (master key) ''گرو چابی'' ہم کو دے دی کہ دیکھو! آپ کو اپنی ازدواجی زندگی میں کبھی ایسی صورتیں پیش آئیں گی کہ آپ کو اپنی بیوی کی کوئی بات ناپسند ہوگی لیکن اس کی وجہ سے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آپ اس کی اس ناپسندیدہ بات کی وجہ سے اپنے دل میں نفرت کا جذبہ بٹھالیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر اس کی ایک بات ناپسند ہے تو اس کی دوسری بات آپ کو پسند آئے گی۔

ہر چیز میں خیر اور شر دونوں پہلو

دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے دنیا کو ایسا بنایا ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے، بھلائی بھی ہے، برائی بھی ہے، نفع بھی ہے، نقصان بھی ہے، اسی لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں دعائیں سکھلائیں۔ ان دعاؤں میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی سواری خریدے، مثلاً گھوڑا خریدا ہے تو اس کے بال پکڑ کر دعا پڑھے: اللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا جُبِلَ عَلَيْهِ [1]: اے اللہ! میں اس

---

① السنن الكبرى للنسائی، عَنْ عَمرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہ، مَا يَقُولُ إِذَا اشْتَرَى جَارِيَةً أَوْ دَابَّةً أَوْ غُلَامًا.

کی بھلائی اور جس بھلائی پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے، میں تجھ سے اس بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے اندر جو برائی ہے اور جس برائی پر تو نے اس کو پیدا کیا ہے، اس برائی سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نیا لباس پہننے کی موقع کی دعا

اگر کوئی نیا لباس اور کپڑا ہے تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نیا لباس زیب تن فرماتے تو اس کا نام لیتے تھے کہ مثلاً یہ کرتا ہے یا چادر ہے اور پھر یہ دعا پڑھتے تھے: اللَّهُمَّ لَكَ الحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ: اے اللہ! میں تجھ سے اس کی خیر مانگتا ہوں- اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں خیر اور بھلائیاں رکھی ہیں تو اس کے اندر تو نے جو خیر رکھی ہے میں اس کی اس خیر- اور بھلائی طلب کرتا ہوں اور جن اچھے کاموں کے لیے یہ چیز استعمال ہوسکتی ہے، ان تمام اچھائیوں کا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ: اور میں تجھ سے اس چیز کی برائی، اور جن برے مقاصد کے لیے یہ چیز استعمال ہوتی ہے، اس سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں[1]۔

مسنون دعائیں پڑھ کر اشیاء کا استعمال شروع کریں

ہر چیز میں دعائیں ہیں، نئ کار خریدی تو یہ دعا کرنی چاہیے، نہیں کرتے تو پھر ایکسیڈنٹ (accident) ہوجاتا ہے، نئ، عمدہ، اعلی قسم کی کار ہے، bmw کے اندر

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا لَبِسَ ثَوْبًا جَدِيدًا، ر: ۱۷٦۷

بیٹھا ہوا ہے، خوش ہے اور غرور میں مبتلا ہو گیا کہ ہمچوں من دیگرے نیست، میرے جیسا کوئی نہیں، گویا اس کار نے آپ کو غرور اور کبر میں ڈال دیا اور غرور ایسی چیز ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ شیطان نے سات لاکھ سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی لیکن کبر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو توڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی بارگاہ سے مردود کر دیا۔

اگر آپ دعا کر کے اس کا استعمال شروع کرتے تو یہ جو برا جذبہ آپ کے دل کے اندر پیدا ہوا، اس کی نوبت نہ آتی۔ نیا لباس ہے، عمدہ اور قیمتی لباس ہے، پہننا ہے تو دعا کر کے پہنو جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، اگر دعا نہیں پڑھی تو اس لباس کو جب پہنو گے تو اس وقت شیطان آپ کے دل میں غرور پیدا کرے گا کہ اوہو! میرے جیسا کسی کا لباس نہیں ہے، آپ دوسروں کو حقیر اور ہلکا سمجھیں گے۔

شریعت میں کبر وغرور کی مذمت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، مسلم شریف کی روایت ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ: جس کسی کے دل میں ایک ذرّہ برابر کبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو مجلس میں موجود ایک صحابی نے سوال فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً: اے اللہ کے رسول! ہر آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں، اس کے جوتے اچھے ہوں یعنی ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ

اچھی چیز استعمال کرے۔

تکبر کی حقیقت

سوال کرنے والے کا مقصد یہ تھا کہ اچھا کپڑا استعمال کرنا، اچھا جوتا استعمال کرنا، کیا یہ کبر ہے؟ تو نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ[۱]: اللہ تعالیٰ خوب صورت ہیں، جمیل ہیں اور جمال اور خوبصورتی کو پسند کرتے ہیں، کوئی اچھا لباس پہنے تو اس سے اللہ کیوں ناراض ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ تو اچھی چیز کو پسند کرتے ہیں، البتہ تکبر نام ہے حق بات کے انکار کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کا۔

صاحبِ مال کا فقیروں جیسا لباس پہننا شریعت میں ناپسندیدہ

اچھے کپڑوں کو پہننا یہ کبر نہیں ہے لیکن ان اچھے کپڑوں کو پہننے کے بعد یہ سمجھنا کہ میں سب سے بڑا ہو گیا اور یہ لوگ میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، یہ غلط ہے اور کبر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہے تو پہنو، شریعت کی حدود میں رہ کر قیمتی سے قیمتی لباس پہننے کی شریعت اجازت دیتی ہے بلکہ اگر کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال ودولت سے نوازا ہوا اور وہ فقیروں جیسا لباس پہنے تو شریعت اس کو پسند نہیں کرتی، اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔

---

[۱] صحیح مسلم، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ تَحْرِيمِ الْكِبْرِ وَبَيَانِهِ.

بندوں کے ظاہری جسم پر نعمت کا اثر ظاہر ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے

ایک آدمی نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کے ظاہری حال سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ مفلوک الحال، غریب غرباء میں سے ہوگا، حضور ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تمھارے پاس مال ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں، اے اللہ کے رسول! ہر قسم کا مال ہے: اونٹ ہیں، گائیں ہیں، بکریاں ہیں، زمین ہے، سب کچھ ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ پھر ایسا لباس کاہے کو پہنتے ہو؟ اللہ تبارک وتعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ اس کی نعمت کا اثر بندوں کے جسم پر ہو[۱]۔

اظہارِ نعمت کی حد

لیکن نعمت اللہ کی نعمت کی حد تک رہنی چاہیے، اس کو پہننے کے بعد اگر ہم لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں تو شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی، یہ حرام ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے آدمی سے ناراض ہوتے ہیں، دونوں میں فرق ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم ایسی چیزیں استعمال کرتے ہیں تو غرور کا شکار ہوجاتے ہیں، شیطان ہمارے دل ودماغ میں ایسی پھونک ماردیتا ہے کہ بس! کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ کسی کو حقیر سمجھنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

---

① سنن النسائی، عَنْ أَبِي الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ ذِكْرِ مَا يُسْتَحَبُّ مِنْ لُبْسِ الثِّيَابِ وَمَا يُكْرَهُ مِنْهَا، ر:٥٢٩٤.

مسلمان اپنے بھائی پر ظلم ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا

نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ؛لا يَظْلِمُهُ وَلا يَخْذُلُهُ وَلا يَحْقِرُهُ[1]: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ نہ تو خود اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کرتا ہے اور نہ اس کا حق مارتا ہے اور جب کوئی اس پر ظلم کر رہا ہو تو اس کو بے یارومددگار نہیں چھوڑتا۔

ایک مسلمان کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ کوئی اس کے ساتھ ظلم کر رہا ہے اور ہم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اتنی طاقت دی ہے کہ ہم اس پر ہونے والے ظلم کو اس کی مدد کر کے دور کر سکتے ہیں تو ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ظلم کو دور کرے، اس کو بے یارومددگار نہ چھوڑے۔ جو شخص دنیا میں اپنے بھائی پر ظلم ہوتا ہوا دیکھنے کے بعد اس کی مدد کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود اس کی مدد نہیں کرے گا تو کل کو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مدد نہیں کریں گے۔

کسی مسلمان بندے کو حقیر سمجھنا جائز نہیں

آگے فرمایا: وَلا يَحْقِرُهُ: اس کو حقیر نہ سمجھے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے اوپر حق ہے کہ وہ اس کو حقیر نہ سمجھے۔ حقیر سمجھنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو پیسے دیے ہیں اور اس بے چارے کے پاس نہیں ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کی اس نعمت کی وجہ سے آپ اس کو حقیر سمجھیں۔

---

[1] صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ تَحْرِيمِ ظُلْمِ الْمُسْلِمِ، وَخَذْلِهِ، وَاحْتِقَارِهِ وَدَمِهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَالِهِ.

آپ کو اللہ تعالیٰ نے دو رکعت پڑھنے کی توفیق دی ہے اور اللہ کا ایک گنہگار بندہ ہے جو مسجد میں نہیں آتا، وہ گنہگار ہے، اس میں کوئی دو رائے نہیں، آپ اس کو مسجد میں لانے کی محنت کر سکتے ہیں لیکن اس کی بنیاد پر اس کو حقیر سمجھنا کہ میں تو اللہ کے یہاں بہت بڑا ہوں، بڑا عبادت گزار بندہ ہوں اور یہ تو نماز بھی نہیں پڑھتا۔ ارے اس کے دل کی کیا کیفیت ہے اور اس کا اللہ کے یہاں کیا مقام ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا۔

شراب کی حرمت کے نزول پر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ردعمل

حدیث میں آتا ہے، شراب پہلے حلال تھی، لوگ پیتے تھے، بعد میں جب اس کو حرام قرار دیا گیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ حکم آتے ہی اس کو چھوڑ دیا بلکہ شراب پی رہے ہیں اور شراب کے حرام ہونے کے اعلان کی آواز سنی، وہیں پھینک دیا[۱]۔

لعنت بھیجنے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنبیہ

لیکن سبھی کا ایسا حال نہیں ہوتا، بعض کی طبائع الگ بھی ہوتی ہیں، ایک صحابی تھے جنھوں حرام ہونے کے بعد بھی شراب پی، چوں کہ اس پر شریعت کی طرف سے سزا مقرر ہے تو ان کو سزا کے لیے لایا گیا۔ چوں کہ ابتدائی مرحلہ ہے؛ اس لیے کوئی سزا مقرر نہیں تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ مارو تو صحابہ مارنے لگے، کوئی ہاتھ سے

---

① الدرالمنثور، ٥/ ٤٦١. صحيح البخاري، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابٌ قَوْلِهِ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنْصَابُ وَالأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ.

ماررہا ہے، کوئی جوتا ماررہا ہے۔ سزا پوری ہوگئی۔ کچھ مدت کے بعد اسی جرم میں ان کو دوبارہ پکڑ کر کے لایا گیا، پھر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مارو، اس وقت بھی مجلس میں موجود لوگوں نے سزا کے طور پر مارا۔ تیسری مرتبہ بھی اسی طرح ہوا تو ایک آدمی کی زبان سے ایک جملہ نکلا: اللَّهُمَّ العَنْهُ، مَا أَكْثَرَ مَا يُؤْتَى بِهِ؟: اے اللہ! اس پر لعنت بھیج، کتنی مرتبہ اس آدمی کو اس جرم میں گرفتار کر کے لایا جاتا ہے!!۔ جب یہ جملہ اس آدمی کی زبان سے نکلا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تیور بدل گئے اور آپ نے فرمایا: لاَ تَلْعَنُوهُ، فَوَاللَّهِ مَا عَلِمْتُ إِنَّهُ يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ: اس پر لعنت مت بھیجو، اللہ کی قسم! جہاں تک میں جانتا ہوں، یہ آدمی اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے[۱]۔

کسی گنہگار کو حقیر سمجھنے کی بھی اجازت نہیں

کس کے دل کی کیا کیفیت ہے، میں اور آپ کیا جانیں!، ہم نے دو رکعت پڑھ لی تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ کوئی داڑھی منڈا ہے تو اس کو حقیر سمجھنے لگیں، کوئی نماز نہ پڑھتا ہو، اس کو حقیر سمجھیں، نہیں، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، ہم نصیحت کے طور پر کہہ سکتے ہیں، اس کو شریعت کا حکم بتا سکتے ہیں لیکن اس کو حقیر سمجھنے کی شریعت اجازت نہیں دیتی۔

موجوداتِ دنیویہ میں خیر وشر دونوں پہلو ہیں

بہرحال! بات یہ چل رہی تھی کہ دنیا کی ہر چیز میں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے، اچھائی

---

① صحيح البخاری، عَنْ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ رضي الله عنه، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ لَعْنِ شَارِبِ الخَمْرِ، وَإِنَّهُ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنَ المِلَّةِ.

بھی ہے اور برائی بھی ہے۔ کوئی سو فی صد اچھا ہی اچھا ہو، اس میں کوئی برائی نہ ہو، ایسا نہیں، حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ تو خیرِ محض ہیں اور شیاطین شر محض ہیں، ان کے علاوہ باقی انسانوں میں خیر بھی ہے اور شر بھی ہے، دنیا کی کوئی بھی چیز ہو، اس میں فائدہ ہی فائدہ ہو، نقصان نہ ہو، ایسا نہیں ہے۔

روٹی اور پانی کہ جس پر ہمارا گذارا ہوتا ہے، پانی کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ ٱلْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[الأنبياء۳۰]: پانی سے ہم نے ہر جان دار چیز کو بنایا۔ روٹی ہے لیکن اسی روٹی اور پانی کو کوئی شخص زیادہ مقدار میں کھا پی لے تو یہ روٹی بدہضمی کر کے موت کا سبب بن سکتی ہے اور یہ پانی تخمہ پیدا کر کے موت کا سبب بن سکتا ہے، ہر چیز میں خیر کے ساتھ ساتھ شر کا پہلو بھی موجود ہے۔

عورت کے مزاج میں فطری ٹیڑھا پن ہے

اسی طرح عورتوں کے اندر بھی خیر اور شر دونوں پہلو ہیں، عورتوں کا ایک مزاج اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنایا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس مزاج کی طرف رہنمائی فرمائی، نشان دہی کی: إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، فَإِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ وَبِهَا عِوَجٌ، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا: تم اگر اس سے فائدہ اٹھانا چاہو تو اس کی کجی اور ٹیڑھے پن کے ساتھ اٹھا سکتے ہو[۱]۔

(۱) صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ.

پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اور یہ ٹیڑھا ہونا ہی پسلی کی خوبی ہے، اگر وہ سیدھی ہو جائے تو ڈاکٹر بھی اس کو سرجری کر کے ٹیڑھا کرے گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کا مزاج ہی ایسا ہی بنایا ہے، وَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهَا كَسَرْتَهَا: اس کو سیدھا کرنے جاؤ گے تو توڑ بیٹھو گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذکورہ ارشاد عورتوں کے حق میں برائی نہیں ہے

میں کہا کرتا ہوں کہ موٹر کار کے نیچے جمپر ہوتا ہے، وہ ٹیڑھا ہوتا ہے، اگر وہ سیدھا ہو تو جمپر کا کام نہیں دے گا تو عورت کا مزاج قدرتی طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسا بنایا ہے اور یہ اس کی خوبی ہے، یہ برائی کے طور پر نہیں ہے۔ بہت سے لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو برائی کے طور پر بیان فرمایا ہے، نہیں! یہ تو خوبی کا بیان ہے۔

جوڑے کا مطلب

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانی معاشرے کو دو پہیوں پر چلایا ہے، ایک پہیہ مرد اور دوسرا پہیہ عورت ہے، یہ دونوں ہوں گے تو ہی معاشرہ اور سماج قائم ہوگا، جوڑا اسی کو کہتے ہیں، جوڑے کا مطلب یہی ہے کہ ان میں سے ایک چیز دوسرے کے بغیر فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔

جیسے کرتا اور پائجامہ جوڑا ہے تو اکیلے کرتے سے جسم کے چھپانے کا فائدہ حاصل نہیں ہوگا اور اکیلے پائجامے سے بھی حاصل نہیں ہوگا، اگرچہ شرعی طور پر ستر ڈھک جاتا ہے، اگر کوئی اکیلے پائجامہ پہن کر نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی لیکن لباس جو اس کے

لیے زینت بننا چاہیے، وہ نہیں بنتا۔

جوتے ہیں، اس کو بھی ’’جوتے کی جوڑی‘‘ کہا جاتا ہے، اس میں بھی ایک جوتے سے کام نہیں چلے گا۔ جوڑا کہتے ہی ہیں اس کو کہ ایسی دو چیزیں کہ وہ دونوں مل کر ایک مقصد کو پورا کرتی ہیں، اگر ان میں سے ایک چیز کو نکال دیا جائے تو وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

تخلیق انسانی کا مقصد مرد اور عورت کے اجتماع سے پورا ہوسکتا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کو جس مقصد کے لیے بھیجا ہے، وہ مقصد اسی وقت حاصل ہوگا، جب کہ مرد اور عورت دونوں کا جوڑا ہو، تبھی یہ نسل بھی چلے گی اور زندگی بھی خوش گوار ہوگی۔ کوئی مرد یہ سمجھے کہ میں اکیلے ہی زندگی گذاروں گا، کسی سے شادی نہیں کرتا تو وہ اکیلا رہ کر کبھی بھی سکون حاصل نہیں کرسکتا۔ کوئی عورت یوں سمجھے کہ میں شادی نہیں کروں گی، اکیلی رہوں گی تو یہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مزاج اور طبیعت اور نیچر ہی ایسا (nature) بنایا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ رہنے سے سکون ملتا ہے۔

عورت کی غرضِ تخلیق

چناں چہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمِنْ ءَايَٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾﴾ [الروم] اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ تمھاری ہی ذاتوں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمھارے لیے جوڑے پیدا کیے؛ اس لیے تاکہ

اس کے ذریعہ سے تم سکون حاصل کرو۔

انسان دن بھر کام کاج میں، کاروبار کے ٹینشن (tension) میں گذارتا ہے اور رات کو جیسے بیوی کے پاس جائے گا تو سارا ٹینشن ختم ہو جائے گا، ایک سکون کی کیفیت حاصل ہو جائے گی۔ وہ بیوی کے ساتھ جو ٹینشن پیدا ہوتے ہیں، وہ تو ہم پیدا کرتے ہیں، ورنہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔

مرد اور عورت دونوں کا میدانِ کار الگ الگ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کا میدان اور دونوں کی فیلڈ (field) بھی الگ الگ مقرر کی ہے: عورت کا میدان اور فیلڈ گھر کے اندر ہے کہ وہ گھر کو سنبھالے اور مرد کا میدان باہر کا ہے، دونوں اپنا کام کریں، اگر عورت کسی کام سے کہیں چلی گئی اور بچوں کو مرد کے حوالے کر گئی تو دو گھنٹے کے لیے بھی بچوں کو سنبھالنا مرد کے لیے مشکل ہو جاتا ہے، بے چاروں کی پٹائی کر کر کے اس کو ہلکان کر دے گا، ایک عورت ہی ہے جو اس کو سنبھالتی ہے، ورنہ اگر کبھی سنبھالنے کی نوبت آجائے تو پتہ چلے گا، دن میں تارے نظر آجائیں گے۔

عورت، مرد میں مساوات کے نظریے کا انجام

آج کیا ہو گیا ہے؟ امریکہ وغیرہ بیرونی ممالک میں مردوں کا کام سنبھالنے کے لیے عورتوں کو مرد کی فیلڈ میں داخل کر دیا تو ان کی گھریلو زندگیاں تباہ ہو گئیں۔ اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کو جس کام کے لیے پیدا کیا ہے، وہ اس کو ہٹا تو سکتی نہیں: بچہ کاہے سے پیدا ہوتا ہے؟ عورت سے۔ یہ یورپ اور امریکہ والوں نے عورتوں اور مرد

کے درمیان مساوات کا نعرہ بلند کیا کہ عورت مرد کی برابری کرے گی اور یہ کہہ کر اس کو آفس میں لے آئے تو کیا ایسا کرنے سے عورتوں نے بچے جننا بند کر دیا؟ یہ کام تو آج بھی عورت کا ہے۔ یورپ اور امریکہ والے یہ ذمہ داری عورت سے ہٹا نہیں سکے، اگر وہ ہٹاتے تو بات تھی۔ اگر برابری مقصود تھی تو یہ کرتے کہ صدیوں تک عورتیں بچے جنتی رہیں اور مرد دادا گری کرتے رہے، اب معاملہ الٹا ہونا چاہیے کہ اب سے مرد بچے جنیں اور عورتیں باہر کا کام سنبھالیں۔ ایسا تو کر نہیں سکتے۔ یہ تو ان کی شہوت پرستی ہے، یہ مردوں کی چالاکی ہے، ایسا کہہ کر کے عورت کو باہر لا کر اپنی شہوت رانی میں استعمال کر رہے ہیں۔

عورتوں کو مردوں نے بکاؤ مال بنا دیا ہے

آج عورت ایک بکاؤ مال ہو کر رہ گئی ہے۔ ایڈورٹائیز (advertise) کا ایسا کون سا شعبہ ہے جس میں عورت کو استعمال نہیں کیا جاتا۔ اگر ''منجن'' کی ایڈورٹائیز دینی ہے تو عورت کے دانتوں کو وہاں پیش کیا جائے گا، سرمے کاجل کی ایڈورٹائیز دینی ہے تو عورت کی آنکھیں اس کے لیے پیش کی جائیں گی۔ عورتوں کا کوئی عضو ایسا نہیں چھوڑا کہ جس کو انھوں نے بازار میں مال کے حصول کا ذریعہ نہ بنالیا ہو۔

عورتوں کی بالادستی بھی محض دکھلاوا ہوتی ہے

اور پھر عورتیں بھی بے وقوف ہیں، ان کے اس نعرے میں آکر کے یوں سمجھتی ہیں کہ ہم کو برابر کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ یہ مرد ان کو کبھی بھی برابر کا درجہ نہیں دے سکتا، اس کو یاد رکھنا، امریکہ وغیرہ میں عورتوں کو بظاہر اعلی مراتب دیے جاتے ہیں لیکن

نفسیاتی طور پر آقا (boss) تو وہی مرد رہتا ہے۔

بہر حال! یہ ایک دوسرا موضوع ہے، میں تو یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورت کو اس لیے بنایا ہے کہ ہماری معاشرت کا ایک نظام ہے جو اس کے ذریعہ وجود میں آتا ہے۔

طلوعِ اسلام سے پہلے عورت کی زبوں حالی

اب عورتوں سے متعلق جو ہدایات ہمیں دی گئی ہیں، ان کا ہمیں اہتمام کرنا ہے، نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں عورتوں سے متعلق بہت سارے احکامات دیے ہیں۔ اسلام جب دنیا میں آیا، نبیٔ کریم ﷺ کی دعوت جب دنیا میں آئی تو عورتوں کو کوئی حق نہیں دیا جاتا تھا بلکہ لڑکیوں کے وجود کو وہ اپنے لیے عار اور عیب سمجھتے تھے۔

طلوعِ اسلام سے پہلے عورتوں کے بارے میں مردوں کی سوچ

قرآن کہتا ہے: ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِٱلۡأُنثَىٰ ظَلَّ وَجۡهُهُۥ مُسۡوَدّٗا وَهُوَ كَظِيمٞ ۝٥٨﴾ [النحل] ان کا حال یہ ہے کہ جب ان میں سے کسی کو اس کے یہاں لڑکی کے پیدا ہونے کی اطلاع دی جاتی ہے تو ان کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ اپنے غصہ کو، اپنے غم کو دبائے ہوتا ہے۔ ﴿أَيُمۡسِكُهُۥ عَلَىٰ هُونٍ أَمۡ يَدُسُّهُۥ فِي ٱلتُّرَابِۗ﴾ [النحل ۝٥٩] غم اس پر طاری ہوجاتا ہے اور سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ اس کو زندہ رہنے دوں یا اس کو مٹی کے نیچے دبا دوں۔ بہت سے تو زندہ درگور کر دیتے تھے اور جو زندہ رہنے دیتے تھے تو ان کو باقاعدہ بکری کی کھال کا لباس پہنا کر بکریاں چرانے کے کام میں لگا دیتے تھے، اس طرح

عورتوں کے وجود کو عیب سمجھا جاتا تھا، اسلام نے آکران نظریات کو ختم کیا اوران کو وہ حقوق دیے جو ایک انسان کو حاصل ہونے چاہئیں، مردان کو اس قابل نہیں سمجھتے تھے کہ ان کی بات سنی جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیوی کا مشورہ اور اس پر آپ کا ردعمل

بخاری شریف کے اندر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ایک مرتبہ میں اپنے کسی معاملے میں سوچ رہا تھا، کوئی مسئلہ درپیش تھا-شوہر کو کوئی پرابلم پیش آتی ہے تو سوچ میں پڑ جاتا ہے، بیوی کو بھی معلوم ہے کہ یہ کسی پرابلم میں مبتلا ہیں-تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس پرابلم کے بارے میں سوچ رہے تھے، ان کی بیوی دیکھ رہی تھی اور ان کو معلوم تھا کہ آپ کو یہ مسئلہ درپیش ہے، اس کی وجہ سے یہ اتنے متفکر اور پریشان ہیں، ان کی بیوی کو اس مسئلے کا کوئی حل سمجھ میں آیا ہوگا؛ اس لیے انھوں نے کہا کہ اگر آپ ایسا کرلیں تو.....! مطلب یہ ہے کہ آپ کا یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے یہ جملہ کہا تو میرے تیور بدل گئے کہ اچھا! تو میرے معاملے میں دخل دیتی ہے!، تیری اتنی جرأت کہ تو مجھے مشورہ دے رہی ہے۔

بیوی کا جواب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پریشانی

اس پر ان کی بیوی نے کہا کہ میں نے تو آپ کی بھلائی کی بات کی ہے، آپ کی خیرخواہی کی ہے، اس پر آپ ناراض ہو رہے ہیں!!، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں تو کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناراض ہوکر دن دن بھر آپ سے بات نہیں کرتیں، ناراضگی کا اظہار

کرنے کے لیے کٹّی کر لیتی ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اچھا! ایسا ہے، اگر ایسا ہے تو حفصہ ہلاک ہوگئی۔حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی تھیں اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک کرتی تھیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اس سلوک کی وجہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہو جائیں اور آپ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں اور بیڑا غرق ہو جائے۔

اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہمائش

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں فوراً، اسی وقت نکلا اور اپنی بیٹی کے پاس گیا اور پوچھا کہ بیٹی! کیا ایسا ہوتا ہے؟ کبھی کسی بات پر تم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ناراض ہو کر ''کٹّی'' کر لیتی ہو اور دن دن بھر بات نہیں کرتی؟۔انھوں نے کہا کہ ہاں ایسا ہوتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اوہ ہو...! ایسا مت کرنا، اللہ کے رسول اگر ناراض ہو گئے تو آپ کی ناراضگی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے اور تمھارا بیڑا غرق ہو جائے گا، اگر تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے کہہ دیا کرو، میں اس کا انتظام کر لوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی ناراضگی والی بات آئندہ کبھی مت کرنا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فہمائش پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کرارا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کو سمجھانے کے بعد میں ایک اور زوجۂ مطہرہ کے پاس گیا، وہ تھیں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا – ان سے حضرت عمر کی رشتہ داری تھی – ان کے پاس جا کر میں نے وہی بات کہی جو اپنی بیٹی سے کہی تھی تو وہ کہنے لگیں کہ

عمر! تم تو عجیب آدمی ہو، ہر بات میں ماتھا مارتے ہو، نبیٔ کریم ﷺ اور ہمارا پرسنل (personal) معاملہ ہے، اس سلسلے میں آپ ہمارے پاس آئے، کیا ہماری نصیحت کے لیے حضور ﷺ کافی نہیں ہیں؟ یعنی اگر ہماری یہ بات غلط ہے تو حضور ﷺ ہمیں نصیحت فرمادیں گے، تمھیں کیا ضرورت ہے؟۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے ایسا کرارا جواب دیا کہ میرے حوصلے پست ہو گئے، میں تو سب کے پاس جانے والا تھا لیکن یہ دیکھ کر میں نے اپنا پروگرام کینسل کردیا۔

حضراتِ امہات المؤمنین کا نفقے میں اضافے کا مطالبہ

اس کے بعد ایک موقع آیا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ نبیٔ کریم ﷺ کی سب بیویوں نے آپ ﷺ کے سامنے ایک ڈیمانڈ (demand) رکھی کہ ہمارا نفقہ اور خرچہ بڑھایا جائے یعنی آپ خرچے کے طور پر جو دیتے ہیں، اس میں اضافہ کریں۔ فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔

روٹی، سالن کے علاوہ کچھ پاکٹ خرچ بھی بیوی کا حق ہے

جیسے آمدنی بڑھتی ہے تو بیوی کے مطالبے بھی بڑھتے ہیں کہ پہلے تو آپ کی تنخواہ کم تھی، پانچ ہزار تھی، اب آپ کی تنخواہ دس ہزار ہوگئی تو میری پاکٹ منی (pocket money) بھی تو کچھ بڑھنی چاہیے اور بیوی کو یہ مطالبہ کرنے کا حق ہے۔ آپ بیوی کو صرف روٹی اور سالن دے دیں نہیں، کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کو پاکٹ خرچ کے طور

پر بھی الگ سے کچھ دینا چاہیے؛ تاکہ اس کو اپنے طور پر کسی چیز کا شوق ہو تو وہ اس کو خرید سکے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو مالی حیثیت دی ہے تو ہر ایک آدمی اپنی مالی حیثیت کے مطابق اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ کرے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہارِ ناراضگی

بہر حال! ازواجِ مطہرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفقے میں زیادتی کا مطالبہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال اور معاملہ تو ایسا تھا کہ آپ کو دنیا سے کچھ لینا دینا ہی نہیں تھا، آپ تو بہت زیادہ مشقت اور مجاہدے والی سادہ زندگی بسر کرتے تھے؛ اس لیے ازواجِ مطہرات کی طرف سے زیادتی کے اس مطالبے سے آپ کو دکھ اور صدمہ پہنچا، اور بھی دو چار واقعات پیش آئے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ناراضگی کے اظہار کے طور پر فرمایا کہ میں ایک مہینے تک تمہارے (ازواجِ مطہرات کے) پاس نہیں آؤں گا۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھالی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا جو مکان تھا، اس کے اوپر بالا خانہ تھا، اس بالا خانے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مہینے کے لیے الگ ہو گئے۔

اس واقعے کے سلسلے میں مدینۂ منورہ میں غلط افواہ

بہر حال! جب اس طرح آپ الگ ہو کر بالا خانے میں چلے گئے تو مدینۂ منورہ میں یہ بات پھیل گئی کہ نعوذ باللہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی، حالاں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلاق نہیں دی تھی، بس ناراضگی کے اظہار کے لیے ایسا کیا تھا، شوہر اپنی بیوی کی اصلاح کے لیے اس طرح کا معاملہ کرے اور دو چار دن تک اس

سے بات چیت نہ کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

بہرحال! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مہینے کے لیے اپنی ازواج سے اس طرح علیحدگی اختیار کرلی تو مدینۂ منورہ میں یہ بات گردش کرنے لگی اور یہ افواہ پھیل گئی کہ نعوذ باللہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی، حالاں کہ طلاق نہیں دی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتظام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پڑوسی کے ساتھ باری مقرر کر رکھی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ایک دن تم جاؤ گے اور ایک دن میں جاؤں گا، جس دن تم جاؤ گے تو اس مجلس کی باتیں آکر مجھے شام میں بتادینا اور دوسرے دن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو باتیں سن کر آؤں گا، وہ تمھیں بتادیا کروں گا، اس طرح دونوں اپنا کاروبار بھی کرسکیں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس سے فائدہ بھی اٹھایا جاتا رہے گا۔

اس دن اس پڑوسی کی باری تھی، اس نے شام کو آکر زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔

دربارِ رسالت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حاضری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رات تو میں نے بڑی بے چینی سے گذاری اور صبح ہوتے ہی سیدھا مسجد نبوی پہنچا، فجر کی نماز کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی بالاخانے پر تشریف لے گئے، وہاں ایک چھوٹا سا لڑکا تھا، وہ دربانی، چوکیداری کررہا تھا، میں نے

اس سے کہا کہ میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت حاصل کرو کہ عمر اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ اس لڑکے نے اندر جا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بات پہنچائی کہ اے اللہ کے رسول! عمر آئے ہیں اور حاضری کی اجازت مانگتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لڑکے نے آ کر کہا کہ آپ کا پیغام میں نے پہنچا دیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اجازت نہیں ملی تو اندر کیسے جاتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد کے اندر گیا تو وہاں مسلمان اسی واقعے کی ہیبت ناکی کی وجہ سے رو رہے تھے، میں دوبارہ ادھر گیا اور چکر لگائے اور پھر اجازت چاہی، پھر کوئی جواب نہیں ملا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حقیقتِ حال جان کر اظہارِ خوشی

تین مرتبہ اجازت نہ ملنے کے بعد چوتھی مرتبہ میں گیا اور میں اس بار بھی اجازت نہ ملنے کی وجہ سے واپس لوٹ ہی رہا تھا کہ اس بچے نے کہا کہ آ جاؤ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو بلا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں پہنچا اور دروازے پر کھڑے کھڑے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلا سوال یہ کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مارے خوشی کے میں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا: اللہ اکبر! خوشی کے موقع پر نعرۂ تکبیر بلند کرنا بھی اس سے ثابت ہوتا ہے۔

چہرۂ انور مسکراہٹ سے کھل اٹھا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل بہلاؤں؛ اس

لیے میں نے اجازت مانگی کہ میں کچھ عرض کرسکتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی تو میں نے وہ واقعہ- بیوی کے مشورہ دینے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ہونا اور بیوی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواج کا سلوک بیان کرنا پھر ان کا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کرنا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا کرارا جواب دینا- بیان کیا، یہ واقعہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہنسے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسے تو میں نے اجازت مانگی کہ اندر آسکتا ہوں؟ اجازت ملنے پر اندر جا کر بیٹھا، اندر جا کر میں نے دیکھا، کمرے کا جائزہ لیا تو اندر کچھ بھی نہیں تھا، ایک بان کی بُنی ہوئی چارپائی تھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرماتے تھے، یہ رسی سے بنی ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ مبارک پر اس رسی کے نشان پڑے ہوئے تھے اور کمرے میں بس دو چار چمڑے تھے جو بغیر دباغت دیے ہوئے تھے، اور کوئی سامان نہیں تھا۔

سرکارِ دوجہاں کی بے سروسامانی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اظہارِ غم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس منظر کو دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ تو دونوں جہاں کے بادشاہ ہیں، اللہ کے رسول ہیں!! اور یہ قیصر وکسری- قیصر روم کا بادشاہ اور کسری فارس کا بادشاہ- نعمتوں کے اندر لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں! اور آپ ایسی تکلیف میں ہیں!!۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری اس بات کو سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلال آ گیا اور

میرے سینے پر زور سے ہاتھ مار کر فرمایا: أَوَ فِي شَكٍّ أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ: اے ابنِ خطاب! کیا تم کو شک ہے؟ ان کے لیے دنیا ہے اور ہمارے لیے آخرت ہے[۱]۔

کافروں کا نعمتوں میں لوٹ پوٹ کرنا ہمیں دھوکہ نہ دے

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کافروں کو جو نعمتیں دیتے ہیں، اس سے دھوکا نہ کھائیں: ﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فِى ٱلْبِلَٰدِ ﴿١٩٦﴾ مَتَٰعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ ٱلْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾﴾[آل عمران] قرآن کہتا ہے، باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کفار نعمتوں میں لوٹ پوٹ آبادیوں کے اندر آتے جاتے ہیں، ان کو دیکھ کر تم کو دھوکا نہ ہو، مَتَٰعٌ قَلِيلٌ: تھوڑے دن کا فائدہ اٹھانا ہے، ثُمَّ مَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ ۚ: اور اس کے بعد ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، وَبِئْسَ ٱلْمِهَادُ: اور بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے جنت رکھی ہے، دنیا میں ساری نعمتیں مت برت لو، اہلِ ایمان کی اصل نعمتیں تو وہیں جنت میں ہیں اور اسی کے لیے ساری تیاریاں کرنی چاہئیں۔

دو مچھیروں کا عجیب واقعہ

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ دو مچھیرے تھے: ایک مسلمان اور دوسرا بت پرست۔ ایک مرتبہ دونوں مچھیرے مچھلی

---

۱ صحيح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما، بَابُ الغُرْفَةِ وَالعُلِّيَّةِ المُشْرِفَةِ وَغَيْرِ المُشْرِفَةِ فِي السُّطُوحِ وَغَيْرِهَا.

پکڑنے کے لیے جال لے کر گئے، مسلمان مچھیرے نے بسم اللہ پڑھی اور اور جال ڈالنے لگا۔ وہ جب بھی جال ڈالتا ہے تو بسم اللہ پڑھ کے ڈالتا ہے لیکن ایک بھی مچھلی نہیں آتی، وہ جال ڈالتا رہا لیکن مچھلیاں آ نہیں رہی ہیں، آخر میں جب دن ختم ہونے جا رہا تھا تو اس نے جال ڈالی، اس میں ایک مچھلی آئی، وہ جب جال کھینچ کر پکڑنے کے لیے گیا تو وہ بھی بھاگ نکلی۔ اور وہ غیر مسلم، کافر، بت پرست مچھیرا، وہ اپنے بُت کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے، جب بھی جال ڈالتا ہے تو وہ ساری جال مچھلیوں سے بھری ہوئی نکلتی ہے۔

مؤمن کے لیے جائے راحت صرف جنت ہے

اس منظر کو دیکھ کر فرشتوں کے اندر کہرام اور شور مچ گیا، فرشتوں نے باری تعالیٰ سے عرض کیا: اے باری تعالیٰ! ایک وہ بندہ ہے جو آپ کا ماننے والا ہے، آپ کا نام لینے والا ہے، آپ کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے اور اس کی جال کے اندر ایک بھی مچھلی نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ گھر واپس جا رہا ہے۔ دوسرا آپ کی ذات کا انکار کرنے والا ہے جو بُت کا نام لے کر جال ڈال رہا ہے اور اس کی جال مچھلیوں سے بھری ہوئی آتی ہے اور وہ مچھلیوں سے بھری ہوئی کشتی کے ساتھ اپنے گھر جاتا ہے! کیا بات ہے؟۔

باری تعالیٰ نے فرمایا: اچھا! اِدھر آؤ۔ اس کے بعد جنت میں مؤمن کا ٹھکانہ دکھلایا اور فرمایا کہ دیکھو! مؤمن جب یہاں آئے گا تو دنیا کی ساری مشقتوں کو بھول جائے گا اور جہنم میں کافر کا جو مقام تھا، وہ دکھلایا اور فرمایا کہ وہ جب یہاں آئے گا تو یہ ساری

نعمتیں بھول جائے گا[1]۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

حدیث میں آتا ہے کہ کسی کو ۵۰۰/سال تک دنیا کی زندگی ملی، اس نے زندگی میں کبھی کوئی دُکھ نہیں اٹھایا، بڑی راحت سے، بڑے عیش و آرام سے، بڑے سُکھ سے رہا، ایک ذرّہ برابر، ادنی سی تکلیف بھی اس کو نہیں پہنچی اور وہ کافر ہے، وہ آخرت میں پہنچے گا اور اس کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور جہنم میں گرنے کے ایک منٹ کے بعد اسی لمحے پوچھا جائے گا کہ تم نے کبھی کوئی راحت محسوس کی، دیکھی؟ تو وہ جواب میں کہے گا کہ میں نے تو زندگی میں راحت کیا چیز ہے، کبھی دیکھی ہی نہیں!۔ اور ایک مؤمن ہے، اس کو بھی ۵۰۰/سال کی عمر ملی، جس نے پوری زندگی کوئی راحت نہیں دیکھی، کوئی سُکھ نہیں پایا، پوری زندگی تکلیفوں میں رہا، فاقوں اور مصیبتوں میں زندگی گذاری، پورے ۵۰۰/سال اس طرح گذارے، جب جنت میں پہنچے گا، جنت میں پہنچنے کے ایک لمحے کے بعد اس کو پوچھا جائے گا کہ تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی؟ تو وہ جواب دے گا کہ اللہ کی قسم! میں نے تکلیف کا نام ونشان بھی نہیں دیکھا۔ تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب یہ جنت میں آئے گا تو یہاں دنیا میں اس کے اوپر جو کچھ گذرا ہے، سب بھول جائے گا۔

دنیا کی زندگی ایک سفر

یہ دنیا کی زندگی کیا ہے؟ چند روزہ ہے، یہ تو سفر ہے، دیکھو! جب ہم اور آپ سفر

---

[1] الزهد لأحمد بن حنبل، ص:۲۱۷، ر: ۱۲۰٤.

میں جاتے ہیں، ٹرین کا سفر ہے، خوب بھیڑ ہے، کھڑے رہنے کی بھی جگہ نہیں ہے، بڑی مشکل سے کھڑے ہیں تو اس وقت کتنی تکلیف اور مشقت محسوس کرتے ہیں؟ بہت تکلیف ہوتی ہے، اس وقت کی ہماری حالت ناقابلِ بیان ہوتی ہے، بے چینی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا ہوگا۔ لیکن جب ٹرین اسٹیشن پر آتی ہے اور گھر پہنچ جاتے ہیں تو گھر والوں کو دیکھ کر ٹرین والا منظر بھولے سے بھی یاد نہیں آتا، وہ ساری تکلیفیں ایسے بھول جاتے ہیں کہ شام کو ہمیں خود بھی یاد نہیں رہتا کہ آج جس وقت میں ٹرین کے اندر تھا، اس وقت میری یہ کیفیت تھی۔ ایسے ہی مؤمن جب آخرت میں پہنچے گا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں اس کو حاصل ہوگی تو اس کی یہی کیفیت ہوگی۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک اور واقعہ

بہر حال! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا سلوک بھی آپ کے ساتھ اس طرح کا ہوتا تھا۔ بخاری ہی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ اسی طرح کی بات چیت ہو رہی تھی اور بیبیوں کی آواز نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز پر بلند ہوگئی، گھر کے اندر بات چیت چل رہی تھی، اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اگر آپ اپنے کسی دوست کی ملاقات کے لیے اس کے گھر جائیں تو وہاں اندر ان دونوں میں کیا بات ہو رہی ہے، آپ کو کیا معلوم؟۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچے اور سلام کیا۔ ابھی تو اجازت مانگی کہ وہ ساری بیبیاں ایک دم سے اٹھ کر کے پردے کے پیچھے بھاگیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اندر آنے کی اجازت

دی، وہ اندر آئے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرا رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: أَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يُضْحِكُكَ؟: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو ہنسائے، کون سی چیز سے آپ ہنس رہے تھے؟۔

ایک اسلامی تعلیم اور ادب

دیکھیے! اسلام نے ہمیں ایک ادب سکھلایا کہ اگر کسی آدمی کو ہنستا ہوا دیکھیں اور ہم اس سے اس کے ہنسنے کی وجہ دریافت کرنا چاہتے ہیں تو آپ پہلے اس کو دعا دیجیے کہ اللہ آپ کو اور ہنسائے! اللہ ایسے مواقع بار بار عطا فرمائے کہ آپ مسکراتے رہیں، ہنستے رہیں، ذرا یہ تو بتلائیں کہ آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟۔ سوال بعد میں کرنا ہے، پہلے یہ دعا دینی ہے، دیکھو! کتنی عجیب وغریب تعلیم ہے!۔

بہرحال! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دعا دی کہ اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہنسائے، کون سی چیز کی وجہ سے آپ ہنس رہے تھے؟ تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے -پردے کی طرف اشارہ کر کے جہاں حضراتِ امہات المؤمنین موجود تھیں- ارشاد فرمایا کہ مجھے ان پر تعجب ہے کہ ابھی تمھارے آنے سے تھوڑی دیر پہلے میرے ساتھ بلند آواز سے بات چیت کر رہی تھیں اور جہاں تمھاری آواز سنی، سب بھاگ کر کے اندر چلی گئیں۔ اس پر مجھے ہنسی آ رہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ازواجِ مطہرات کو تنبیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ سنا تو تعجب ہوا

اور بایں معنی ناگواری ہوئی کہ خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات اس لائق تھی کہ آپ کا ادب کیا جاتا، آپ سے ڈرا جاتا اور آپ کے سامنے اس طرح بلند آواز سے گفتگو نہ کی جاتی۔ میں کیا ہوں! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے حق دار تھے کہ آپ کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاتا۔ ان کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا اور میری آواز سن کر پیچھے کی طرف بھاگ کھڑی ہوئیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پردے کی طرف اشارہ کر کے جہاں حضراتِ امہات المؤمنین تھیں۔ فرمایا: أَيْ عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ أَتَهَبْنَنِي، وَلاَ تَهَبْنَ رَسُولَ اللهِ ﷺ: اے اپنی ذات کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو اور اللہ کے رسول سے نہیں ڈرتیں؟۔ تو اس پر اندر سے امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے جواب میں فرمایا: نَعَمْ أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ: جی ہاں! آپ تو بڑے سخت اور اکھڑ قسم کے آدمی ہیں۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنبھالنے کی مبارک کوشش

جب انھوں نے ایسی بات کہی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری سمجھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کریں؛ اس لیے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل جوئی فرمائی۔ جیسے ہمارے گھر کوئی مہمان آیا ہوا ہو اور ہمارے گھر کے کسی آدمی: ہمارے بیٹے یا بھائی وغیرہ کی طرف سے اس کے ساتھ اس قسم کی بات ہو جائے تو بڑا آدمی اس کو سنبھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دل جوئی کرتے ہوئے فرمایا: إِيهًا يَا ابْنَ الْخَطَّابِ: اے خطاب کے بیٹے! اور کہو، کیا کہتے ہو؟، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ سَالِكًا فَجًّا قَطُّ إِلاَّ سَلَكَ فَجًّا

غَيْرَ فَجِّكَ: آپ کا حال تو یہ ہے کہ آپ جس راستے سے گذرتے ہیں، شیطان بھی اپنا راستہ بدل لیتا ہے یعنی جب آپ کے رعب کا یہ حال ہے کہ شیطان جیسا شیطان جو کسی کی رو، رعایت کرتا نہیں ہے، وہ بھی آپ سے ڈرتا ہے تو بھلا یہ کیوں نہیں ڈریں گی! ان کی کیا حیثیت ہے[۱]۔

ماحول کا اثر ہر چیز پر پڑتا ہے

بہر حال! ان ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! ہم مکہ والے عورتوں پر غالب رہتے تھے۔

ہر جگہ کا ایک ماحول ہوتا ہے: کہیں عورتوں کا چلن ہوتا ہے، کہیں مردوں کا چلن ہوتا ہے، مکہ میں مردوں کا چلن تھا، عورتیں دبی ہوئی رہتی تھیں اور مدینۂ منورہ میں عورتوں کا چلن تھا، مرد دبے ہوئے رہتے تھے۔ یہ مہاجرین جب ہجرت کر کے مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ آئے تو ماحول بدل گیا اور ماحول کے بدلنے کا کچھ نہ کچھ اثر انسان قبول کرتا ہے، خاص طور پر عورتیں۔ اس لیے اگر آپ بھی اپنی عورتوں کو قابو میں رکھنا چاہتے ہوں تو وہاں مت جانا جہاں عورتوں کو آزادی ہوتی ہے، ورنہ مصیبت اٹھاؤ گے۔

بہر حال! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم مکہ والے عورتوں پر غالب رہتے تھے، ہم جب ہجرت کر کے یہاں آئے

---

① صحيح البخارى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهِ، بَابُ مَنَاقِبِ عُمَرَ بْنِ الخَطَّابِ أَبِي حَفْصٍ القُرَشِيِّ العَدَوِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

تو ہماری عورتوں نے یہاں کی عورتوں سے سیکھا، اب وہ ہم پر غالب ہونے کی کوشش کر رہی ہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر مسکراہٹ آ گئی[۱]۔

عورتوں کو مارنے کی ممانعت

اور اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی جو تاکید کی ہے تو اس سلسلے میں آیات بھی نازل ہوئی ہیں۔ اسلام سے پہلے تو عورتیں کچھ بول نہیں سکتی تھیں، ان کو آواز نکالنے کی بھی اجازت نہیں تھی لیکن اسلام نے ان کو حقوق دیے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مارنے سے بھی منع کر دیا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ ان کی پٹائی مت کیا کرو[۲]۔ پھر کوئی صحابی پٹائی کر سکتا تھا؟۔

بوقتِ ضرورت عورتوں کو مارنے کی اجازت

بہرحال! جب یہ ہوا تو عورتیں شیر ہو گئیں، بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے ہم کو عورتوں کی پٹائی کرنے سے روک دیا تو اب وہ شیر ہو گئی ہیں، ہم پر سوار ہو رہی ہیں، چناں چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضرورت کے وقت بہ قدر ضرورت اجازت دی۔

دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے حجروں میں عورتوں کی لائن لگ

---

① صحيح البخاری، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما، بَابُ الغُرْفَةِ وَالعُلِّيَّةِ المُشْرِفَةِ وَغَيْرِ المُشْرِفَةِ فِي السُّطُوحِ وَغَيْرِهَا.

② سنن أبی داود، عَنْ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ رضي الله عنه، بَابٌ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا.

گئی۔ عورتیں اپنی شکایتیں ازواجِ مطہرات کے واسطے سے نبیٔ کریم ﷺ کی خدمت میں لاتی تھیں۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضراتِ صحابہ سے فرمایا کہ: آج تو میری بیویوں کے یہاں تمھاری عورتوں کی لائن لگی ہوئی تھی کہ کوئی عورت کہتی کہ میرے شوہر نے مجھے یوں مارا، اس کی یہ نشانی ہے اور کوئی کہتی کہ میرے شوہر نے مجھے یوں مارا، جو لوگ اپنی عورتوں کو مارتے ہیں، وہ اچھے آدمی نہیں ہیں[۱]۔

نافرمان عورتوں کو فرماں بردار بنانے کا قرآنی نسخہ

دیکھو! عورتوں کی تادیب کے لیے قرآن میں طریقہ بیان کیا گیا ہے، اگر کوئی عورت نافرمانی کرے تو قرآن میں ہے: ﴿وَٱلَّـٰتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَٱهْجُرُوهُنَّ فِي ٱلْمَضَاجِعِ وَٱضْرِبُوهُنَّ﴾ [النساء۳٤] جن عورتوں کی طرف سے نافرمانی کا تمھیں ڈر ہے، اندیشہ ہے یعنی عورتیں اگر تمھاری بات نہیں مانتیں تو قرآن نے پہلا حکم یہ دیا کہ ان کو نصیحت کرو۔ ڈنڈا اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کو محبت سے سمجھاؤ۔ اگر نصیحت سے بات بن جاتی ہے تو بہت اچھا ہے، نورٌ عَلَی نور!۔ اور اگر نصیحت کے بعد بھی آپ کی بات مانتی نہیں ہے تو بستر الگ کردو، آپ الگ سوؤ۔

قرآن کے اس انوکھے حکم پر عمل سے مانع چیز

دیکھو! قرآن نے جو تدبیر بتلائی ہے، وہ ایسی عجیب وغریب تدبیر ہے کہ اگر آپ ایک مرتبہ اس کو آزمالیں تو کیسی بھی بیوی ہو، وہ فوراً آپ کی بات ماننے کے لیے تیار

---

① سنن أبي داود، عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ رضي الله عنه، بَابٌ فِي ضَرْبِ النِّسَاءِ، ر:٢١٤٦.

ہو جائے گی، آپ ایک مرتبہ اٹھ کر الگ سو جاؤ، وہ رات بھر آپ کو مناتی رہے گی لیکن یہ تدبیر اپنانے میں ہم کو قربانی دینی پڑتی ہے، اپنے پہلو سے اپنی بیوی کو الگ کرنا پڑتا ہے اور مصیبت یہ ہے کہ ہماری عادت ایسی بگڑی ہوئی ہے کہ اس کے بغیر ہمیں بھی چین نہیں آتا تو حقیقت یہ ہے کہ یہ تدبیر ہے تو بڑی زوردار؛ لیکن اس کے لیے ہمیں بھی کچھ قربانی دینی پڑتی ہے اور مرد اس کے لیے تیار نہیں ہے۔

اور آگے فرمایا: ﴿وَٱضۡرِبُوهُنَّ﴾: اور ان کی پٹائی کرو۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فریضۂ منصبی

دیکھو! قرآن میں جتنے بھی احکام آئے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر حکم کی وضاحت کرتے ہیں، آپ اس کی تشریح کرتے ہیں، ﴿وَأَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ [النحل ۴۴] اے نبی! ہم نے آپ پر قرآن اتارا؛ تا کہ آپ اپنے عمل اور اپنے ارشادات کے ذریعہ سے قرآن کی تشریح اور وضاحت کریں۔ قرآن کے اندر جو حکم ہوتا ہے، وہ بہت مختصر ہوتا ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو واضح کرتے ہیں، کھولتے ہیں۔ جیسے قرآن میں تو آیا ہے: ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾: نماز قائم کرو۔ اب نماز کیسے پڑھنی ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ سب تفصیل سے بتلا دیا۔

عورتوں کے سلسلے میں جو یہ احکام آئے: ﴿فَعِظُوهُنَّ﴾ کہ: ان کو نصیحت کرو تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر نصیحت کر کے بتلایا، اسی طرح ﴿وَٱهۡجُرُوهُنَّ فِي ٱلۡمَضَاجِعِ﴾ یعنی بستر الگ کرو تو ابھی آپ کو جو واقعہ بتلایا کہ آپ نے ایک مہینے کے لیے علیحدگی

اختیار کرلی، الگ روم میں چلے گئے، یہ تدبیر بھی آپ نے بتلادی۔

اب قرآن کا تیسرا حکم ہے کہ اپنی بیویوں کو مارو لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری حیاتِ طیبہ میں اپنی کسی بھی بیوی کو کبھی نہیں مارا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ کسی عورت کو، نہ کسی باندی کو، نہ کسی سواری کے جانور کو، نہ کسی غلام کو کبھی کسی کو نہیں مارا[۱]، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مارنے والا عمل کبھی عملی طور پر کر کے نہیں بتایا، گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو یہ تعلیم دی کہ مارنا، یہ اچھا طریقہ نہیں ہے، قرآن نے اجازت دی ہے لیکن ہمیں اس کو اپنانا نہیں ہے۔

عورتوں کو مارنے کی حد

پھر بھی اگر کوئی اس کو اختیار کرتا ہے تو حجۃ الوداع کے خطبے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشاد کے ذریعہ اس کی وضاحت فرمائی: فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ[۲]: ان کو ایسی مار مارو کہ جس کا نشان نہ پڑے۔ فقہاء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ تین مرتبہ مار سکتے ہو، تین مرتبہ سے زیادہ مت مارو۔

ضرب النساء کی نبوی تشریح اور لوگوں کا رویہ

اب جب ہم یہ مسئلہ بتاتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! اس سے کیا

---

(۱) صحیح مسلم، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، بَابُ مُبَاعَدَتِهِ ﷺ لِلْآثَامِ وَاخْتِيَارِهِ مِنَ الْمُبَاحِ، أَسْهَلَهُ وَانْتِقَامِهِ لِلَّهِ عِنْدَ انْتِهَاكِ حُرُمَاتِهِ، رقم الحدیث: ۲۳۲۸.

(۲) صحیح مسلم، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ ﷺ، ر: ۱۲۱۸.

ہوتا ہے، اس کو تو ڈنڈے سے مارنا چاہیے۔ یعنی گویا ہم یوں سمجھتے ہیں کہ اتنی مار اس کی اصلاح کے لیے کافی نہیں ہے۔

ارے بھائی! اللہ کے رسول ﷺ سے بڑھ کر، نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر اللہ کے احکام کو کون سمجھ سکتا ہے؟ آپ نے جب یہ حکم دیا کہ ایسی پٹائی کرو کہ جس کا نشان نہ پڑے اور ہم یوں سمجھتے ہیں کہ اس کو جب تک بری لکڑی سے برابر نہ مارا جائے اور اس کی پیٹھ مار مار کے زخمی نہ کر دیں، اس وقت تک اس کی اصلاح ہونے والی نہیں ہے، یہ تو آپ ۔نعوذ باللہ۔ حضور ﷺ کی تعلیم پر اعتراض کر رہے ہیں!!۔

علاج وہی مؤثر ہوتا ہے جو طبیب کی ہدایت کے مطابق ہو

یہ پٹائی تو ایک دوا اور علاج ہے اور علاج طبیب کی ہدایت کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ ابھی مدینہ منورہ میں ہمارے ایک دوست، ملنے والے ہیں: ڈاکٹر اولیاء حنان، لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، مدینہ منورہ میں رہتے ہیں، بڑی محبت کرتے ہیں، ان کا فون بھی ہر مہینے میں آتا رہتا ہے، ابھی دو روز پہلے بھی آیا تھا، خیریت پوچھتے رہتے ہیں، جب وہاں جانا ہوتا ہے اور ان کو پتہ چلتا ہے کہ میں آیا ہوں تو وہ ہوٹل کے اوپر ملاقات کے لیے آتے ہیں۔

پیٹ کے علاج کا ایک عبرت آموز واقعہ

انھوں نے ایک مرتبہ مجھے کہا کہ کسی بھی دوائی کا جو ڈوز ہے، مقدار ہے، ڈاکٹر اور طبیب جو مقرر کرے، وہی اصل اثر رکھتا ہے۔

ایک مرتبہ مجھے پیٹ کے سلسلے میں انجیر کو استعمال کرنے کی ضرورت پیش آئی - پیٹ کی بیماری میں انجیر فائدہ دیتا ہے- میں نے دو تین انجیر کھا لیے، دو چار روز تک ایسا کرتا رہا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ بعد میں حکیم کلیم اللہ شاہ صاحب دامت برکاتہم جو حضرت شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین بھی ہیں، ان کے خلیفہ ہیں، داماد بھی ہوتے ہیں، حکیم ہیں، علی گڑھ میں رہتے ہیں، ان سے میں نے اس سلسلے میں بات کی تو انھوں نے مجھے کہا کہ ایک انجیر کھاؤ۔

کہتے ہیں کہ میں اپنے گمان سے یوں سمجھتا تھا کہ ایک سے کیا ہوگا؛ اس لیے دو چار کھا لیا کرتا تھا، ان کی ہدایت کے مطابق ایک کھایا تو مطلوبہ فائدہ حاصل ہو گیا؛ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ علاج ہے اور علاج کے سلسلے میں حکیم اور ڈاکٹر جو ڈوز بتلائے، اسی کا اعتبار ہوگا، میں اور آپ سوچیں، اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

کوئی بیمار ہو، کسی کا پیٹ بہت درد کرتا ہو، وہ ڈاکٹر کے پاس گیا، ڈاکٹر نے دوا دی اور ایک مقدار بتا دی کہ صبح اتنی دوا کھا لینا۔ اب صبح کے وقت وہ سوچتا ہے کہ مجھے پیٹ میں اتنا درد ہے اور ڈاکٹر کہتا ہے کہ اتنی کھاؤ، اس سے کیا ہوگا؟ اور اس نے اس سے چار گُنی کھا لی۔ اب ظاہر ہے کہ اس سے نقصان ہی ہوگا، تو کیوں اس کے بارے میں سوچتا ہے، ڈاکٹر کو بھی معلوم ہے کہ تیرا درد کتنا ہے۔

پٹائی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے پر کرنا ضروری ہے

یہ پٹائی کے معاملے میں بھی ہم نے جو اپنے ذہن سے سوچا کہ جب تک بڑی

لکڑیاں نہیں ماری جائیں گی، جب تک اس کی پیٹھ زخمی نہیں کر دی جائے گی، وہاں تک اصلاح نہیں ہوگی، ہماری یہ سوچ غلط ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حکم دیا: فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ: ایسی پٹائی کر سکتے ہو کہ جس سے نشان نہ پڑے۔ ہمیں اگر کرنا ہے تو اسی طریقے پر کرنا ہوگا۔

بیوی کی پٹائی کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہوں میں اچھا نہیں ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ نہ مارو۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مارنے کی اجازت دی اور اس کے بعد عورتوں کی شکایت کا واقعہ پیش آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا تھا کہ جو لوگ اپنی بیویوں کی پٹائی کرتے ہیں، وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اچھا آدمی نہیں ہے۔

بیوی کو سزا دینے سے پہلے اس کی قربانیاں بھی یاد کر لیجیے

آپ ذرا تصور تو کیجیے کہ وہ بے چاری آپ کی کتنی خدمت کرتی ہے، آپ کے لیے کھانا پکاتی ہے، آپ کے گھر کا سارا انظام چلا رہی ہے، آپ کی خواہش پوری کرتی ہے، آپ کے بچوں کو سنبھالتی ہے، ان میں سے ایک ایک کام ایسا ہے کہ اگر دو روز کے لیے عورت بچوں کو لے کر کہیں چلی جائے اور آپ کو کھانا پکانا پڑے تو دن میں تارے نظر آئیں گے۔ یہ عورت اتنی ساری خدمت کرتی ہے تو اگر وہ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے کوئی ایسی بات کر دے اور آپ اس پر ڈنڈا لے کر برس پڑیں، یہ کوئی انسانیت کی بات ہے!۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عورت کو غلام کی طرح مت مارو، غلام کی طرح اس

کی پٹائی مت کرو۔ اس زمانے میں لوگ غلاموں کو بلا وجہ بھی مار لیا کرتے تھے، جیسے ہمارے یہاں بولتے ہیں کہ اس کو جانور کی طرح مت مارو، یہ تو ایک مثال ہے سمجھانے کے لیے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کی غلام کی طرح پٹائی مت کرو کہ پھر رات میں اس کو پہلو میں لے کر سوؤ بھی (۱)۔

عورتوں کی پٹائی انسانی شرافت کے تقاضے کے خلاف

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عجیب بات ارشاد فرمائی کہ تمھارے اندر مروت اور انسانی شرافت ہے یا نہیں؟ دن میں اس کی پٹائی کرتے ہو اور اسی کو رات میں اپنے پہلو میں لے کر لذت حاصل کرو گے!، ایک شریف آدمی ایسا کر نہیں سکتا، ایک شریف آدمی کی شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کی حرکت سے دور رہے۔

بیویوں کے ساتھ بدسلوکی سے بچیے

اس کے علاوہ بیویوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے، ان کو طعن و تشنیع کرتے ہیں، ان کے ماں، باپ، ان کے بھائی، بہن وغیرہ کے متعلق بری باتیں کرتے ہیں۔ ارے! اگر آپ کو آپ کے ماں، باپ کے متعلق، آپ کے بھائی بہن کے متعلق کوئی آدمی کوئی برا جملہ کہہ دے تو کیا آپ کی غیرت گوارا کرے گی؟ نہیں، آپ لڑنے مرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں گے۔ یہ بے چاری بیوی تو بے زبان ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کو آپ کے گھر میں ڈالا ہے، یہ مت سمجھنا کہ میں جو چاہے کر سکتا ہوں۔ آج اللہ تعالیٰ

---

(۱) صحیح البخاری، عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ رضی اللہ عنہ، سُورَةُ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا.

نے آپ کو اس پر جو اختیار دے رکھا ہے، اس کو غلط استعمال کر کے اس پر آپ ظلم ڈھا رہے ہیں، کل کو قیامت میں پتہ چلے گا کہ اس کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا تھا، اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

کمزوروں کے ساتھ ظلم کا کچھ انجام دنیا ہی میں

اور عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ بیویوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتے ہیں، دنیا ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دکھلا دیتے ہیں، بڑھاپے میں ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں، بالکل معذور ہو کر رہ جاتا ہے، پیشاب پاخانے کے لیے جانے کا محتاج ہو جاتا ہے، کوئی خبر لینے والا نہیں ہوتا، جسم میں لقوہ مار گیا ہے، کھانے، پینے کا محتاج ہو گیا ہے۔ یہ سب اس کی نازیبا حرکتوں کا نتیجہ ہوتا ہے جو اس نے اپنی بیوی کے ساتھ کی ہوتی ہیں۔

ہماری یہاں کی عورتیں تو جنت کی حوریں ہیں

اس لیے اپنے گھر میں جو بے زبان شخصیت ہے، اس کے ساتھ انصاف کرو، اس کے حقوق کو ادا کرو۔ وہ آپ کا کتنا خیال رکھتی ہے! آپ کے بغیر کھانا نہیں کھائے گی، کھانا وہ بنائے گی لیکن جب تک آپ گھر پے نہیں آئیں گے، چاہے رات کے بارہ بج جائیں لیکن وہ آپ کے انتظار میں بھوکی بیٹھی رہے گی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی عورتیں تو جنت کی حوریں ہیں۔

مغربی ممالک کے حالات سے عبرت پکڑیے

آپ ذرا یورپ اور امریکہ میں جا کر دیکھ لیں۔ جو لوگ یورپ اور امریکہ میں رہتے ہیں اور وہاں کے لوگوں کی جو تہذیب ہے، وہ جا کر دیکھو!، میاں بیوی دونوں کی اپنی اپنی الگ زندگی ہوتی ہے، دونوں کا اپنا الگ الگ روم ہے، دونوں اپنے اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کرتے ہیں، کھاتے ہیں اور اپنی اپنی سروس پے جاتے ہیں، کوئی کسی کی خدمت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

ایسے گھر پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی

یہاں یہ بے چاری آپ کے بغیر ایک لقمہ منہ میں رکھنے کے لیے تیار نہیں اور اس کے ساتھ اس طرح کے مظالم روا رکھے جاتے ہیں۔ جن گھروں کے اندر اس طرح کے ظلم ہوتے ہیں، ان گھروں میں پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہوگی!!، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے کس قدر ناراض ہوتے ہوں گے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک واقعہ پڑھا کہ آپ کے گھر والے اپنے کسی رشتہ دار کے یہاں، قریب ہی شادی میں جا رہے تھے، گھر میں مرغیاں پالی ہوئی تھیں، صبح جلدی جا رہی تھیں؛ اس لیے حضرت سے کہنے لگیں کہ صبح آٹھ بجے ڈربے میں سے مرغیاں نکال کر دانہ پانی دے دینا۔

اب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عادت یہ تھی کہ صبح فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر تفریح اور

چہل قدمی کے لیے نکلتے اور اسی دوران چند پاروں کی تلاوت کرتے تھے اور اس سے فراغت کے بعد اپنی تفسیر کی کتاب بیان القرآن لکھنے کے لیے بیٹھتے تھے۔

اگر کسی کو کسی کام کی عادت نہ ہو اور اس کو کرنے کی نوبت آجائے تو یاد نہیں رہتا، حضرتؒ بھی بھول گئے اور تصنیف وتالیف کے لیے بیٹھ گئے لیکن کچھ مضمون ہی نہیں آرہا ہے، اتنا بڑا عالم لیکن سمجھ میں ہی نہیں آرہا ہے کہ کیا لکھوں، عقل کام نہیں کررہی ہے۔

معمولی غفلت پر اللہ کی طرف سے پکڑ ہوسکتی ہے

جب عاجز آگئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ یا اللہ! میرے جس گناہ کی وجہ سے یہ صورت پیش آرہی ہے، اگر مجھے وہ گناہ معلوم ہوجائے تو اس سے توبہ کرلوں۔ اللہ تعالیٰ نے دل میں بات ڈالی کہ ہماری ایک مخلوق دانہ پانی کے بغیر بند پڑی ہے، پھر تم پر علوم کا فیضان کیسے ہوسکتا ہے!!۔ چناں چہ فوراً گئے، ڈربے میں سے مرغیوں کو نکالا، دانہ پانی دیا اور پھر آئے اور لکھنے بیٹھے تو پھر مضامین کا ورود شروع ہوگیا۔

ہمارے گھروں کے آفت زدہ ہونے کا سبب

ہمارے گھروں میں یہ جو آفتیں اور مصیبتیں نظر آتی ہیں، بے برکتیاں آتی ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا آتا ہے، آدمی کہتا ہے کہ مولوی صاحب! میں تو کچھ نہیں کرتا، پتہ نہیں، یہ مصیبتیں کیوں آتی ہیں اور اسی گھر کا حال دیکھیں تو روزانہ بیوی کی پٹائی کرتا ہے، بیوی کو گالیاں دیتا ہے، طعن وتشنیع کرتا ہے۔

ارے کوئی ایک طعنہ آپ کو دے گیا ہو تو کئی دنوں تک آپ کو چین نہیں آئے گا اور

یہ بے چاری کچھ بولتی نہیں تو تم جس طرح چاہو، اس کو ظلم کا نشانہ بناتے رہو؟ کل کو قیامت میں اللہ کے حضور میں جب جواب دینا ہوگا تو پتہ چلے گا۔ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي: تمھارے اندر سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے اچھا سلوک کرتا ہوں۔

بزرگی کا اصل سرٹیفکٹ بیوی سے ملتا ہے

کسی کی بھی بزرگی کا سرٹیفکٹ لینا ہو تو بیوی سے لے لو۔ بیوی سے پوچھ لو کہ یہ تمھارے میاں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔ کوئی کتنی ہی تہجد پڑھتا ہو، لمبی چوڑی تقریر کرتا ہو اور لوگوں کے سامنے مسئلے مسائل بیان کرتا ہو لیکن بیوی کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے تو یہ سب کچھ بے کار ہے۔

وہ شخص مؤمن نہیں ہے جس سے اس کا پڑوسی بے خوف نہ ہو

حضور ﷺ کیا فرماتے ہیں، بخاری شریف کی حدیث ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے: وَاللَّهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللَّهِ لاَ يُؤْمِنُ، وَاللَّهِ لاَ يُؤْمِنُ: تین مرتبہ فرمایا کہ اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم! وہ آدمی مؤمن نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: وَمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟: کون اے اللہ کے رسول!؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا: الَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَايِقَهُ: جس کا پڑوسی اس کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں سے مامون نہ ہو، بے خطر نہ ہو۔

یعنی اپنے پڑوسی کو آپ نے کبھی مارا نہیں، کبھی تکلیف نہیں پہنچائی لیکن آپ کا پڑوسی آپ کی طرف سے ہمہ وقت ڈرا سہمارہتا ہے کہ اس کا کوئی بھروسہ نہیں، کب کیا تکلیف پہنچادے۔ چاہے آپ نے کچھ نہیں کیا لیکن آپ کا نیچر (nuture)، آپ کا مزاج، آپ کی طبیعت دیکھ کر کے وہ بے چارا ڈرا سہمارہتا ہے، حضور ﷺ تین مرتبہ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ وہ مؤمن نہیں۔

ہمارے گھرانوں میں ہونے والے ظلم کی ناگفتہ بہ حالت

یہ تو پڑوسی کی بات ہے اور یہاں تو آپ کی بیوی آپ کے شر سے محفوظ نہیں ہے، بلکہ بعض لوگوں کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ جب وہ گھر میں آتے ہیں تو گھر کے چھوٹے بڑے سب پناہ مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی! یہ کب جائے گی!! اس کا وجود اس گھر کے لیے لعنت اور زحمت بن گیا ہے، آج ہمارے بہت سے گھر ایسے بن چکے ہیں۔

ہماری بہن بیٹیاں تبھی سکون سے رہ سکتی ہیں

ارے بھائی! آپ کی بھی بہن بیٹی ہے، آپ کا داماد اگر آپ کی بیٹی کے ساتھ ایسا سلوک کرے تو آپ پر کیا گذرے گی۔ آپ ذرا یہ بھی تو تصور کرو، آپ کی بیوی بھی کسی کی بیٹی ہے، اس کا باپ بھی تو سوچے گا، اس کے دل پر کیا گذرے گی، جب اس کو پتہ چلے گا کہ میری بیٹی کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ ہم اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ان کو سمجھایا جائے۔ مار پٹائی سے کوئی مسئلہ حل نہیں

ہوتا، ہم بس اپنا غصہ نکال لیتے ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اس کی خدمات کو، اس کی خوبیوں کو دیکھو اور اس کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے؛ تاکہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہم کو اچھائی کا سرٹیفکٹ مل جاوے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اسلام میں عورتوں کا مقام
اور بیویوں کے حقوق

(۲)

اقتباس

ایک قصہ سنا کر بات ختم کر دیتا ہوں، ایک بزرگ، اللہ کے نیک بندے تھے، ان کے یہاں کھچڑی پکی، جب انھوں نے اس کو چکھا تو نمک کم تھا، ان کے جی میں آیا کہ کہیں کہ اس میں نمک کم کیوں ہے؟ لیکن پھر انھوں نے سوچا کہ انسان ہے، کبھی کمی زیادتی ہو جاتی ہے، یہ بھی اللہ کی بندی ہے، مجھے اللہ کے واسطے اس کو کچھ نہیں کہنا ہے، انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

ان کی وفات کے بعد کسی نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا، بڑے عالم تھے، میں آپ کو ان کا نام بھی بتلا دوں، دار العلوم کی ابتدا میں دو محمود رحمۃ اللہ علیہ تھے: ایک تو ملا محمود اور دوسرے شیخ الہند حضرت محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، ان کے استاذ ملا محمود تھے جو میرٹھ کے رہنے والے تھے، ان کا یہ قصہ ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ بس ایک موقع پر جب کھچڑی میں نمک کم تھا، میرے جی میں یہ آیا تھا کہ میں اس کو کہوں کہ اس میں نمک کم ہے لیکن پھر میرے جی میں آیا کہ اللہ کی بندی ہے، نہیں کہتا، اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری مغفرت کر دی۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلامضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ فَإِن كَرِهۡتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـٔٗا وَيَجۡعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيۡرٗا كَثِيرٗا ١٩﴾ [النساء]

وقال النبي ﷺ: اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا[1].

وقال النبي ﷺ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي[2].

وقال النبي ﷺ: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ[3].

أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

---

① صحيح مسلم، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، بَابُ الْوَصِيَّةِ بِالنِّسَاءِ، ر:١٤٦٨.

② سنن الترمذي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، بَابٌ فِي فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، ر:٣٨٩٥.

③ صحيح البخارى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، بَابٌ: الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ، ر:١٠.

ہماری زندگی دنیا میں بھی جنت کا نمونہ بن سکتی ہے

محترم حضرات! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں ہماری زندگی سے متعلق تمام شعبوں میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ سے ایسی ہدایتیں اور ایسی رہنمائی عطا فرمائی ہے کہ اگر ہم ان کو اپنا لیں تو ہماری زندگی دنیا میں بھی جنت کا نمونہ بن جائے اور آخرت کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ہی۔ یہ ہم لوگوں کی بڑی محرومی اور بدقسمتی ہے کہ ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ طریقوں کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کے طریقوں کو یا اپنے نفس کی خواہشات کو اپنا کر زندگی گذارتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری دنیا کی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، آدمی ہر وقت ٹینشن میں اور پریشانی میں مبتلا رہتا ہے۔

دنیا میں جنت کا مزا

ضرورت اس کی ہے کہ ہم ہر جگہ، زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر مقام پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو اختیار کریں، خاص کر کے ہماری گھریلو زندگی میں، اس میں بھی خاص کر کے ہماری ازدواجی زندگی میں اگر ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کو اپنا لیں تو واقعہ یہ ہے کہ ہمیں دنیا ہی کے اندر جنت کا مزا آ جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کا عورتوں کے ساتھ بھلائی کا حکم

یہ آیتِ کریمہ جس کا کچھ حصہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا، اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کے متعلق ایک بہت ہی اہم ہدایت فرمائی ہے، تاکید فرمائی ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ کہ: عورتوں کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

بقول حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کہ اللہ تعالیٰ عورتوں کی سفارش فرما رہے ہیں کہ ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بھلائی کے ساتھ زندگی گذاریو۔

دیکھو! اگر آپ کا کہیں نکاح ہو جائے اور آئی۔جی۔پی: انسپیکٹر جنرل آف پولیس آ کر آپ سے یہ کہے کہ دیکھیے! جس لڑکی کے ساتھ آپ کا نکاح ہو رہا ہے، وہ میری بیٹی کی سہیلی ہے، اس کا ذرا خیال رکھنا۔ اگر اس نے آ کر یہ کہہ دیا تو آپ اندازہ لگائیں کہ وہ جس کا نکاح ہوا ہے، وہ اس لڑکی کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟، ہر وقت وہ اس لڑکی کے ساتھ بڑی احتیاط کے ساتھ پیش آئے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر اس کی ذرا سی دل شکنی ہو جائے، اس کے ساتھ ذرا سا نا مناسب سلوک ہو جائے اور اگر جی پی صاحب کو اس کی اطلاع ہو گئی تو پھر دیکھیے، ہماری کیا گت بنتی ہے۔ آدمی ڈرا سہما سا رہتا ہے۔

دنیا کے ایک معمولی منصب دار اور عہدے دار کی قوت اور طاقت کا یہ عالم ہے کہ جس کی وجہ سے اس نے جس کو یہ ہدایت کی ہے، وہ آدمی دن رات کے ۲۴ر گھنٹے ٹینشن میں رہتا ہے۔

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرنا، یہ ہماری بندی ہے۔ آپ کی بیوی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ بندی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اس کو عبدیت کا، بندی ہونے کا تعلق ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلے میں تاکید فرما رہے ہیں۔

دورِ نبوی کا ایک عبرت آموز واقعہ

روایتوں میں آتا ہے کہ ایک صحابی حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، انھوں نے پیچھے سے آواز سنی: اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ، اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍ کہ آگاہ ہو جاؤ، سنو۔ انھوں نے پیچھے کی طرف دیکھا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ جب وہ مڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لَلّٰهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ: تمھیں اس غلام پر جتنی قدرت اور طاقت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ طاقت ہے۔

کیا غصہ پاگل ہے؟

آدمی غصے میں ہوتا ہے تو سوچتا نہیں ہے، لوگ کہتے ہیں کہ غصہ پاگل ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے جو مخصوص بندے ہوا کرتے ہیں، وہ عجیب وغریب تعبیرات اختیار کیا کرتے ہیں، ان کا مقصد ہمیں سمجھانا ہوتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے ڈاکٹر حسن کے حوالے سے حکیم صاحب فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ غصہ پاگل ہے، کچھ پاگل واگل نہیں ہے، آپ کیسے ہی غصے میں بھرے ہوئے ہوں لیکن آپ کے سامنے جو آدمی ہے، آپ اس کے بارے میں جانتے ہیں کہ اگر آپ سیر ہیں تو وہ سوا سیر ہے تو پاگل کیا؟ ساری سمجھ داری آجائے گی اور اپنا سارا غصہ پی کر کے سمجھ داری سے اچھی اچھی، میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگیں گے، غصہ کہاں گیا؟ پتہ ہی نہیں۔

یہ تو سامنے بے چارہ ایک کمزور ہے، سامنے آپ کی بیوی ہے، بچہ ہے، ایک ایسی

شخصیت ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو کچھ طاقت اور قوت دے رکھی ہے تو وہاں آپ ہوش وحواس کھودیتے ہیں، پاگل بن جاتے ہیں، لوگ کہتے ہیں کہ پاگل ہوگیا ہے۔ کچھ نہیں۔

غصہ کے پاگل پن سے بچنے کا نبوی طریقہ

اگر اس موقع پر بھی نبیٔ کریم ﷺ کی یہ ہدایت ہمارے پیش نظر ہو کہ یہ جو میرے سامنے کھڑا ہے، بھلے کمزور ہو، مجھے اس پر چاہے طاقت حاصل ہے لیکن میں جو اس کے ساتھ معاملہ کرنے جارہا ہوں، مجھے اس معاملے کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو مجھ پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے، جتنی مجھے اس پر حاصل ہے۔

ارشاداتِ نبوی پر قربان ہونے والے

وہی بات جو حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی، وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے نبیٔ کریم ﷺ کا یہ ارشاد سنا کہ آپ یہ فرمارہے ہیں کہ اے ابو مسعود! تم کو اپنے اس غلام پر جتنی قدرت حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت حاصل ہے۔

تو حضور ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اسی وقت انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! یہ غلام آزاد ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا: أَمَا إِنَّكَ لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ کہ: اگر تم اس کو آزاد نہ کرتے تو آگ تم کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی، اللہ کا عذاب تم پر آتا[1]۔

---

[1] شعب الإيمان، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابٌ فِي الْإِحْسَانِ إِلَى الْمَمَالِيكِ، :۸۲۰۸.

جیسی کرنی ویسی بھرنی

جولوگ کمزوروں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، ہمیں کوئی کچھ کہنے والا نہیں، ہمارا کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہیں، وہ حماقت کی دنیا میں بستے ہیں، دنیا میں جو کرے گا، آخر اس کو بھگتنا ہے،: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُۥ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُۥ ۝﴾[الزلزال]: قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اصول بتلادیا کہ ایک ذرّہ برابر نیکی کرے گا، وہ اس کو دیکھے گا، دنیا میں بھی دیکھے گا، آخرت میں بھی دیکھے گا اور ایک ذرّہ برابر برائی کرے گا، وہ اس کو دیکھے گا، دنیا میں بھی دیکھے گا، آخرت میں بھی دیکھے گا۔

یہ ناممکن ہے کہ آپ کوئی اچھا کام اور بھلائی کریں اور اس کے ثمرات اور اچھے نتائج آپ کو نظر نہ آویں، کوئی برائی کا کام ہم سے ہو اور اس کا برا نتیجہ ہم کو نہ بھگتنا پڑے، یہ ہو نہیں سکتا۔ آپ کوئی خراب چیز کھالیں گے، پیٹ میں جائے گی تو وہ اپنا اثر دکھلا کر رہے گی، یہ قدرت کا قانون ہے۔

ظلم کا انجام موت سے پہلے

جولوگ اس طرح زیادتیاں کرتے ہیں، وہ بھگتتے ہیں، ابھی پتہ نہیں چلتا، زندگی ابھی باقی ہے، موت آنے والی ہے، موت سے پہلے پہلے بیماریوں اور مختلف شکلوں میں اس کا نتیجہ بھگتے گا۔

بعض اوقات فالج پڑ جاتا ہے، اب بستر میں پڑا ہوا ہے، نہ کوئی استنجا کرانے والا

ہے، نہ کوئی خبر لینے والا ہے، اسی طرح زندگی گذر رہی ہے۔

بعض مرتبہ تو وہ بے چاری عورت جس کے ساتھ ظلم اور زیادتی کی گئی تھی، وہی خبر لینے والی ہوتی ہے، اور کوئی خبر لینے والا بھی نہیں ہوتا۔ تو یہ جو عورتوں کے ساتھ سلوک ہوتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس سلسلے میں ہدایت فرمارہے ہیں کہ ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔

عورت اور کم فہم بچہ

حضور اکرم ﷺ عورتوں کے متعلق فرماتے ہیں: نَاقِصَاتِ عَقْلٍ وَدِينٍ کہ: سمجھ اور عقل کے اعتبار سے بھی کمزور ہیں[۱]۔

اگر ہمارا کوئی بچہ عقل اور سمجھ کے اعتبار سے کم ہو، اس کی ایسی نشو ونما نہیں ہوئی، جیسے عام بچوں کی ہوتی ہے، اس کی عقل ذرا تھوڑی ہے تو وہ ایسی حرکتیں کرتا رہتا ہے کہ جس کی وجہ سے سامنے والے کو تکلیف پہنچے، آپ اس سے کہیں گے کہ بھائی! ذرا دیکھنا، میرا بچہ ہے، اس کا دماغ ذرا کم ہے، کچھ ہو جاوے تو اس کو کچھ کرنا مت۔ آپ لوگوں سے اس کی سفارش کرتے ہیں، کیوں کہ اس کے اندر پوری صلاحیت نہیں ہے۔

کیا آپ اس سے اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ آپ کے پورے حقوق ادا کر سکے گا اور آپ کے ساتھ جیسا معاملہ کرنا چاہیے، ویسا معاملہ کرے گا؟ نہیں، کیوں کہ اس میں عقل کم ہے، اس میں پورے طور پر سمجھ نہیں ہے، اس لیے اس سے ایسی توقع

---

(۱) صحيح البخاری، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ الزَّكَاةِ عَلَى الأَقَارِبِ، ر: ۱٤٦۲.

مت رکھنا، یقیناً اس سے ایسی باتیں پیش آئیں گی کہ وہ آپ کا جیسا چاہیے، ویسا حق ادا نہیں کر پائے گا، آپ کا جیسا اکرام، آپ کی جیسی خدمت، آپ کے ساتھ جیسا معاملہ کرنا چاہیے، ویسا معاملہ نہیں کر پائے گا تو ایسا ہی عورتوں کا معاملہ ہے۔

حدیث کی روشنی میں سب سے بہترین آدمی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي: تم میں بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھائی اور بھلائی کا سلوک کرتے ہیں۔

آدمی یوں سمجھتا ہے کہ نکاح ہو گیا تو سب کا مالک ہو گیا نہیں۔ یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کے اندر ایک جذبہ پیدا فرمایا ہے، اس کی تسکین کے لیے یہ نکاح رکھا ہے۔

نکاح کی مشروعیت کی حکمت

ورنہ یہ جذبہ تو دوسرے جانوروں کے اندر بھی ہے، ایک مرد کے اندر عورت کی طرف جو میلان ہوتا ہے، جانوروں کے اندر بھی نر کے اندر مادہ کی طرف میلان ہوتا ہے، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جانوروں کے اندر کوئی قانون نہیں رکھا ہے، ان کو کوئی شریعت نہیں دی گئی، ان کو کسی قانون کا پابند نہیں کیا گیا کہ تم نکاح کرو، وہ اپنے طور پر اس جذبے کی تسکین کرتے ہیں، وہ فطرت کے ماتحت ہو کر چلتے ہیں۔

انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے شریعت دی اور فقط اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نکاح رکھا گیا۔

نکاح سے آدمی کلی طور پر عورت کا مالک نہیں بن جاتا

لیکن نکاح کے نتیجے میں مرد یوں سمجھتا ہے کہ مجھے پورے طور پر اختیارات حاصل ہو گئے، میں کلی طور پر اس کا مالک بن گیا۔ نہیں، آپ کو ایک مخصوص چیز میں اختیار دیا گیا ہے، ورنہ آپ پر اس کے حقوق ہیں اور اس پر آپ کے حقوق ہیں۔

ہم ہمہ وقت اپنے حقوق تو جتلاتے رہتے ہیں اور کمال تو یہ ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں ہے کہ کیا حق ہے؟، جہاں وہ یہ دعوی کرتا ہے تو اس کو پتہ بھی نہیں ہے کہ اس کے اوپر میرے کیا حقوق ہیں۔

مسلمانوں کی جہالت کی انتہا

ایک مرتبہ ایک سیمینار ہوا تھا، میاں بیوی کے درمیان آپسی تعلقات اور طلاق کے جو واقعات پیش آتے ہیں اس سلسلے میں غور وفکر کے لیے یہ سیمینار ہوا تھا کہ اس سلسلے میں کیا کام کیا جائے؟، ایک صاحب جنوبی ہندوستان سے، ساؤتھ انڈیا سے آئے ہوئے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ ایک مرتبہ ایک کپل، میاں بیوی کا جوڑا کسی بس کے اندر جا رہا تھا، ساتھ میں چھوٹا بچہ بھی تھا، کسی وجہ سے وہ بچہ رونے لگا تو ظاہر ہے کہ ماں اس کو رونے سے کسی بھی طرح روکے گی، اس کو خاموش کرنے کی اور اس کو بہلانے کی ہر ممکن کوشش کرے گی۔

ماں نے پوری کوشش کر ڈالی لیکن بعض مرتبہ بچہ بھی کسی طرح خاموش نہیں ہوتا اور وہ کسی بھی طرح بہلنے کا نام لیتا نہیں۔ اب اس پر وہ میاں غصے ہوئے اور اسی میں اس

عورت کو تین طلاق دے ڈالی۔ اب بس کے سارے مسافر یہ سن کر ششدر رہ گئے، کسی نے کہا کہ تم نے یہ کیا کر دیا؟۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے اختیار ہے، میں مالک ہوں۔

اللہ اکبر! یعنی اس وقت لوگوں کو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ طلاق کا جو اختیار شوہر کو دیا گیا ہے، اس کے کیا حدود ہیں، اس کو کس طرح استعمال کرنا چاہیے؟، ایسا نہیں ہے کہ جیسا مرضی میں آیا، آپ اس پر عمل کر رہے ہیں۔

دوسروں کا غصہ بیوی پر نکالنے والے

لڑائی ہوئی بیوی کے بھائی کے ساتھ اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ ارے اس سے زیادہ ظلم یہ ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کے ساتھ لڑ کے آیا ہے، اس کی وجہ سے دماغ بھڑکا ہوا ہے اور یہاں آ کر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، یہ کیا ظلم ہو رہا ہے؟، شریعت کے اختیار کو کہیں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے؟۔

شریعت میں طلاق کا مکمل قانون موجود ہے

قرآنِ کریم میں ایک پوری سورت نازل کی گئی ہے: سورۂ طلاق۔ ۲۸/ویں پارے میں ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِذَا طَلَّقۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحۡصُواْ ٱلۡعِدَّةَۖ وَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ رَبَّكُمۡۖ﴾: اس میں باقاعدہ اس بات کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ جب طلاق کا ارادہ ہو تو کس طرح طلاق دینی چاہیے۔

طلاق ناگزیر حالت ہی میں دی جائے

پہلے تو یہ ہے کہ معاملے کو برقرار رکھنے اور عورت کی اصلاح کے لیے پوری کوشش

ہو جانی چاہیے، جب یہ ساری کوششیں ناکام ہو جائیں اور یہ یقین ہو جائے کہ اب تو جدائی کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے تو پھر طلاق کا مرحلہ ہے اور اس کے لیے بھی شریعت نے پورا طریقہ بتلایا ہے۔

بیوی کو طلاق دینے کا صحیح طریقہ

وہ طریقہ کیا ہے؟ ایک آدمی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے تو یہ نہیں کہ جی میں آیا اور بول دیا بلکہ پہلے حیض سے پاک ہونے کا انتظار کرو اور حیض سے پاک ہونے کے بعد اس کے ساتھ صحبت نہیں کی جائے گی اور ایک طلاق دے گا، ایک طلاق دے کر رُک جائے، پھر اس کو چھوڑ دے، یہاں تک کہ عدت گذر جائے۔ اس درمیان میں اگر پچھتاوا ہوا، ندامت ہوئی اور دوبارہ اس کو نکاح میں رکھنے کا ارادہ ہوا تو اس سے رجوع کر کے اپنے نکاح میں باقی رکھ سکتے ہیں۔ شریعت نے یہ طریقے بتلائے ہیں۔ اگر آدمی شریعت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عمل کرے تو کبھی پریشانی نہیں ہوگی۔

ایک ساتھ تین طلاق دینا حرام اور کبیرہ گناہ ہے

لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ غصے میں بھرا ہوا آیا اور ایک ساتھ تین طلاق دے دی۔ ایک ساتھ تین طلاق دینا حرام ہے، کبیرہ گناہ ہے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے۔

تین طلاق دینے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار غضب

نسائی شریف میں حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ ایک آدمی نے

آ کر کہا کہ فلاں نے تین طلاقیں دے دیں تو حضور اکرم ﷺ مارے غصے کے کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ، وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے، قرآن کے ساتھ کھلواڑ کیا جاتا ہے، حالاں کہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں①۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن نے طلاق کا طریقہ بتلایا، اس طریقے کو چھوڑ کر اس طرح طلاق دیتے ہو؟ یعنی یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

دنیوی امور میں ہماری چوکسی اور امور شرعیہ سے غفلت

ہر چیز کا ایک طریقہ ہوتا ہے، کوئی سرکاری معاملہ ہو تو پچاس مرتبہ وکیل کے پاس جائیں گے اور بار بار پوچھیں گے۔ دو گز زمین خریدنی ہو تو پہلے سرکاری کاروائی کے بارے میں پوچھیں گے کہ کس طرح خریدی جاتی ہے، دستاویز کس طرح بنایا جاتا ہے اور اس کے لیے کہاں جانا پڑے گا، ساری تفصیلات پہلے معلوم کی جاتی ہے لیکن جہاں شریعت کا معاملہ آتا ہے، وہاں کوئی توجہ ہی نہیں کی جاتی۔

عورتوں کے دینی احوال کی طرف سے ہماری مجرمانہ غفلت

بہر حال! عورتوں کے حقوق کے معاملے میں بڑی غفلت برتی جاتی ہے، مرد سمجھتے ہیں کہ بیوی آپ کا کھانا پکا دیوے، آپ کے کپڑے دھو دیوے، آپ کے گھر میں جھاڑو لگا دیا کرے، بس! وہ سمجھتے ہیں کہ یہی میرا حق ہے۔

① سنن النسائی، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ رضی اللہ عنہ، الثَّلَاثُ الْمَجْمُوعَةُ وَمَا فِيهِ مِنَ التَّغْلِيظِ، ر: ۳۴۰۱

کبھی کھانا کھانے کے لیے گھر آئے اور دیکھا کہ ابھی کھانا نہیں پکا ہے تو ان کا دماغ آسمان پر پہنچ جاتا ہے، کبھی یہ توفیق نہیں ہوتی کہ ان سے پوچھیں کہ اللہ کی بندی تو نے نماز پڑھی یا نہیں؟۔ اگر کھانے میں نمک ذرا سا کم پڑ گیا ہو تو اس کو مارنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن نماز کے بارے میں کبھی پوچھے گا بھی نہیں۔

جو دین دار کہلاتے ہیں، وہ پوچھیں گے کہ نماز پڑھی؟ عورت نے جواب دیا کہ نہیں پڑھی تو یہ کہتا ہے کہ پڑھ لیجیے۔ اس کے بعد کوئی مولوی صاحب اس بارے میں پوچھے گا کہ گھر والی کو نماز کا حکم کرتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہے گا کہ مولوی صاحب کیا کروں؟ کہتے ہیں لیکن وہ مانتی ہی نہیں۔

بیوی کے دینی معاملات میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے

کیوں بھائی! تمھارا کھانا اگر نہیں پکا یا ہو تو کیا کرتے ہو؟ وہ بھی سمجھتی ہے کہ آپ کا رویہ اور مزاج کس انداز کا ہے، آپ کو کیا چیز پسند ہے اور کیا ناپسند، کون سی چیزیں آپ پورے طور پر کروانا چاہتے ہیں؟۔

اگر آپ نماز کے بارے میں وہی رویہ اختیار کریں جو نمک کے بارے میں کرتے ہیں، کھانے کے معاملے میں کرتے ہیں تو کیا وہ نماز چھوڑ سکتی ہے؟۔ لیکن اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں ہے۔

یہ بے چاری پڑھی ہوئی تو ہے نہیں اور آپ کی اتنی زیادہ خدمت کرتی ہے کہ اتنی خدمت خود اپنی ذات کی بھی نہیں کرتی ہوگی تو اس کی بھلائی کا سوچنا ہماری ذمہ داری

ہے یا نہیں ہے؟ کل کو اگر نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوگا تو کیا آپ اس کو دیکھ سکیں گے؟ ساری زندگی آپ کی خدمت کر رہی ہے اور اس کی بھلائی کا آپ کو کوئی خیال ہی نہیں، حالاں کہ نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ: تم میں سے ہر ایک کو ذمہ دار بنایا گیا ہے اور کل کو تم سے اپنے ماتحتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

اب یہ دن رات کے چوبیسوں گھنٹے تمھارے لیے کام کرتی ہے، اس کو سمجھاؤ کہ میرا کھانا پکانے میں دیر ہو تو ہو لیکن نماز اس کے وقت پر پڑھیو، میرا نقصان ہے، مجھے بھی پوچھ ہوگی اور تجھے بھی عذاب ہوگا، اس کو سمجھایا جائے، جیسے وہ آپ کی خدمت کی اہمیت سمجھتی ہے، اس سے زیادہ آخرت کی اہمیت سمجھنے کی ضرورت ہے لیکن ہمیں تو اس کی کوئی پڑی ہی نہیں ہے۔

اور پھر کمال تو یہ ہے کہ زندگی بھر یہ خدمت کرتی ہے، اس کا تو کوئی احسان بھی نہیں مانتے، یہ نہیں سمجھتے کہ اس نے ہم پر کوئی احسان کیا ہے، عجیب معاملہ ہے۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے جو ہم لوگوں کے لیے بڑی عبرت کا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کے ایک مرید نے دعوت کی، اس کی بیوی بھی ڈاکٹر صاحب سے بیعت تھی۔ کھانے سے جب فارغ ہوئے تو اللہ والوں کی عادت ہوتی ہے کہ دعا دیتے ہیں، شکریہ

ادا کرتے ہیں۔

اب گھر والی بھی چوں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھی، اس نے پردے کے پیچھے سے دعا کی درخواست کی۔ حضرت نے دعا دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے، تم نے بڑا اچھا کھانا پکایا تھا، دل خوش ہو گیا۔

اس نے اتنی محنت کی ہے تو آپ اس کو انعام تو دیں، کم سے کم تعریف کا ایک جملہ تو کہہ دیجیے؛ تاکہ اس کا جی خوش ہو جائے، ہمت اور حوصلہ بڑھ جائے، اور کیا چاہیے، اس کو پیسے ویسے نہیں چاہیے۔

ڈاکٹر صاحب نے جب یہ جملہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے، تم نے بڑا اچھا کھانا پکایا تھا، دل خوش ہو گیا تو پردے کے پیچھے سے ہچکیوں کی اور رونے کی آواز آئی۔ حضرت ایک دم حیران ہیں کہ میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو اس کو ناگوار گذری؟ یہ رو کیوں رہی ہے؟۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر میری طرف سے کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف کر دینا، میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی کہ آپ اس طرح رونے لگیں؟۔

بڑی مشکل سے اس عورت نے اپنی ہچکیوں پر قابو پاتے ہوئے یہ بات کہی کہ حضرت! آج آپ نے زندگی میں پہلی مرتبہ میرے یہاں کھانا کھایا ہے اور آپ نے کھانا کھا کر مجھے دعا دی اور یہ جملہ کہا کہ تم نے بڑا اچھا کھانا پکایا تھا، اللہ تعالیٰ تمھیں جزائے خیر دے۔

یہ آپ کے بازو میں میرے شوہر کھڑے ہیں، ۴۰ رسال سے میں ان کو کھانا

پکا کر کھلا رہی ہوں، ایک مرتبہ اللہ کے اس بندے نے یہ نہیں کہا کہ آج تو نے کھانا اچھا پکایا ہے، اللہ تمھیں جزائے خیر دے۔

توصیفی کلمات سے بیویوں کی حوصلہ افزائی کیجیے

ایسا ہے یا نہیں؟ ہم ظلم کر رہے ہیں یا نہیں؟ میں اور آپ بغیر تنخواہ کے کسی کی خدمت کرتے ہوں اور دس دن خدمت کی اور ان دس دنوں میں ایک جملہ بھی اس کی طرف سے ایسا نہیں سنا تو ہم پر کیا گذرے گی؟ لیکن ہم وہی معاملہ اپنے گھر والوں کے ساتھ کرتے ہیں، زیادتیاں ہو رہی ہیں، پورے معاشرے اور سوسائٹی میں یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔

بھائی! چلئے، نمک کم ہو گیا، کھانا کچا رہ گیا، وقت پر نہیں پک سکا تو اس نے جان بوجھ کر تو کیا نہیں ہے، وہ اپنے طور پر کوشش کرتی ہے اور ویسے بھی شریعت کے اعتبار سے اس پر یہ کوئی ضروری اور فرض نہیں ہے، ذرا یورپ میں جا کر دیکھو تو پتہ چلے گا۔

یورپ میں بیویاں کیسی ہوتی ہیں؟

کل ایک صاحب میرے پاس آئے، وہ کناڈا میں تھے، وہاں سے کئی سال ہوئے، آچکے ہیں، وہاں ان کی بیوی تھی، وہ بھی ملازمت پر جاتی تھی، جب وہ ملازمت پر جا رہی ہے اور وہ بھی کما رہی ہے تو اس کا بھی حق ہے، جیسے آپ کما رہے ہیں، ویسے ہی وہ بھی کما رہی ہے۔ پھر اس کے رشتہ داروں نے زبردستی طلاق کروا دی اور وہ صاحب یہاں آگئے اور یہاں دوسرا نکاح کر لیا۔

اب وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ میرے تین بھائی وہاں ہیں، وہ مجھ سے اصرار کرتے ہیں کہ اب تو یہاں آ جا۔ میں نے جو دوسری شادی کی ہے، اس سے دو بچے بچے پیدا ہوئے ہیں، ایک لڑکی ہے جو چار سال کی ہے اور ایک لڑکا ہے جو ڈیڑھ سال کا ہے، میں آپ سے مشورہ کرنے کے لیے آیا ہوں کہ کیا کروں؟ اور یہ جو میری دوسری بیوی ہے، وہ مجھ سے آٹھ سال چھوٹی ہے۔

اور میری پہلی بیوی سے بھی دو بچے ہیں جو وہاں ہیں، اب اگر میں وہاں پہنچتا ہوں تو وہ فوراً میرے خلاف دعوی دائر کر دے گی اور میرے بچوں کا خرچہ بھی میری تنخواہ میں سے دیا جائے گا، اب میں وہاں جا کر کماؤں گا تو دو دو گھرانوں کے لیے میری کمائی کافی نہیں ہوگی۔ اور پھر وہی چکر دوبارہ چلے گا کہ اگر اپنی بیوی کو کمانے کے لیے ملازمت پر بھیجوں تو بیوی باتھ روم کے اندر غسل کر رہی ہے اور غسل کرتے کرتے آواز دے رہی ہے کہ ذرا چائے بنا لینا۔ یہ ہوگا تو اب کیا کروں؟۔

اور پھر کہا کہ میرے یہ بچے اس ماحول میں بڑے ہوں گے تو ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوگا کہ ماں باپ کے کیا حقوق ہیں؟ اور وہاں کے گندے اور عریانیت والے ماحول کا اثر بھی ان پر پڑے گا۔

تو میں نے کہا کہ آپ کو میرا مشورہ یہی ہے کہ بچے جب تک کہ ۱۸، ۲۰ر سال کے نہ ہو جائیں، آپ اپنے بچوں کے خاطر یہیں رہیئے کہ ان کی تربیت وہاں ہو، اس سے اچھا ہے کہ یہیں پر ہو۔

میں تو یہ بتا رہا تھا کہ وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ بیویاں کیسی ہوتی ہیں؟۔

ہمارے یہاں کی عورتیں تو جنت کی حوریں ہیں

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی عورتیں تو جنت کی حوریں ہیں، خدمت کرتی ہیں اور جب تک شوہر نہ کھائے، ہاتھ میں لقمہ لینے کے لیے تیار نہیں، اگر شوہر نے پیشگی اطلاع نہیں کی اور رات میں وہ دیر سے آیا تو وہ اس کے آنے تک کھانا نہیں کھائے گی، اگر شوہر کہہ کر جائے کہ میں دیر سے آؤں گا، تم کھانا کھا لینا تو بات دوسری ہے لیکن اگر شوہر نے اطلاع نہیں کی ہے تو وہ شوہر کے بغیر کبھی کھا ہی نہیں سکتی۔ اور وہاں یہ حال ہے کہ کھانا کیا، آپ کو دانہ ڈالنے کے لیے تیار نہیں، وہاں جا کر کے ذرا پوچھو۔

قیامت کے دن ماتحتوں کے حقوق سے گلوخلاصی ناممکن ہے

بہر حال! عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں، اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ سفارش فرما رہے ہیں: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ کہ: ان کے ساتھ خیر اور بھلائی کے ساتھ زندگی گذارو اور ان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو، ورنہ کل کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿يَوْمَ يَفِرُّ ٱلْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝٣٤ وَأُمِّهِۦ وَأَبِيهِ ۝٣٥ وَصَٰحِبَتِهِۦ وَبَنِيهِ ۝٣٦﴾ [عبس] کہ: آدمی کل کو قیامت کے دن بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں اور باپ سے اور اپنی بیوی اور بیٹوں کی وجہ سے کہ ان کے حق ادا نہیں کیے ہیں، ظلم کیا تھا، اب وہی پکڑ رہے ہیں، وہی اللہ تعالیٰ کے حضور میں درخواست

کرر ہے ہیں کہ اے اللہ! اس نے میری پٹائی کی تھی، یہاں تو وہ خدمت کر رہی ہے، سب کچھ کر رہی ہے لیکن اگر اس کا حق باقی ہوگا تو وہاں کوئی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوگا، وہ برابر وصول کریں گے، یاد رکھنا۔

قیامت کے دن کا انصاف

اور وہاں کا قانون تو یہ ہے کہ سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری کو مارا تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بغیر سینگ والی بکری کو سینگ دیں گے اور سینگ والی کو بغیر سینگ والی بنائیں گے اور کہیں گے کہ اب تو مار۔ جانوروں کے درمیان یہ انصاف کیا جائے گا تو پھر انسانوں کو کہاں بخشا جائے گا۔

کم نمک والی کھچڑی کھانے پر مغفرت

ایک قصہ سنا کر بات ختم کر دیتا ہوں، ایک بزرگ، اللہ کے نیک بندے تھے، ان کے یہاں کھچڑی پکی، جب انھوں نے اس کو چکھا تو نمک کم تھا، ان کے جی میں آیا کہ کہیں کہ اس میں نمک کم کیوں ہے؟ لیکن پھر انھوں نے سوچا کہ انسان ہے، کبھی کمی زیادتی ہو جاتی ہے، یہ بھی اللہ کی بندی ہے، مجھے اللہ کے واسطے اس کو کچھ نہیں کہنا ہے، انھوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

ان کی وفات کے بعد کسی نے ان بزرگ کو خواب میں دیکھا، بڑے عالم تھے، میں آپ کو ان کا نام بھی بتلا دوں، دارالعلوم کی ابتدا میں دو محمود رحمۃ اللہ علیہ تھے: ایک تو ملا محمود اور دوسرے شیخ الہند حضرت محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ، ان کے استاذ ملا محمود تھے جو میرٹھ کے رہنے

والے تھے، ان کا یہ قصہ ہے کہ انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟۔

انھوں نے جواب دیا کہ بس ایک موقع پر جب کھچڑی میں نمک کم تھا، میرے جی میں یہ آیا تھا کہ میں اس سے کہوں کہ اس میں نمک کم ہے لیکن پھر میرے جی میں آیا کہ اللہ کی بندی ہے، نہیں کہتا، اسی پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری مغفرت کردی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں بھی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

اسلام میں عورتوں کے حقوق
اور اس میں ہونے والی کوتاہیاں

بمقام: سورت

مؤرخہ: ۱۳/۱/ ۲۰۱۷

اقتباس

لیکن اسلام نے آ کر عورتوں کے لیے میراث میں باقاعدہ حصے مقرر کیے اور عجیب بات تو یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے اندر جن وارثوں کے لیے حصے مقرر کیے گئے ہیں، ان کو "ذوی الفروض" کہا جاتا ہے، ان کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے آٹھ عورتیں ہیں اور چار مرد ہیں، گویا شریعت کی طرف سے مقررہ حصے والے وارثوں میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں شریعت نے دوگنی رکھی ہے، ان کے حقوق کا اسلام نے اتنا زیادہ اہتمام کیا۔

مردان کو حصے نہیں دیتے تھے تو باقاعدہ ان کو تاکید کی گئی کہ ان کے حقوق کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ کریں اور قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں بہت سے مسائل جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں عورتوں اور مردوں کے تعلق سے پیش آئے، ان کا باقاعدہ حل قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمدللّٰه نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله، أرسله إلىٰ كافّة الناس بشيراً ونذيراً، وداعياً إلى الله بإذنه وسراجاً منيراً، صلّى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ آله وأصحابه وبارك وسلّم تسليماً كثيراً كثيراً.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بسم الله الرحمن الرحيم: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلۡمَعۡرُوفِۚ فَإِن كَرِهۡتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكۡرَهُواْ شَيۡـٔٗا وَيَجۡعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيۡرٗا كَثِيرٗا ۝١٩﴾ [النساء].

وقال النبی ﷺ: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي[۱]. أو كما قال عليه الصلوة والسلام.

اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبیٔ کریم ﷺ کے ذریعہ زندگی گذارنے کا جو طریقہ پوری انسانیت کو عطا فرمایا جسے ہم اور آپ اسلام یا شریعت مطہرہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق تفصیلی ہدایت اور رہنمائی ہے۔

---

(۱) سنن الترمذي، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، بَابٌ فِي فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، ر:۳۸۹۵.

احکامِ اسلام کے پانچ شعبوں میں سے پہلا شعبہ: عقائد

حضراتِ علماء نے احکام کو پانچ شعبوں میں تقسیم کیا ہے، ایک شعبہ تو عقائد کا ہے کہ بندے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات اور حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور قیامت، جنت، دوزخ کے متعلق کیا عقیدہ رکھنا چاہیے، اس سلسلے میں جو ہدایتیں دی گئی ہیں، ان پر ایمان موقوف ہے۔

ایمانیات حدیثِ جبرئیل کی روشنی میں

ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ کے اخیری زمانے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چند سوالات کیے: مَا الْإِيمَانُ؟، مَا الْإِسْلَامُ؟ مَا الإِحْسَانُ؟

ایمان کیا ہے؟ تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا: أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ کہ: تم ایمان لاؤ اللہ تعالیٰ پر، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات وصفات کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے، اپنی ذات کے اعتبار سے اور جن صفات کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ متصف اور موصوف ہے، اس کے اعتبار سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ واحد و یکتا ہے، اپنی قدرت میں، اپنے علم میں، اپنے ارادے میں، ہر صفت میں واحد و یکتا ہے۔

اسی طرح اللہ کے فرشتوں پر ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں جو اس نے اپنے نبیوں کے اوپر اتاری، ان پر ایمان لاؤ، اللہ کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ یہ

ایمانیات سے متعلق نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا[۱]۔

یہ ایمانیات سے تعلق رکھنے والی چیزیں ہیں، ایک مؤمن کو اپنا عقیدہ ہر اعتبار سے درست رکھنا چاہیے۔

ایمان سے خارج کرنے والے امور کا جاننا بھی ضروری ہے

فقہاء نے لکھا ہے کہ جن کاموں اور باتوں کی وجہ سے آدمی ایمان سے نکل جاتا ہے، ان باتوں اور ان کاموں کا جاننا بھی ایک مؤمن کے لیے ضروری ہے؛ تاکہ وہ اپنے آپ کو ایسی باتوں اور ایسے کاموں سے بچا کر اپنے ایمان کی حفاظت کرے۔

آج کل ہمارے زمانے میں جہالت کی زیادتی اور احکامِ شریعت سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے لوگ اپنی زبان سے ایسی باتیں نکال دیتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ایمان سے نکل جاتے ہیں۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو باقاعدہ فرمایا کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ موقع بموقع اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہیں۔ یہ تو عقائد کا شعبہ ہے۔

دوسرا شعبہ: عبادات

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے، اس میں بندہ اپنے رب کا حق اس کی عبادت اور اطاعت کے ذریعہ کیسے ادا کرے گا؟، وہ بتلایا گیا ہے، اس میں نماز ہے، زکوۃ ہے، روزہ ہے، حج ہے۔ یہ چاروں عبادات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

---

① صحيح مسلم، عَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابُ معرفة الْإِيمَانِ، وَالْإِسْلَامِ، والقَدَرِ وَعَلَامَةِ السَّاعَةِ.

شریعت اسلامیہ میں نماز سب سے اہم عبادت ہے

نماز کو شریعت مطہرہ میں بڑا اونچا مقام دیا گیا ہے، اس لیے کہ اسی کے ذریعہ بندہ اپنا تعلق اپنے رب کے ساتھ قائم کرتا ہے اور اسی کے نتیجے میں ایک بندے کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اور تعلق مضبوط ہوتا ہے اور یہی تعلق اور یہی رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوسرے تمام احکام کی ادائیگی کے لیے بندے کو آمادہ کرتا ہے۔

احکامِ الٰہی کی ادائیگی میں کوتاہی کا سبب

ہم سے شریعت کے احکام کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں ہوتی ہیں، وہ درحقیقت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ جو رشتہ اور تعلق ہونا چاہیے، اسی کی کمی کا نتیجہ ہے۔

ایک آدمی کے باپ کا انتقال ہو گیا اور اس نے بہت سارا مال چھوڑا، اب وہ آدمی اپنی بہنوں کو ان کا وہ حصہ جو ان کے باپ کے جائداد میں مقرر فرمایا ہے، جس کو قرآن میں صاف صاف بتلا دیا گیا ہے، وہ نہیں دیتا۔

اب دیکھئے! یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہنوں کو ان کا حصہ دینے سے کون سی چیز رکاوٹ بن رہی ہے، اگر اس کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا، رشتہ قوی ہوتا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت اس کے دل میں سرایت کیے ہوئے ہوتی تو وہ محبت اور تعلق اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کو پورا کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار کرتا۔

ہم اپنی زندگی کے مختلف میدانوں کے اندر شریعت کے احکام پر عمل کے معاملے

میں جو کوتاہیوں کا شکار ہوتے ہیں، اس کی اصلی وجہ یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ ہمارا رشتہ اور ہمارا تعلق جیسا قوی اور مضبوط ہونا چاہیے، وہ نہیں ہوتا۔

احکام دیے جانے سے قبل صحابہ کی تربیت

حضراتِ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اللہ تعالیٰ نے کیسی تربیت فرمائی؟ شروع میں پوری پوری رات عبادت کا حکم دیا گیا، تہجد کو لازم قرار دیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے نتیجے میں ان کے دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت سرایت کر گئی، اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق اور رشتہ مضبوط طریقے سے قائم ہو گیا پھر ان کو وہ احکام دیے گئے جو دیے جانے چاہیے تھے۔

احکام سے پہلے عقائد پر مشتمل آیات کے نزول کی حکمت

بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ میں مکۂ مکرمہ میں جب چھوٹی بچی تھی، اس وقت قرآنِ پاک کے اندر یہ یہ آیتیں جن کا عقائد کے ساتھ تعلق ہے، وہ نازل ہوتی تھیں: قیامت کے متعلق، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق۔ اس وقت یہ نہیں آیا کہ چوری مت کرو، زنا مت کرو، شراب مت پیو۔ اگر شروع میں یہ احکام دیے جاتے تو لوگوں کے لیے اس پر عمل کرنا مشکل ہوتا اور لوگ یہ سمجھتے کہ یہ ہمارے بس کا نہیں ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے اپنی عبادت کا حکم دے کر اور اس میں مشغول کر کے اپنے ساتھ ان کے تعلق کو پہلے ایسا مضبوط کیا اور اس کے نتیجے میں ان کے دلوں میں اللہ

تعالیٰ کی محبت ایسی سرایت کرگئی اور ایسی پیوست ہوگئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے واسطے ہر قسم کی قربانی دینا ان کے لیے آسان ہو گیا، اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ نا ان کے لیے آسان ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ شریعت نے یہ جو عبادات کا شعبہ رکھا ہے، اس کی جڑ اور اصلی وجہ یہی ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ سے اپنا تعلق اور رشتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ مضبوط کرے۔

ہم نے دین کو عبادات کے اندر محدود کر دیا ہے

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے دین کو ایک تو عبادات کے اندر محدود کر کے رکھ دیا ہے، ایک آدمی نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، زکوۃ ادا کرتا ہے، حج کرتا ہے تو وہ یوں سمجھتا ہے کہ میں پورے دین پر عمل کرتا ہوں۔

اور پھر اس کا بھی حال یہ ہے کہ ان عبادتوں کی ادائیگی کے باوجود ہمارے اندر ایمان کی وہ قوت پیدا نہیں ہوتی جو ہم کو اللہ تعالیٰ کے احکام کو ادا کرنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے پر آمادہ کر سکے، ہماری عبادات کا شعبہ اتنا کمزور ہے۔

تیسرا شعبہ: معاملات

تیسرا شعبہ معاملات کا ہے۔ معاملات کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو چیزیں خریدی جاتی ہیں، بیچی جاتی ہیں اور دوسرے مالی لین دین کرتے ہیں، یہ ساری صورتیں معاملات میں داخل ہیں اور شریعت نے اس کی بھی باقاعدہ تفصیلات بتلائی ہیں کہ آپ کی تجارت

کیسی ہونی چاہیے، آپ خرید وفروخت کس طرح کریں گے، آپ اجارہ داری کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو کس طرح کریں گے، شریعت نے ان ساری چیزوں کو بڑی تفصیل سے واضح کر کے بتلایا ہے۔

چوتھا شعبہ: اخلاق

اور ایک شعبہ اخلاق کا ہے کہ آدمی اپنے دل کے اندر کس طرح کے اوصاف پیدا کرے۔ آدمی کے دل میں ایک تو اخلاص ہوتا ہے یعنی کوئی بھی کام کرے تو اللہ تعالیٰ کے واسطے کرے، اس میں کسی دوسرے کے لیے ہونے کا دخل نہ ہو۔

اخلاص بڑی اہمیت رکھتا ہے، اس معاملے میں بھی ہم اتنے کمزور ہو گئے کہ چھوٹی چھوٹی عبادتوں کے اندر بھی خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے ان عبادتوں کو انجام دینے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس معاملے میں بھی ہم سے کوتاہیاں ہوتی ہیں۔

ہماری ایک کمزوری: اخلاص کی کمی

ہم ریا کا شکار ہو جاتے ہیں، شہرت کے طلب گار ہوتے ہیں، دو پیسے اگر خرچ کرتے ہیں تو تمنا یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ اس نے اتنا مال خرچ کیا، دو رکعتیں پڑھتے ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ مجھے دو رکعت پڑھتے ہوئے کوئی دیکھ لے اور یوں سمجھیں کہ بڑا عبادت گزار ہے، گویا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے معاملے میں بھی جو نیت خالص ہونی چاہیے، وہ نہیں ہے، یہ نیت کا خالص ہونا دل کا ایک وصف ہے جس کو اخلاص سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے مقابلے میں ریا اور شہرت ہے۔

دنیا سے بے رغبتی احکام کی ادائیگی میں معین ومددگار

اسی طرح دنیا کی محبت کا دل میں نہ ہونا ہے کہ اس کے نتیجے میں آدمی ساری عبادتیں اور اللہ تعالیٰ کے وہ سارے احکام جو مالیات سے متعلق ہیں، بڑی آسانی سے انجام دیتا ہے۔ایک بھائی اپنی بہن کا حق اس لیے ادا نہیں کرتا کہ اس کے دل میں مال کی محبت ہے، وہ سمجھتا ہے کہ بہن کو اس کا حق دے دوں گا تو میرے مال میں اتنی کمی واقع ہو جائے گی، یہ مال کی محبت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری میں رکاوٹ بنی۔شریعت نے ہماری تربیت کے لیے ایسا نظام بنایا کہ ہمارا دل دنیا کی محبت اور مال کی چاہت سے خالی ہو، اس کو ''زُہد'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کے مقابلے میں حُبِّ مال ہے، یہ حُبِّ مال آدمی کو بہت سے گناہوں میں مبتلا کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

دلوں کو برائیوں سے پاک رکھنا بھی اخلاق کا اہم حصہ ہے

بہرحال! انسان کے دل کو مختلف خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیے اور تمام برائیوں سے اس کو پاک اور صاف ہونا چاہیے، مثلاً دل کے اندر کینہ نہ ہو، کسی کے متعلق بغض اور عداوت نہ ہو، کسی کے اوپر حسد نہ ہو۔ یہ بغض، عداوت، کینہ برے اخلاق ہیں، ان سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھنا ضروری ہے، یہ بھی ایک شعبہ ہے۔

پانچواں شعبہ: معاشرت

پانچواں اور آخری شعبہ معاشرت کا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا

ہے کہ وہ اکیلا رہ کر زندگی نہیں گذار سکتا بلکہ وہ جب سے پیدا ہوتا ہے، اس وقت سے اسے اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ اپنے ہم جنسوں کے ساتھ زندگی گذارنی ہوتی ہے: ماں، باپ ہوتے ہیں، بھائی بہن ہوتے ہیں، شادی ہوتی ہے تو بیوی ہوتی ہے، اولاد ہوتی ہے، پڑوسی ہے، اس طرح بہت سارے انسانوں سے اس کو زندگی میں واسطہ پڑتا ہے، ان انسانوں کے ساتھ جن سے اس کو واسطہ پڑتا ہے، اس کو کیسا سلوک کرنا چاہیے، وہ بھی شریعت مطہرہ نے ہم کو بتلایا ہے، اسی شعبے کو ''معاشرت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کی تحریک اور اس کا مطلب

ماضی قریب کے اندر پرسنل لا کا جو مسئلہ اٹھا تھا، اس وقت ہمارے معاشرے کے اندر، ہمارے گھروں میں عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے معاملے میں جو کوتاہیاں ہورہی ہیں، اس موقع پر یہی بات بار بار دہرائی جاتی رہی کہ اصلاحِ معاشرہ، ''سماج سدھارنا'' یعنی سماجک تعلقات کس طرح بہتر ہوں اور ایک دوسرے کے حقوق کو کس طرح اچھے طریقے سے ادا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اس پر ہمیں مسلمانوں کو آمادہ کرنے کی ضرورت ہے۔

عقدِ نکاح کا مطلب

یہ نکاح کا معاملہ ہے، اس کو یوں سمجھیے کہ اس میں دو فرد اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک دوسرے کے ساتھ تعلق قائم کرتے ہیں، عورت ایک جملہ کہتی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمھارے نکاح میں دیا یا اس کا وکیل کہتا ہے، اس کے جواب میں مرد اس کو منظور

کرتا ہے۔ بس ان ہی دو جملوں کے نتیجے میں ایک ایسا تعلق قائم ہو گیا کہ اس تعلق کی وجہ سے دونوں آپس میں ایک دوسرے کے لیے حلال قرار دئے گئے، حالاں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے پہلے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے حرام قرار دیا تھا۔

اسی کو حدیث میں نبیٔ کریم ﷺ عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم نے ان کو اپنے واسطے "اللہ کے کلمے" کے ذریعہ حلال کیا[①]۔

عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی قرآن میں اللہ تعالیٰ کی سفارش

عورتوں کے ساتھ جو نکاح ہوتا ہے، نکاح بعد ان کے حقوق کی ادائیگی کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر اس کی تاکید فرمائی ہے ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ﴾ کہ: عورتوں کے ساتھ بھلائی کے ساتھ زندگی گذارو، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ﴿فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ﴾: اگر کسی وجہ سے تمھاری طبیعت اس کو پسند نہیں کرتی، ﴿فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا﴾: تو ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو، ﴿وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝١٩﴾[النساء]: اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بڑی خیر رکھی ہو۔

نکاح انسانی معاشرے کی بنیاد ہے

قرآن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ جو نکاح کے ذریعہ رشتہ قائم ہوا، دراصل یہ معاشرے کی بنیاد ہے، معاشرے کا

① صحیح مسلم، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضی اللہ عنہما، بَابُ حَجَّةِ النَّبِيِّ ﷺ

قیام اسی کے اوپر ہے۔ ایک مرد کا جب ایک عورت کے ساتھ نکاح کے ذریعہ تعلق قائم ہوتا ہے تو اسی کے بعد اولاد وجود میں آتی ہے، اسی طرح دنیا میں مختلف افراد اس نکاح والے رشتے سے ایک دوسرے کے ساتھ جڑتے ہیں اور اس کے ذریعہ سے اولاد وجود میں آتی ہے، ایک پورا انسانی معاشرہ اس کے ذریعہ وجود میں آتا ہے، گویا پورے معاشرے کی بنیاد ان دو فردوں کا نکاح کے ذریعہ آپس میں جڑنا ہے۔

مرد کو عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کے خصوصی حکم کی حکمت

اور ان ہی دو افراد کو شریعت نے بڑی تاکید فرمائی کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق ادائیگی کا پوری طرح اہتمام کریں۔ چوں کہ یہ دو فرد جو نکاح کے ذریعہ سے آپس میں جوڑے جا رہے ہیں، ان میں ایک مرد ہے اور ایک عورت ہے، مرد عورت کے مقابلے میں قدرتی طور پر طاقت ور ہے اور عورت مرد کے مقابلے میں صنفی اعتبار سے کمزور ہے، اسی لیے شریعت مطہرہ نے جب دو فرد کے درمیان رشتہ قائم ہوا تو اس میں جو طاقت ور فریق تھا مرد کا، اس کو شریعت نے یہ تاکید فرمائی کہ تمھارے ساتھ جو کمزور فریق آ کر لگا ہے، اس کے حقوق کی ادائیگی کا تم کو خاص طور پر اہتمام کرنا ہے۔

عورتوں کو مقامِ انسانیت سے خارج کرنے والا ایک محاورہ

قدیم زمانے سے، اسلام سے پہلے بھی عورتوں کے حقوق کے معاملے میں بہت زیادہ کوتاہیاں ہوتی تھیں بلکہ لوگ ان کو انسان تک نہیں سمجھتے تھے۔ ہمارے معاشرے میں محاورہ بولا جاتا ہے کہ دو مرد آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دو آدمی آئے لیکن عورتوں کے

لیے آدمی کا لفظ بولتے نہیں ہیں، حالاں کہ ''آدمی'' کی نسبت آدم کی طرف ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد تو جیسے مرد آدمی ہے، ویسے ہی عورت بھی آدمی ہے لیکن آدمی کا لفظ خالی مرد کے لیے بولتے ہیں، گویا عورت کو انسان بھی نہیں سمجھا جاتا، یہ محاورہ ہے جس کے پیچھے یہی ذہنیت کام کر رہی ہے۔

عورتوں پر اسلام کا احسانِ عظیم

زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو انسانیت کا جو مقام دیا جانا چاہیے، وہ نہیں دیا جاتا تھا، ان کے ساتھ بڑے مظالم ہوتے تھے، اسلام نے آ کر ان کے ساتھ ہونے والے سارے مظالم کا سدِّ باب کیا، ان سلسلوں کو روکا اور باقاعدہ ان کے حقوق بتلائے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید فرمائی۔

عورت کی مختلف حیثیتیں ہیں، عورت کی ایک حیثیت ماں کی ہے، عورت کی ایک حیثیت بیوی کی ہے، عورت کی ایک حیثیت بہن کی ہے، عورت کی ایک حیثیت بیٹی کی ہے، مختلف حیثیتیں ہیں اور مختلف حیثیتوں سے ان کے کیا حقوق ہیں، وہ بتلائے۔

زمانۂ جاہلیت میں میراث کا حق دار بننے کے لیے ایک ظالمانہ شرط

پہلے زمانے میں عربوں میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا، عربوں کے اندر دستور یہ تھا کہ کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کی جائداد کے مالک صرف مرد ہوں گے، عورتیں نہیں، ان کا ایک قاعدہ تھا کہ جو گھوڑے پر سوار ہو اور نیزہ ہاتھ میں لے اور دشمن کا مقابلہ کرے، وہی مال کا مالک ہو سکتا ہے۔ چوں کہ عورتوں میں یہ بات

نہیں پائی جاتی تھی، اس لیے ان کو میراث میں حصہ نہیں دیا جاتا تھا۔

اسلام کے مقرر کردہ وارثوں میں عورتیں مردوں سے زیادہ ہیں

لیکن اسلام نے آکر عورتوں کے لیے میراث میں باقاعدہ حصے مقرر کیے اور عجیب بات تو یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے اندر جن وارثوں کے لیے حصے مقرر کیے گئے ہیں، ان کو "ذوی الفروض" کہا جاتا ہے، ان کی تعداد بارہ ہے، ان میں سے آٹھ عورتیں ہیں اور چار مرد ہیں، گویا شریعت کی طرف سے مقررہ حصے والے وارثوں میں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں شریعت نے دوگنی رکھی ہے، ان کے حقوق کا اسلام نے اتنا زیادہ اہتمام کیا۔

مردان کو حصے نہیں دیتے تھے تو باقاعدہ ان کو تاکید کی گئی کہ ان کے حقوق کی ادائیگی کی طرف خاص توجہ کریں اور قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سلسلے میں بہت سے مسائل جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں عورتوں اور مردوں کے تعلق سے پیش آئے، ان کا باقاعدہ حل قرآنِ پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا۔

نماز، زکوۃ جیسی اہم عبادات کی تفصیلات قرآن میں نہیں ہیں

حالاں کہ قرآن کی عادت تو یہ ہے کہ قرآن ہر چیز میں ایک اصولی حکم دیتا ہے، نماز جیسی نماز کہ جس کا حکم قرآن میں ۷۰ر سے زیادہ مقامات پر دیا گیا ہے لیکن نماز کا تفصیلی بیان قرآن میں نہیں ہے، نماز کی تفصیل تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عملی طور پر کر کے بتلائی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي: مجھے جس طرح نماز پڑھتے

ہوئے دیکھتے ہوئے، اس طرح نماز پڑھو[1]۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے با قاعدہ نماز کے فرائض، واجبات کی طرف نشان دہی فرمائی اور پھر نماز کی ترتیب کیا ہے، وہ بتلائی۔ نماز کا یہ تفصیلی خاکہ آپ قرآن میں تلاش کریں گے تو نہیں ملے گا۔

زکوۃ بھی اسلام کے بنیادی فرائض میں ہے، قرآن میں اس کا بھی بیسیوں جگہ پر حکم دیا گیا لیکن زکوۃ کے متعلق ساری تفصیلات کہ زکوۃ کون سے مال میں فرض ہوگی؟ کن کن لوگوں پر فرض ہوگی؟ اس کی مقدار کیا ہے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟، یہ ساری تفصیلات قرآن میں کہیں بھی بیان نہیں کی گئیں، ہاں مستحقینِ زکوۃ کا تذکرہ ضرور ہے، لیکن باقی تفصیلات قرآن میں نہیں ہیں، وہ تفصیلات نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی۔

عورتوں کے حقوق قرآن نے تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ معاشرت سے متعلق بہت سارے احکام وہ ہیں جن کو قرآن نے تفصیل سے بیان کیا، حالاں کہ یہ قرآن کے مزاج کے خلاف ہے کہ عام طور پر قرآن میں احکام اس طرح تفصیل سے بیان نہیں کیے جاتے لیکن معاشرت کی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان احکام کو واضح انداز میں بیان فرمایا۔

قرآن کی اس آیت کے اندر عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی اور نبیٔ

---

① عَنْ أَبِي سُلَيْمَانَ مَالِكِ بْنِ الحُوَيْرِثِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَابُ الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ، إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً، وَالإِقَامَةِ، ر:٦٣١.

کریم ﷺ نے عملی طور پر اور اپنے اشادات کے ذریعہ سے امت کو آگاہ کیا کہ تم پر عورتوں کے جو حقوق ہیں، ان کی ادائیگی کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے، اس میں کوتاہی نہ کی جائے۔

حدیث کی روشنی میں بہترین مرد کون؟

حضور ﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي کہ: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ، اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور میں تم میں سب سے اچھا ہوں اپنے گھر والوں کے ساتھ، یعنی میں اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہوں[۱]۔

نکاح کے بعد ہمارے گھروں میں آنے والی لڑکیوں کے ساتھ ناروا سلوک

نکاح کے بعد لڑکیاں تمھارے گھر میں لائی جاتی ہیں۔ آج ہمارے سماج کا ایک ایسا ڈھانچہ بنا ہوا ہے کہ ان کے حقوق کے معاملے میں بڑی غفلت برتی جاتی ہے، جو عورتیں گھر میں پہلے سے موجود ہیں جن کو ساس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان نئی لڑکیوں کو ان کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے ان کے ساتھ جس طرح چاہتی ہے، سلوک کرتی ہے۔

ہم میں سے بہت سے سمجھ دار لوگ جانتے ہیں کہ بھائی! ساس کی طرف سے

---

(۱) سنن الترمذی، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، بَابٌ فِي فَضْلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ ﷺ، ر:۳۸۹۵.

بہو کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے، وہ بالکل ناروا سلوک ہے لیکن جاننے کے باوجود کوئی اس پر آواز اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

خانگی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کو پیش نظر رکھے

اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، اسلام نے تو بیوی کو شوہر کے حوالے کیا تھا تو شوہر کو چاہیے تھا کہ اس کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتا اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک جو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے، اس پر عمل کرتا۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرات ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ جو معاملہ کرتے تھے، وہ ایسا عجیب تھا کہ ازواج مطہرات کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو محبت اور تعلق تھا، وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ محبت اور تعلق سے بھی زیادہ تھا۔

والد کو دیکھ کر ام المؤمنین کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر کو اٹھالینا

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں تھیں۔ حدیبیہ میں جو صلح ہوئی، اس کے بعد ایک ایسا وقت آیا کہ قریش نے اس صلح کی شرائط کی خلاف ورزی کر کے اس صلح کو توڑ دیا، ابوسفیان اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے، قریش نے جب اس صلح کو توڑا تو انھیں اس پر پشیمانی ہوئی چناں چہ انھوں نے ابوسفیان کو مدینۂ منورہ بھیجا کہ وہ اس صلح کی تجدید کرے اور اس کو مضبوط کرے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ابوسفیان جب مدینۂ منورہ پہنچے تو سب سے پہلے اپنی صاحبزادی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پہنچے جو ام المؤمنین تھیں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس

بستر پر آرام فرماتے تھے، وہ بستر بچھا ہوا تھا۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ابا آرہے ہیں۔ اب ظاہر کہ وہ آئیں گے تو بستر پر بیٹھیں گے چناں چہ وہ گھر میں داخل ہوں، اس سے پہلے ہی جلدی سے بستر کو لپیٹ کر اٹھا کر رکھ دیا۔

ابوسفیان نے جب یہ منظر دیکھا تو پوچھنے لگے کہ بیٹی! یہ بستر تو نے لپیٹ کر کیوں رکھ دیا؟ کیا میں اس بستر کے لائق نہیں ہوں یا یہ بستر میرے لائق نہیں ہے؟۔ اس لیے کہ دو میں سے ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب ہمارے گھر کوئی بڑا مہمان آتا ہے تو گھر میں کوئی معمولی چیز بچھی ہوئی ہو تو اس کو جلدی سے اٹھا کر رکھ دیتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہے، ذرا اس سے اچھا بچھائیں گے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچھی چیز بچھی ہوئی ہے، آنے والا ایسا ہے کہ وہ اس لائق نہیں ہے کہ اس پر اس کو بٹھایا جائے تو اس کو وہاں سے دور کر دیا جاتا ہے۔

چناں چہ ابوسفیان نے پوچھا کہ تم نے یہ بستر کیوں اٹھایا؟ تو اس کے جواب میں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ابا! آپ مشرک ہیں اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر ہے اور ایک مشرک اس بستر پر نہیں بیٹھ سکتا۔

دیکھیے! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان ازواج مطہرات کا کیسا تعلق تھا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی حسنِ سلوک کا نتیجہ تھا[1]۔

بہر حال! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل کے ذریعہ سے ہمیں بتلایا کہ ہمیں اپنی بیویوں کے ساتھ کیسا معاملہ اور سلوک کرنا چاہیے۔

---

(۱) سیر أعلام النبلاء، ۳/ ۴۷۹، فی تذکرة أم حبیبة أم المؤمنین رضی اللہ عنہا.

عورتوں پر مظالم اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی چیز ہے

آج لڑکیاں نکاح کر کے دوسرے گھروں میں پہنچتی ہیں تو ان پر ایسے مظالم ڈھائے جاتے ہیں، ساری دنیا جانتی ہے، گھر کا جو بڑا مرد ہے، ذمہ دار ہے، وہ جانتا ہے، وہ خود بھی اس کو ناپسند کرتا ہے لیکن وہ اس کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا، یہ وہ چیز ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کو لانے والی ہے، اس کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت متوجہ نہیں ہوتی۔

لوگوں کی پریشانیوں کا ایک اہم سبب عورتوں پر مظالم

آج بہت سے لوگ بہت سے معاملات میں پریشان ہوتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب! ہم نماز بھی پڑھتے ہیں، سب کچھ کرتے ہیں لیکن پھر بھی یہ پریشانیاں کیوں ہیں؟۔ان سے ہم کہتے ہیں کہ ذرا سوچو کہ تمھارے گھر کے اندر کیسے معاملات ہیں، تمھاری طرف سے کسی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ تو نہیں ہو رہا ہے؟۔ ہمارے گھروں میں قصداً ان عورتوں پر مظالم ہوتے ہیں پھر ہمارے گھروں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے؟۔

ان چیزوں کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور باقاعدہ نظام مقرر کیا جائے کہ کس کا کیا حق ہے اور کتنا حق ہے؟۔ہم اپنے حقوق کا تو ان سے مطالبہ کرتے ہیں اور ان کے جو حقوق ہمارے اوپر ہیں، ان کو ادا کرنے کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

عورتوں کی ان قربانیوں کو بھی یاد رکھیے

اس بے چاری نے کتنی بڑی قربانی دی کہ جس باپ کے یہاں پیدا ہوئی تھی، پل کر بڑی ہوئی تھی اور اپنے بھائیوں کو، اپنے ماں باپ کو، اپنے اس گھر کو جس کے ساتھ اس کو دلی محبت تھی، آپ کے خاطر قربان کر کے آپ کے گھر میں آئی ہے اور آپ اس کے ساتھ اس طرح ظالمانہ سلوک کریں گے تو پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت آپ کے گھر کی طرف کیسے متوجہ ہوگی؟۔

جو اپنے لیے پسند کرو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی اس آیت میں خاص طور پر اس کی طرف متوجہ فرمایا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ ہونا چاہیے، کبھی اس کے ساتھ بدسلوکی نہ ہو، ہمیں تو حدیث میں یہ سبق دیا گیا: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ، حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ: تم میں سے کوئی آدمی مؤمن نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے[۱]۔

تمھاری بہو بھی کسی کی بیٹی ہے

آج ہماری بیٹی کسی کے گھر بیاہی ہوئی ہو تو ہر ایک باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ میری بیٹی کے ساتھ اس کا شوہر، اس کے گھر والے اچھا سلوک کریں، کوئی ظلم اور زیادتی

---

① صحيح البخاری، عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، بَابٌ: مِنَ الإِيمَانِ أَنْ يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ، ر:۱۳.

کا معاملہ نہ ہو۔ جب ہم اپنی بیٹی کے لیے ایسی خواہش رکھتے ہیں تو دوسرے کی بیٹی بیاہ کر کے آپ کے گھر میں لائی گئی ہے تو آپ کو بھی چاہیے کہ آپ اس کے ساتھ وہی محبت کا، وہی اپنائیت کا، حسن سلوک کا معاملہ کریں، اپنی بیٹی کی طرح اس کو رکھیں، پھر دیکھو کہ آپ کے سارے مسائل کیسے حل ہوتے ہیں۔

بہو کے ساتھ ناروا سلوک کا انجام دنیا دیکھ رہی ہے

ضرورت ہے کہ اس سلسلے میں جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں، اس کو دور کیا جائے، ورنہ زمانہ کروٹ لے رہا ہے۔ آج تک ہمارے معاشرے میں یہ تھا کہ ماں باپ اور اولاد مل جل کر رہا کرتے تھے لیکن ماں باپ کے ساتھ اولاد کے رہنے میں یہ جو زیادتیاں ہو رہی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کے اندر تو یہ ہوتا ہے کہ اولاد بڑی ہوتے ہی ماں باپ سے الگ ہو جاتی ہے اور جہاں اسلامی معاشرت ہے، وہاں بھی یہ دیکھا جا رہا ہے کہ شادی ہوتے ہی بیٹا ماں باپ سے الگ ہو جائے گا اور مثلاً چار بیٹے ہیں اور چاروں شادی شدہ ہیں تو چاروں الگ رہتے ہیں اور ماں باپ بڑھے ہیں، وہ اکیلے رہتے ہیں اور ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اولاد کے والدین سے الگ ہونے کا وقت ہم سے بھی دور نہیں ہے

یہ وقت کیوں آیا؟ اس لیے آیا کہ ہم نے اپنے معاشرے میں بیویوں کے حقوق کے متعلق شریعت کی طرف سے جو تاکید کی گئی تھی، اس کا لحاظ نہیں کیا۔ اب زمانہ کروٹ لے رہا ہے، اب ہمارے یہاں بھی وہ وقت دور نہیں کہ شادی ہوئی کہ آپ کا بیٹا اپنی

بیوی کو لے کر آپ سے الگ رہنا شروع کر دے گا اور اس طرح ماں باپ اکیلے رہ جائیں گے۔

اگر آپس میں محبت سے رہیں، اگر آپس میں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رہے، آنے والی بہو کے ساتھ محبت کا سلوک کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی لیکن کوئی اس کو کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور زمانہ اپنا کام کر رہا ہے اور آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ دھیرے دھیرے ہمارے معاشرے کے اندر بھی یہ چیز داخل ہوتی جا رہی ہے۔

وہ جو اجتماعی خاندان کا سلسلہ تھا، ایک ساتھ بڑے خاندان کے رہنے کا جو سلسلہ تھا، وہ دھیرے دھیرے ختم ہوتا جا رہا ہے، اس کی بنیاد یہی مظالم ہیں۔

کفر کے ساتھ حکومت چل سکتی ہے، ظلم کے ساتھ نہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ ظلم کو پسند نہیں کرتے، بزرگوں نے کہا کہ کفر کے ساتھ حکومت رہ سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس لیے سنبھلنے کی ضرورت ہے، آج ہی سنبھل جاؤ، ورنہ وہ وقت آئے گا کہ اس وقت روئیں گے تو بھی کوئی آپ کی مدد کرنے والا نہیں ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری حفاظت فرماوے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے دیگر افادات

نمبر شمار	اسمائے کتب
۱	حدیث کے اصلاحی مضامین، مکمل ۱۵ ر جلدیں
۲	محمود الفتاویٰ مبوب، مکمل ۸ ر جلدیں
۳	فتح اللہ الاحد شرح الادب المفرد ۲ ر جلدیں
۴	محمود الرسائل
۵	نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت
۶	مکاتب دینیہ کے اساتذہ سے خطاب
۷	فضلاء سے اہم خطاب
۸	مولانا علی میاںؒ کی مقبولیت کا راز
۹	محمود الفتاویٰ گجراتی
۱۰	محمود المواعظ، ۸ ر جلدیں
۱۱	نصیحت گوش کن جاناں
۱۲	درسِ ختم بخاری
۱۳	آسان درس قرآن
۱۴	مفتیان کرام سے رہنما خطاب